کیا انکار کرنے والوں نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین دونوں بند تھے پھر ہم نے ان کو کھول دیا۔
اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا۔ کیا پھر بھی وہ ایمان نہیں لاتے۔ ۳۰

---

رتق کے معنی کسی چیز کا منھ بند (منضم الاجزاء) ہونا ہے اور فتق کا مطلب اس کا کھل جانا ہے۔ غالباً اس سے زمین و آسمان کی وہ ابتدائی حالت مراد ہے جس کو موجودہ زمانہ میں بگ بینگ نظریہ کہا جاتا ہے۔ جدید سائنسی تحقیق کے مطابق زمین و آسمان کا تمام مادہ ابتداءً ایک بہت بڑے گولے (سپر ایٹم) کی صورت میں تھا۔ معلوم طبیعیاتی قوانین کے مطابق اس وقت اس کے تمام اجزاء اپنے اندرونی مرکز کی طرف کھنچ رہے تھے اور انتہائی شدت کے ساتھ باہم جڑے ہوتے تھے۔ اس کے بعد اس گولے کے اندر ایک دھماکہ ہوا اور اس کے اجزاء اچانک بیرونی سمت میں پھیلنا شروع ہوئے۔ اس طرح بالآخر وہ وسیع کائنات بنی جو آج ہمارے سامنے موجود ہے۔

ابتدائی مادی گولے (سپر ایٹم) میں یہ غیر معمولی واقعہ بیرونی مداخلت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس طرح آغاز کائنات کی یہ تاریخ واضح طور پر ایک ایسی ہستی کو ثابت کرتی ہے جو کائنات کے باہر اپنا مستقل وجود رکھتی ہے اور جو اپنی ذاتی قوت سے کائنات کے اوپر اثر انداز ہوتی ہے۔

ہماری دنیا میں ہر جاندار چیز سب سے زیادہ جس چیز سے مرکب ہوتی ہے وہ پانی ہے۔ پانی نہ ہو تو زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔ یہ پانی ہماری زمین کے سوا کہیں اور موجود نہیں۔ وسیع کائنات میں استثنائی طور پر صرف ایک مقام پر پانی کا پایا جانا واضح طور پر "خصوصی تخلیق" کا پتہ دیتا ہے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ ایسی کھلی کھلی نشانیوں کے بعد بھی آدمی خدا کو نہیں پاتا۔ اس کے باوجود وہ بدستور محروم پڑا رہتا ہے۔

وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿٣١﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ ﴿٣٢﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿٣٣﴾

اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنائے کہ وہ ان کو لے کر جھک نہ جائے اور اس میں ہم نے کشادہ راستے

بنائے تاکہ لوگ راہ پائیں۔ اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنایا۔ اور وہ اس کی نشانیوں سے اعراض کئے ہوئے ہیں۔ اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند بنائے۔ سب ایک ایک مدار میں تیر رہے ہیں۔ ۳۱-۳۳

---

یہاں زمین کی چند نمایاں نشانیوں کا ذکر ہے جو انسان کو خدا کی یاد دلاتی ہیں تاکہ وہ اس کا شکر گزار بندہ بنے۔ ان میں سے ایک پہاڑوں کے سلسلے ہیں جو سمندروں کے نیچے کے کثیف مادہ کو متوازن رکھنے کے لئے سطح زمین پر جگہ جگہ ابھر آئے ہیں۔ اس سے مراد غالباً وہی چیز ہے جس کو جدید سائنس میں ارضی توازن (Isostasy) کہا جاتا ہے۔ اسی طرح زمین کا اس قابل ہونا بھی ایک نشانی ہے کہ انسان اس پر اپنے لئے راستے بنا سکتا ہے، کہیں ہموار میدان کی صورت میں، کہیں پہاڑی دروں کی صورت میں اور کہیں دریائی شگاف کی صورت میں۔

آسمان کی "چھت" جو ہماری بالائی فضا ہے، اس کی ترکیب اس طرح سے ہے کہ وہ ہم کو سورج کی نقصان دہ شعاعوں سے بچاتی ہے۔ وہ شہاب ثاقب کی مسلسل بارش کو ہم تک پہنچنے سے روکے ہوئے ہے۔ اسی طرح سورج اور چاند کا ٹکرائے بغیر ایک خاص دائرہ میں گھومنا اور اس کی وجہ سے زمین پر دن اور رات کا باقاعدگی کے ساتھ پیدا ہونا۔

اس قسم کی بے شمار نشانیاں ہماری دنیا میں ہیں۔ آدمی ان کو گہرائی کے ساتھ دیکھے تو وہ خدا کی قدرتوں اور نعمتوں کے احساس میں ڈوب جائے۔ مگر آدمی ان کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ وہ کھلے کھلے واقعات کو دیکھ کر بھی اندھا بہرا بنا رہتا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ﴿٣٤﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿٣٥﴾

اور ہم نے تم سے پہلے بھی کسی انسان کو ہمیشگی کی زندگی نہیں دی تو کیا اگر تم کو موت آجائے تو وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اور ہم تم کو بری حالت اور اچھی حالت سے آزماتے ہیں پرکھنے کے لئے۔ اور تم سب ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے۔ ۳۴-۳۵

مکہ میں جو لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مخالف تھے وہ وسائل کے اعتبار سے آپ سے بہت بڑھے ہوئے تھے۔ ان کو اس وقت کے ماحول میں عزت اور برتری حاصل تھی۔ اس فرق کا مطلب ان کے نزدیک یہ تھا کہ وہ حق پر ہیں اور محمد ناحق پر۔ مگر دنیوی چیزوں کی زیادتی اور کمی حق اور ناحق کی بنیاد پر نہیں ہوتی بلکہ صرف امتحان کے لئے ہوتی ہے۔ یہ خدا کی طرف سے بطور آزمائش ہے۔ دنیوی سامان پاکر اگر کوئی شخص اپنے کو بڑا سمجھنے لگے تو گویا وہ اپنے کو ان چیزوں کا نااہل ثابت کر رہا ہے۔ اس کا نتیجہ صرف یہ ہے کہ موت کے بعد کی زندگی میں اس کو ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا جائے۔

مکہ کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناکام کرنے کے لئے ہر قسم کی مخالفانہ کوششوں میں لگے ہوئے تھے حتیٰ کہ وہ چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح آپ کا خاتمہ کر دیں۔ تاکہ یہ مشن اپنی جڑسے محروم ہو کر ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ فرمایا کہ پیغمبر کے خلاف اس قسم کی سازشیں کرنے والے لوگ اس حقیقت کو بھول گئے ہیں کہ جس قبر میں وہ دوسرے کو داخل کرنا چاہتے ہیں اسی قبر میں بالآخر انھیں خود بھی داخل ہونا ہے۔ پھر موت کے بعد جب ان کا سامنا مالک حقیقی سے ہوگا تو وہاں وہ کیا کریں گے۔

وَإِذَا رَآكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ هُمْ كَافِرُونَ ۝٣٦

اور منکر لوگ جب تم کو دیکھتے ہیں تو وہ سب تم کو مذاق بنا لیتے ہیں۔ کیا یہی ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کیا کرتا ہے۔ اور خود یہ لوگ رحمان کے ذکر کا انکار کرتے ہیں۔ ۳۶

---

قریش کے معبود اکثر ان کی قوم کے اکابر تھے۔ ایک طرف اپنے ان اکابر کی خیالی عظمت ان کے ذہنوں میں بسی ہوئی تھی۔ دوسری طرف پیغمبر تھا جس کی تصویر اس وقت ایک عام انسان سے زیادہ نہ تھی۔ اس تقابل میں پیغمبر انھیں بالکل معمولی نظر آتا۔ وہ حقارت کے ساتھ کہتے کہ کیا یہی وہ شخص ہے جو ہمارے اکابر پر تنقید کرتا ہے اور اکابر کے جس دین پر ہم قائم ہیں اس کو رد کر کے دوسرا دین پیش کر رہا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو صرف ایک خدا کی طرف بلاتے تھے۔ مگر انھیں خدا سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ان کی تمام دلچسپیاں اپنے اکابر سے وابستہ تھیں۔ انھوں نے اپنے ان اکابر کو معبود کا درجہ دے رکھا تھا۔ آپ کی دعوت سے چونکہ ان اکابر پر زد پڑتی تھی۔ اس لئے وہ آپ کے سخت مخالف ہو گئے۔ وہ بھول گئے کہ معبودوں کو رد کر کے آپ خدا کو پیش کر رہے ہیں نہ کہ خود اپنی ذات کو۔

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ
مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ
لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾
بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾
وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ
ع ۳ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾

انسان عجلت کے خمیر سے پیدا ہوا ہے۔ میں تم کو عنقریب اپنی نشانیاں دکھاؤں گا، پس تم مجھ سے جلدی نہ کرو اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب آئے گا اگر تم سچے ہو۔ کاش ان منکروں کو اس وقت کی خبر ہوتی جب کہ وہ آگ کو نہ اپنے سامنے سے روک سکیں گے اور نہ اپنے پیچھے سے۔ اور نہ ان کو مدد پہنچے گی۔ بلکہ وہ اچانک ان پر آجائے گی، پس ان کو بدحواس کر دے گی۔ پھر وہ نہ اس کو دفع کر سکیں گے اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔ اور تم سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا۔ پھر جن لوگوں نے ان میں سے مذاق اڑایا تھا ان کو اس چیز نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ ۳۷-۴۱

---

عرب کے لوگ آخرت کے منکر نہ تھے۔ وہ آخرت کی اس نوعیت کے منکر تھے جس کی خبر انھیں ان کی قوم کا ایک شخص "محمد بن عبد اللہ" دے رہا تھا۔ انھیں فخر تھا کہ وہ ایک ایسے دین پر ہیں جو ان کی کامیابی کی یقینی ضمانت ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس یقین کی تردید کی تو وہ بگڑ گئے۔ وہ اپنی بے خوف نفسیات کی بنا پر یہ کہنے لگے کہ وہ عذاب ہمیں دکھاؤ جس کی تم ہم کو دھمکی دے رہے ہو۔

فرمایا کہ ان کی یہ جلد بازی صرف اس لئے ہے کہ ابھی امتحان کے دَور میں ہونے کی وجہ سے وہ عذاب سے دور کھڑے ہوئے ہیں۔ جس دن یہ مہلت ختم ہوگی اور خدا کا عذاب انھیں گھیر لے گا، اس وقت ان کی سمجھ میں آجائے گا کہ رسول کی دعوت کے بارہ میں سنجیدہ نہ ہو کر انھوں نے کتنی بڑی غلطی کی تھی۔

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ
مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ

أَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُونَ ﴿٤٣﴾

کہو کہ کون ہے جو رات اور دن میں رحمان سے تمہاری حفاظت کرتا ہے۔ بلکہ وہ لوگ اپنے رب کی یاددہانی سے اعراض کر رہے ہیں۔ کیا ان کے لئے ہمارے سوا کچھ معبود ہیں جو ان کو بچا لیتے ہیں۔ وہ خود اپنی حفاظت کی قدرت نہیں رکھتے۔ اور نہ ہمارے مقابلہ میں کوئی ان کا ساتھ دے سکتا ہے۔ ۴۲ - ۴۳

---

خدا کی پکڑ کا مسئلہ کسی دور دراز مستقبل کا مسئلہ نہیں ہے۔ وہ اسی دن رات کے اندر چھپا ہوا ہے جس میں آدمی اپنے آپ کو مامون و محفوظ سمجھتا ہے۔ مثلاً سورج اور زمین کا فاصلہ اگر نصف کے بقدر گھٹ جائے تو ہمارے دن اتنے گرم ہو جائیں کہ وہ ہم کو آگ کے شعلہ کی طرح جلا دیں۔ اس کے برعکس اگر زمین سے سورج کا فاصلہ دگنا بڑھ جائے تو ہماری راتیں اتنی ٹھنڈی ہو جائیں کہ ہم برف کی طرح جم کر رہ جائیں۔

زمین و آسمان کا یہ حد درجہ موافق نظام جس نے قائم کر رکھا ہے وہ اس قابل ہے کہ انسان اپنی تمام عقیدتیں اور وفاداریاں اس سے وابستہ کرے۔ نہ کہ وہ ان جھوٹے معبودوں کی پرستش کرنے لگے جو اس کو کچھ نہیں دے سکتے۔

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۗ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۗ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٤٤﴾

بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو دنیا کا سامان دیا۔ یہاں تک کہ اسی حال میں ان پر لمبی مدت گزر گئی۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے اطراف سے گھٹاتے چلے جا رہے ہیں۔ پھر کیا یہی لوگ غالب رہنے والے ہیں۔ ۴۴

---

مکہ کے لوگ اس زمانہ میں عرب کے قائد سمجھے جاتے تھے۔ یہ قیادت ان کے لئے خدا کی ایک نعمت تھی۔ مگر اس سے انھوں نے کبر کی غذا لی۔ چنانچہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے حق کا اعلان ہوا تو انھوں نے اپنی متکبرانہ نفسیات کی بنا پر اس کا انکار کر دیا۔

یہ مکہ میں اسلام کا حال تھا۔ مگر باہر کے عوام جو اس قسم کی نفسیاتی پیچیدگیوں میں مبتلا نہ تھے ان کے

اندر اسلام کی صداقت پھیلتی جا رہی تھی۔ مکہ میں اسلام کو رد کر دیا گیا تھا مگر باہر کے قبائل میں اسلام کو اختیار کیا جا رہا تھا۔ مدینہ کے باشندوں کے بڑے پیمانے پر قبول اسلام نے یہ بات آخری طور پر واضح کر دی کہ مکہ کے لوگوں کی قیادت کا دائرہ سمٹتا جا رہا ہے۔ یہ ایک کھلی ہوئی تنبیہ تھی۔ مگر جو لوگ بڑائی کی نفسیات میں مبتلا ہوں وہ کسی بھی تنبیہ سے سبق لینے والے نہیں بنتے۔

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ۝ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝

کہو کہ میں بس وحی کے ذریعہ سے تم کو ڈراتا ہوں۔ اور بہرے پکار کو نہیں سنتے جب کہ انھیں ڈرایا جائے اور اگر تیرے رب کے عذاب کا جھونکا انھیں لگ جائے تو وہ کہنے لگیں گے کہ ہائے ہماری بدبختی، بے شک ہم ظالم تھے۔ ۴۶ - ۴۵

---

"وحی کے ذریعہ ڈرانا" گویا دلیل کے ذریعہ لوگوں کو متنبہ کرنا ہے۔ حق کا داعی ہمیشہ دلیل کی زبان میں اپنی بات کو پیش کرتا ہے۔ اور دلیل ہی کی زبان میں لوگوں کو اسے پہچاننا پڑتا ہے۔ جو لوگ دلیل کے سامنے اندھے بہرے بنے رہیں، ان کی آنکھ صرف اس وقت کھلتی ہے جب کہ خدا کی طاقت کھلے طور پر ظاہر ہو جائے۔ اس وقت ہر سرکش اور متکبر فوراً مان لے گا۔ مگر اس وقت کا ماننا کسی کے کچھ کام نہ آئے گا۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ۝

اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو رکھیں گے۔ پس کسی جان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔ اور اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی کسی کا عمل ہوگا تو ہم اس کو حاضر کر دیں گے۔ اور ہم حساب لینے کے لئے کافی ہیں۔ ۴۷

---

"ترازو" موجودہ دنیا میں کسی چیز کا وزن معلوم کرنے کی علامت ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسی معلوم اصطلاح کو آخرت کا معاملہ سمجھانے کے لئے استعمال کیا۔ دنیا کا ترازو مادی چیزوں کو تولتا ہے۔ آخرت میں خدا کا ترازو معنوی حقیقتوں کو تول کر اس کا وزن بتائے گا۔

دنیا میں آدمی کسی چیز کو اسی وقت پاتا ہے جب کہ وہ اس کی قیمت ادا کرے۔ کم قیمت دینے والا کم چیز پاتا ہے۔ اور زیادہ قیمت دینے والا زیادہ چیز۔ یہی معاملہ آخرت میں بھی پیش آئے گا۔ وہاں کی اعلیٰ چیزیں بھی آدمی کو قیمت دے کر ملیں گی۔ قیمت ادا کئے بغیر جس طرح دنیا کی چیز کسی کو نہیں ملتی۔ اسی طرح آخرت کی چیزیں بھی اسی کو ملیں گی جو ان کی ضروری قیمت ادا کرے ——— قرآن اسی قیمت کی نشاندہی کرنے والی کتاب ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٨﴾ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿٤٩﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ۭ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٥٠﴾ ع

اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرقان اور روشنی اور نصیحت عطا کی خدا ترسوں کے لئے، جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور وہ قیامت کا خوف رکھنے والے ہیں۔ اور یہ ایک بابرکت یاد دہانی ہے جو ہم نے اتاری ہے، تو کیا تم اس کے منکر ہو۔ ۵۰ - ۴۸

---

فرقان اور ضیاء اور ذکر جو حضرت موسیٰ کو دیا گیا، یہی خدا کی طرف سے تمام پیغمبروں کو ملا تھا۔ فرقان سے مراد وہ نظریاتی معیار ہے جس کے ذریعہ آدمی حق اور باطل کے درمیان فرق کر سکتا ہے۔ ضیاء سے مراد خدا کی رہنمائی ہے جو آدمی کو بے راہی کے اندھیرے سے نکال کر صراط مستقیم کے اجالے میں لاتی ہے۔ ذکر سے مراد یاد دہانی ہے۔ یعنی چیزوں کے اندر چھپے ہوئے نصیحت کے پہلو کو کھولنا۔ تاکہ چیزیں لوگوں کے لئے محض چیزیں نہ رہیں بلکہ وہ نصیحت اور معرفت کا خزانہ بن جائیں۔

اس طرح خدا نے انسان کی ہدایت کا انتظام کیا۔ مگر خدائی ہدایت نامہ کو واقعی طور پر اپنے لئے ہدایت بنانا اسی وقت ممکن ہے جب کہ آدمی انجام کا اندیشہ رکھتا ہو۔ اس کی اندیشہ ناک نفسیات اس کو اس حد تک سنجیدہ بنا دے کہ وہ ہر دوسری چیز کے مقابلہ میں حق و صداقت کو زیادہ اہمیت دینے لگے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿٥١﴾ اِذْ قَالَ

لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

اور ہم نے اس سے پہلے ابراہیم کو اس کی ہدایت عطا کی۔ اور ہم اس کو خوب جانتے تھے۔ جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ کیا مورتیں ہیں جن پر تم جمے بیٹھے ہو۔ انھوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔ ابراہیم نے کہا کہ بے شک تم اور تمہارے باپ دادا ایک کھلی گمراہی میں مبتلا رہے۔ ۵۴-۵۱

---

خدا کے یہاں فیض بقدر استعداد کا اصول ہے۔ حضرت ابراہیم نے مختلف امتحانات سے گزر کر جس استعداد کا ثبوت دیا تھا اس کو خدا نے جانا اور اس کے مطابق ان کو ہدایت اور معرفت عطا فرمائی۔ یہی معاملہ خدا کا اپنے ہر بندے کے ساتھ ہے۔

حضرت ابراہیم عراق کے قدیم شہر اُر میں پیدا ہوئے۔ اس وقت یہاں کی زندگی میں پوری طرح شرک چھایا ہوا تھا۔ مشرکانہ ماحول میں پرورش پانے کے باوجود وہ اس سے متاثر نہیں ہوئے۔ انھوں نے چیزوں کو خود اپنی عقل سے جانچا اور ماحول کے علی الرغم توحید کی صداقت کو پالیا۔ وہ ایسی دنیا میں تھے جہاں ہر قسم کی عزت اور ترقی شرک سے وابستہ ہو گئی تھی۔ مگر انھوں نے کسی چیز کی پروا نہیں کی۔ تمام مصلحتوں سے بے نیاز ہو کر قوم کی روش پر تنقید کی اور اس کے سامنے حق کا اعلان کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے ——— یہی وہ صفات ہیں جو کسی شخص کو اس قابل بناتی ہیں کہ اس کو خدا کی ہدایت حاصل ہو۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ۝ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰي ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا

اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ۝

انہوں نے کہا، کیا تم ہمارے پاس سچی بات لائے ہو یا تم مذاق کر رہے ہو۔ ابراہیم نے کہا بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ جس نے ان کو پیدا کیا۔ اور میں اس بات کی گواہی دینے والا ہوں اور خدا کی قسم میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک تدبیر کروں گا۔ جب کہ تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے۔ پس اس نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا سوا ان کے ایک بڑے کے تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔

۵۵ - ۵۸

حضرت ابراہیم کے زمانہ میں مشرکانہ تخیلات لوگوں کے ذہنوں پر اتنا زیادہ چھائے ہوئے تھے کہ ابتداءً وہ حضرت ابراہیم کی تنقید کو غیر سنجیدہ بات سمجھے۔ انہوں نے کہا کہ تم کوئی سوچی سمجھی بات کہہ رہے ہو یا محض تفریح کے طور پر کچھ الفاظ اپنی زبان سے نکال رہے ہو۔

حضرت ابراہیم نے کہا کہ یہ تمہاری مزید ناسمجھی ہے کہ تم اس اہم ترین بات کو غیر سنجیدہ بات سمجھ رہے ہو۔ حالانکہ تمام زمین و آسمان اس کے حق میں گواہی دے رہے ہیں۔ اگلے دن انہوں نے مزید یہ کیا کہ غیر معمولی جرأت سے کام لے کر ان کے بتوں کو توڑ ڈالا۔ اس طرح گویا حضرت ابراہیم نے عملاً دکھا دیا کہ یہ بت فی الواقع بھی اتنے ہی بے حقیقت ہیں جتنا میں نے لفظی طور پر تمہیں بتایا تھا۔

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ۝ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ۝ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۝

انہوں نے کہا کس نے ہمارے بتوں کے ساتھ ایسا کیا ہے۔ بے شک وہ بڑا ظالم ہے۔ لوگوں نے کہا کہ ہم نے ایک جوان کو ان کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا تھا جس کو ابراہیم کہا جاتا ہے۔ انہوں کہا کہ اس کو سب آدمیوں کے سامنے حاضر کرو۔ تاکہ وہ دیکھیں۔ انہوں نے کہا کہ اے ابراہیم، کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ تم نے ایسا کیا ہے۔ ابراہیم نے کہا، بلکہ ان کے اس بڑے نے ایسا کیا ہے تو ان سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں۔ ۶۳ - ۵۹

اگلے دن جب لوگ بت خانہ میں گئے اور دیکھا کہ وہاں کے بت ٹوٹے پڑے ہیں۔ تو ان کو سخت دھکا لگا۔ بالآخر ان کی سمجھ میں آیا کہ یہ اس نوجوان کا قصہ معلوم ہوتا ہے جو ہمارے آبائی دین سے منحرف ہے اور اس کے خلاف بولتا رہتا ہے۔

حضرت ابراہیم نے بتوں کو توڑتے ہوئے بالقصد سب سے بڑے بت کو چھوڑ دیا تھا۔ اب جب وہ بلائے گئے اور ان سے باز پرس ہوئی تو انھوں نے کہا کہ یہ بڑا بت صحیح وسالم موجود ہے۔ اس سے پوچھ لو۔ اگر وہ واقعی معبود ہے تو بول کر تمہیں بتلائے کہ یہ نقصان بتوں کے ساتھ کیسے پیش آیا۔

حضرت ابراہیم نے براہ راست طور پر کوئی بات نہیں کہی۔ مگر بالواسطہ طور پر انھوں نے وہ بات کہہ دی جو اس موقع پر براہ راست کلام سے بھی زیادہ مؤثر تھی۔

فَرَجَعُوٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

پھر انھوں نے اپنے جی میں سوچا پھر کہنے لگے کہ حقیقت میں تم ہی ناحق پر ہو۔ پھر اپنے سروں کو جھکا لیا۔ اے ابراہیم، تم جانتے ہو کہ یہ بولتے نہیں۔ ابراہیم نے کہا، کیا تم خدا کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہو جو تم کو نہ کوئی فائدہ پہنچا سکیں اور نہ کوئی نقصان۔ افسوس ہے تم پر بھی اور ان چیزوں پر بھی جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ کیا تم سمجھتے نہیں ۔ ۶۷-۶۴

---

حضرت ابراہیم کے ان جوابات پر وہ لوگ آپ کو گستاخ ٹھہرا کر بگڑ سکتے تھے۔ جیسا کہ ان مواقع پر عام طور پر ہوتا ہے۔ تاہم بت پرستی کے باوجود ان میں ابھی زندگی موجود تھی۔ چنانچہ انھوں نے آپ کے جواب کے استدلالی وزن کو محسوس کیا۔ اور شرمندہ ہو کر اپنے برسر ناحق ہونے کا اعتراف کیا۔ بعد کو اگر عصبیت کے جذبات نہ ابھر آتے تو یہ تجربہ انھیں ایمان تک پہنچانے کے لئے کافی ہو جاتا۔

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ

سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿۷۰﴾

انھوں نے کہا کہ اس کو آگ میں جلادو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو، اگر تم کو کچھ کرنا ہے۔ ہم نے کہا کہ اے آگ تو ابراہیم کے لئے ٹھنڈک اور سلامتی بن جا۔ اور انھوں نے اس کے ساتھ برائی کرنا چاہا تو ہم نے انھیں لوگوں کو ناکام بنادیا۔ ۶۸ — ۷۰

---

جو لوگ اختیارات کے مالک ہوتے ہیں وہ دلیل کے میدان میں ہار جانے کے بعد ہمیشہ ظلم کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ یہی حضرت ابراہیم کے ساتھ ہوا۔ بت شکنی کے واقعہ کے بعد جب قوم کے لیڈروں نے محسوس کیا کہ وہ ابراہیم کے مقابلہ میں بے دلیل ہو چکے ہیں تو اب انھوں نے آپ کے اوپر سختیاں شروع کر دیں۔ یہاں تک کہ طاقت کے گھمنڈ میں آکر ایک روز آپ کو آگ کے الاؤ میں ڈال دیا۔

مگر خدا کا پیغمبر دنیا میں خدا کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اس کا معاملہ خدا کا معاملہ ہوتا ہے۔ اس لئے خدا استثنائی طور پر پیغمبر کی غیر معمولی مدد کرتا ہے۔ چنانچہ خدا نے حکم دیا اور آگ آپ کے لئے ٹھنڈی ہوگئی۔ اس نوعیت کی نصرت غیر پیغمبروں کے لئے بھی نازل ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ اپنے آپ کو خدا کے منصوبہ کے ساتھ اس حد تک وابستہ کریں جس طرح پیغمبر اس کے ساتھ اپنے کو وابستہ کرتا ہے۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ۭ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿۷۳﴾

اور ہم نے اس کو اور لوط کو اس زمین کی طرف نجات دے دی جس میں ہم نے دنیا والوں کے لئے برکتیں رکھی ہیں۔ اور ہم نے اس کو اسحاق دیا اور مزید برآں یعقوب۔ اور ہم نے ان سب کو نیک بنایا۔ اور ہم نے ان کو امام بنایا جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے۔ اور ہم نے ان کو نیک عمل اور نماز کی اقامت اور زکوٰۃ کی ادائگی کا حکم بھیجا اور وہ ہماری عبادت کرنے والے تھے۔ ۷۱ — ۷۳

حضرت ابراہیم عراق میں پیدا ہوئے۔ جب ان کی قوم اور وہاں کا بادشاہ نمرود آپ کا دشمن ہوگیا تو اتمام حجت کے بعد آپ نے اپنا وطن چھوڑ دیا۔ اور اللہ کے حکم سے شام و فلسطین کے سرسبز علاقہ کی طرف چلے گئے۔ آپ کے ملک والوں نے اگرچہ آپ کا ساتھ نہیں دیا تھا، مگر خدا نے آپ کو بیٹے اور پوتے دئے جو آپ کے راستہ پر چلنے والے بنے۔ حتی کہ ان کی صالحیت خدا نے اس طرح قبول فرمائی کہ آپ کی نسل میں نبوت کا سلسلہ جاری کر دیا۔

وَلُوطًا آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ تَعْمَلُ الْخَبَائِثَ ۗ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَاسِقِينَ ﴿٧٤﴾ وَأَدْخَلْنَاهُ فِي رَحْمَتِنَا ۖ إِنَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٧٥﴾ ع ۵

اور لوط کو ہم نے حکمت اور علم عطا کیا۔ اور اس کو اس بستی سے نجات دی جو گندے کام کرتی تھی۔ بلاشبہ وہ بہت برے، فاسق لوگ تھے۔ اور ہم نے اس کو اپنی رحمت میں داخل کیا۔ بے شک وہ نیکوں میں سے تھا۔ ۷۵-۷۴

---

حکمت سے مراد معرفت اور علم سے مراد وحی ہے۔ حضرت لوط کو یہ چیزیں عطا ہوئیں۔ دوسرے تمام پیغمبروں کو بھی یہ چیزیں دی جاتی رہی ہیں۔ اب ختم نبوت کے بعد وحی کا قائم مقام قرآن ہے۔ تاہم حکمت (معرفت) سے غیر پیغمبروں کو بھی بقدر استعداد حصہ ملتا ہے۔

جن لوگوں پر اللہ کی نظر ہوتی ہے وہ ان کا ولی و کارساز بن جاتا ہے۔ وہ ان کو برے لوگوں کے ماحول سے نکال کر اچھے لوگوں کے ماحول میں لے جاتا ہے۔ وہ زندگی کے ہر موڑ پر ان کا مددگار بن جاتا ہے۔ وہ ان کو وہ حکمت عطا فرماتا ہے جس کے بعد ان کی پوری زندگی رحمت خداوندی کے آبشار میں نہا اٹھتی ہے۔

وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿٧٦﴾ وَنَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ

سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۷۷﴾

اور نوح کو جب کہ اس سے پہلے اس نے پکارا تو ہم نے اس کی دعا قبول کی۔ پس ہم نے اس کو اور اس کے لوگوں کو بہت بڑے غم سے نجات دی۔ اور ان لوگوں کے مقابلہ میں اس کی مدد کی جنھوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا۔ بے شک وہ بہت برے لوگ تھے۔ پس ہم نے ان سب کو غرق کردیا۔ ۷۶-۷۷

---

حضرت نوح نے انتہائی لمبی مدت تک اپنی قوم کو دعوت دی۔ مگر چند لوگوں کے سوا کسی نے اصلاح قبول نہ کی۔ آخر کار حضرت نوح نے اپنی قوم کی ہلاکت کی دعا کی۔ اس کے بعد ایسا سخت سیلاب آیا کہ پہاڑ کی چوٹیاں بھی لوگوں کو بچانے سے عاجز ہوگئیں۔

یہ واقعہ اگرچہ پیغمبر کی سطح پر پیش آیا۔ تاہم عام انسانوں کے لئے بھی اس میں بہت تسکین کا سامان ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا میں بگاڑ پیدا کرنے والے بالکل آزاد نہیں ہیں۔ اور سچائی کے لئے اٹھنے والا شخص بالکل اکیلا نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص سچائی سے اس حد تک اپنے آپ کو وابستہ کرے کہ وہ دنیا میں سچائی کا نمائندہ بن جائے تو اس کے بعد وہ دنیا میں اکیلا نہیں رہتا۔ بلکہ خدا اس کے ساتھ ہوجاتا ہے اور جس کے ساتھ خدا ہوجائے اس کو کون زیر کرسکتا ہے۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَ
كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۫
وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَعَلَّمْنٰهُ
صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور داؤد اور سلیمان کو جب وہ دونوں کھیت کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے، جب کہ اس میں کچھ لوگوں کی بکریاں رات کے وقت جا پڑیں۔ اور ہم ان کے اس فیصلہ کو دیکھ رہے تھے۔ پس ہم نے سلیمان کو اس کی سمجھ دے دی۔ اور ہم نے دونوں کو حکمت اور علم عطا کیا تھا۔ اور ہم نے داؤد کے ساتھ تابع کر دیا تھا پہاڑوں کو کہ وہ اس کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور پرندوں کو بھی۔ اور ہم ہی کرنے والے تھے۔ اور ہم نے اس کو تمہارے لئے ایک جنگی لباس کی صنعت سکھائی۔ تاکہ وہ تم کو لڑائی میں

محفوظ رکھے۔ تو کیا تم شکر کرنے والے ہو۔ ۷۸ - ۸۰

---

ان آیات میں دو اسرائیلی پیغمبروں کا ذکر ہے۔ ایک حضرت داؤد اور دوسرے ان کے صاحبزادہ حضرت سلیمان ـــــ ان کو اللہ تعالیٰ نے انسانی معاملات کا صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت دی۔ حضرت داؤد اللہ کی تسبیح اتنے اعلیٰ طریقہ پر کرتے تھے کہ پہاڑ اور چڑیاں بھی ان کی ہم نوا ہو جاتیں۔ اسی طرح اللہ نے انھیں بتایا کہ لوہے کا استعمال کس طرح کیا جائے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ خدا کے پیغمبروں ہی نے انسان کو بتایا کہ وہ اپنے رب کی تسبیح وعبادت کس طرح کرے۔ مگر ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری ضروری چیزیں بھی انسان کو صحیح طور پر پیغمبروں ہی کے ذریعہ معلوم ہوئیں۔ مثلاً عدل اجتماعی کا اصول اور معدنیات کا استعمال بھی پیغمبروں ہی کے ذریعہ انسانوں کے علم میں آیا۔ زندگی سے متعلق ہر ضروری چیز کا ابتدائی علم غالباً پیغمبروں ہی کے ذریعہ انسان کو دیا گیا ہے۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ۝ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ۝

اور ہم نے سلیمان کے لئے تیز ہوا کو مسخر کر دیا جو اس کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں۔ اور ہم ہر چیز کو جاننے والے ہیں۔ اور شیاطین میں سے بھی ہم نے اس کے تابع کر دیا تھا جو اس کے لئے غوطہ لگاتے تھے۔ اور اس کے سوا دوسرے کام کرتے تھے اور ہم ان کو سنبھالنے والے تھے۔ ۸۱ - ۸۲

---

یہاں ہواؤں کی تسخیر سے مراد بحری جہاز رانی ہے۔ قدیم زمانہ میں سمندری سفر میں اس وقت انقلاب آیا جب کہ انسان نے بادبانی جہاز بنانے کا طریقہ دریافت کیا۔ یہ بادبان گویا ہواؤں کو مسخر کرنے کا ذریعہ تھے اور اس زمانہ کے جہازوں کے لئے انجن کا کام کرتے تھے۔ بادبانی جہازوں کی ایجاد نے سمندروں کو زیادہ بڑے پیمانے پر نقل وحمل کے لئے قابل استعمال بنا دیا۔ اس سے اندازہ

ہوتا ہے کہ بحری جہاز رانی کی سائنس بھی غالباً انسان کو پیغمبروں کے ذریعہ سکھائی گئی۔

اس کے علاوہ جنوں میں سے بھی ایک گروہ کو اللہ نے حضرت سلیمان کے تابع کر دیا تھا۔ وہ ان کے لئے ایسے بڑے بڑے رفاہی کام کرتے تھے جو عام انسان نہیں کر سکتے۔ جدید مشینی دور میں انسانی فائدہ کے زیادہ بڑے کام مشینیں انجام دیتی ہیں۔ مشینی دور سے پہلے اس قسم کے بڑے بڑے کاموں کو ممکن بنانے کے لئے خدا نے جنوں کو اپنے پیغمبر کی ماتحتی میں دے دیا تھا۔

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾

اور ایوب کو جب کہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھ کو بیماری لگ گئی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ تو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اس کو جو تکلیف تھی اس کو دور کر دیا۔ اور ہم نے اس کو اس کا کنبہ عطا کیا اور اسی کے ساتھ اس کے برابر اور بھی، اپنی طرف سے رحمت اور نصیحت، عبادت کرنے والوں کے لئے۔ ۸۴-۸۳

---

پیغمبروں کے ذریعہ خدا ہر قسم کی اعلیٰ ترین مثال قائم کرتا ہے تاکہ وہ لوگوں کے لئے نمونہ ہوں۔ انہیں میں سے ایک مثال حضرت ایوب کی ہے۔ حضرت ایوب غالباً نویں صدی قبل مسیح کے اسرائیلی پیغمبر تھے۔ بائبل کے بیان کے مطابق ابتداءً وہ بہت دولت مند تھے۔ کھیتی، مویشی، مکانات، آل اولاد، ہر چیز کی اتنی کثرت تھی کہ کہا جانے لگا کہ اہل مشرق میں کوئی اتنا بڑا آدمی نہیں۔ اس کے باوجود حضرت ایوب بے حد شکر گزار اور وفادار بندے تھے۔ ان کی زندگی اس بات کا نمونہ بن گئی کہ عزت اور دولت پانے کے باوجود کس طرح ایک آدمی متواضع بندہ بنا رہتا ہے۔

مگر شیطان نے اس واقعہ کو لوگوں کے ذہنوں میں الٹ دیا۔ اس نے لوگوں کو سکھایا کہ ایوب کی یہ غیر معمولی خدا پرستی اس لئے ہے کہ ان کو غیر معمولی نعمتیں حاصل ہیں۔ اگر یہ نعمتیں ان کے پاس نہ رہیں تو ان کی ساری شکر گزاری ختم ہو جائے گی۔

اس کے بعد خدا نے آپ کے ذریعہ سے دوسری مثال قائم کی۔ حضرت ایوب کے مویشی مر گئے۔

کھیتیاں برباد ہوگئیں۔ اولاد ختم ہوگئی۔ حتی کہ جسم بھی بیماری کی نذر ہوگیا۔ دوستوں اور رشتہ داروں نے ساتھ چھوڑ دیا۔ صرف ایک بیوی آپ کے ساتھ باقی رہ گئی۔ مگر حضرت ایوب خدا کے فیصلے پر راضی رہے انھوں نے کامل صبر کا مظاہرہ کیا۔ بائبل کے الفاظ میں :

"تب ایوب نے زمین پر گر کر سجدہ کیا۔ اور کہا ننگا میں اپنی ماں کے پیٹ سے نکلا اور ننگا ہی واپس جاؤں گا۔ خداوند نے دیا اور خداوند نے لے لیا۔ خداوند کا نام مبارک ہو۔ ان سب باتوں میں ایوب نے نہ تو گناہ کیا اور نہ خدا پر بے جا کام کا عیب لگایا" (ایوب ۱ : ۲۲)

حضرت ایوب نے جب مصیبتوں میں اس طرح صبر و شکر کا مظاہرہ کیا تو نہ صرف آخرت میں ان کے لئے بہترین اجر لکھ دیا گیا۔ بلکہ دنیا میں بھی ان کی حالت بدل دی گئی۔ اور خداوند نے ایوب کو جتنا اس کے پاس پہلے تھا اس کا دوچند اس کو دیا (ایوب ۴۲ : ۱۲) حدیث میں اسی کو تمثیل کے الفاظ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ خدا نے جب دوبارہ ایوب کے دن پھیرے تو ان پر سونے کی ٹڈیوں کی بارش کر دی (امطر علیہ جراداً من ذہب، تفسیر ابن کثیر، الجزء الثالث، صفحہ ۱۸۹)

وَإِسْمٰعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِينَ ۝ وَأَدْخَلْنٰهُمْ فِي رَحْمَتِنَا ۖ إِنَّهُم مِّنَ الصّٰلِحِينَ ۝

اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو، یہ سب صبر کرنے والوں میں سے تھے۔ اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کیا۔ بے شک وہ نیک عمل کرنے والوں میں سے تھے۔ ۸۶ - ۸۵

---

حضرت اسماعیل حضرت ابراہیم کے صاحبزادے تھے۔ کچھ مفسرین نے حضرت ادریس سے وہ پیغمبر مراد لیا ہے جن کا ذکر بائبل میں حنوک (Enoch) کے نام سے آیا ہے۔ اسی طرح حضرت ذوالکفل سے مراد غالباً وہ نبی ہیں جو بائبل میں حزقی ایل کے نام سے مذکور ہوئے ہیں۔

ان پیغمبروں کی نمایاں صفت صبر بتائی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صبر تمام خدا پرستانہ اعمال کی بنیاد ہے۔ صبر کا مطلب اپنے آپ کو ردعمل کی نفسیات سے بچانا ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو ردعمل کی نفسیات سے نہ بچائے وہ امتحان کی اس دنیا میں کبھی خدا کی پسندیدہ زندگی پر قائم نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ صبر خدا کی تمام رحمتوں کا دروازہ ہے، اس دنیا میں بھی اور موت کے بعد آنے والی دوسری دنیا میں بھی۔

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اور مچھلی والے (یونس) کو، جب کہ وہ اپنی قوم سے برہم ہو کر چلا گیا۔ پھر اس نے یہ سمجھا کہ ہم اس کو نہ پکڑیں گے پھر اس نے اندھیرے میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے۔ بے شک میں قصور وار ہوں۔ تو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اس کو غم سے نجات دی۔ اور اسی طرح ہم ایمان والوں کو نجات دیتے ہیں۔ ۸۷ - ۸۸

---

حضرت یونس، عراق کے ایک قدیم شہر نینوی کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے۔ اس وقت نینوی کی آبادی ایک لاکھ سے کچھ زیادہ تھی۔ انھوں نے ایک عرصہ تک قوم کو توحید اور آخرت کی طرف بلایا۔ مگر وہ لوگ ماننے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ پیغمبروں کے بارہ میں خدا کی سنت یہ ہے کہ اتمام حجت کے بعد اگر قوم بدستور پیغمبر کی منکر بنی رہے تو پیغمبر کو بستی چھوڑنے کا حکم ہوتا ہے اور قوم پر عذاب آجاتا ہے۔ حضرت یونس نے خیال کیا کہ وہ وقت آگیا ہے۔ اور خدا کی طرف سے ہجرت کا حکم ملے بغیر قوم کو چھوڑ کر چلے گئے۔

شہر سے نکل کر وہ ساحل سمندر پر آئے اور ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ راستہ میں کشتی ڈوبنے لگی۔ لوگوں نے سمجھا کہ کوئی غلام اپنے مالک سے بھاگا ہے۔ قدیم روایت کے مطابق اس کا حل یہ تھا کہ اس غلام کو معلوم کر کے اسے دریا میں پھینک دیا جائے۔ قرعہ نکالا گیا تو حضرت یونس کا نام قرعہ میں نکلا۔ چنانچہ انھوں نے آپ کو دریا میں پھینک دیا۔ عین اسی وقت ایک بڑی مچھلی نے آپ کو نگل لیا۔ مچھلی آپ کو اپنے پیٹ میں لئے رہی اور پھر خدا کے حکم سے آپ کو لا کر ساحل پر ڈال دیا۔ آپ تندرست ہو کر دوبارہ اپنی قوم میں واپس آئے۔

ایک پیغمبر نے دعوت کے محاذ کو صرف تکمیل سے پہلے چھوڑ دیا تو ان کے ساتھ یہ قصہ پیش آیا۔ پھر ان وارثین پیغمبر کا کیا انجام ہوگا جو دعوت کے محاذ کو یکسر چھوڑے ہوئے ہوں۔

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ

فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝

اور زکریا کو، جب کہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب، تو مجھ کو اکیلا نہ چھوڑ۔ اور تو بہترین وارث ہے۔ تو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اس کو یحییٰ عطا کیا۔ اور اس کی بیوی کو اس کے لئے درست کر دیا۔ یہ لوگ نیک کاموں میں دوڑتے تھے اور ہم کو امید اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے۔ اور ہمارے آگے جھکے ہوئے تھے۔ ۹۰ - ۸۹

---

پیغمبر خصوصی انعام یافتہ لوگ ہیں۔ ان کی سب سے بڑی شخصی صفت یہ ہوتی ہے کہ ان کی دوڑ دھوپ دنیا کے لئے نہیں ہوتی۔ بلکہ ان چیزوں کی طرف ہوتی ہے جو آخرت کے اعتبار سے قیمت رکھتی ہوں۔ اللہ کی عظمت کو وہ اس طرح پا لیتے ہیں کہ وہی ان کو سب کچھ نظر آنے لگتا ہے۔ وہ صرف اسی سے ڈرتے ہیں اور صرف اسی کو پکارتے ہیں۔ وہ ہر حال میں خشوع اور تواضع کی روش پر قائم رہتے ہیں۔

یہ چیزیں حضرت زکریا اور دوسرے نبیوں میں کمال درجہ پر تھیں۔ اور اسی بنا پر اللہ نے ان کو اپنی خصوصی نعمتوں سے نوازا۔ عام اہل ایمان بھی جس قدر ان اوصاف کا ثبوت دیں گے، اسی قدر وہ خدا کی نصرت و عنایت کے مستحق قرار پائیں گے۔

وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

اور وہ خاتون جس نے اپنی ناموس کو بچایا تو ہم نے اس کے اندر اپنی روح پھونک دی اور اس کو اور اس کے بیٹے کو دنیا والوں کے لئے ایک نشانی بنا دیا۔ ۹۱

---

حضرت مریم کی صفت خاص یہ بتائی گئی ہے کہ انھوں نے اپنی شہوت کو قابو میں رکھا۔ اس کا انھیں یہ انعام ملا کہ وہ اس پیغمبر کی ماں بنائی گئیں جو براہ راست معجزۂ خداوندی کے تحت پیدا ہوا۔

یہی بات عام مردوں اور عورتوں کے لئے بھی صحیح ہے۔ ہر ایک کا امتحان موجودہ دنیا میں یہ ہے کہ وہ اپنی شہوتوں اور خواہشوں کو قابو میں رکھے۔ جو شخص جتنا زیادہ اس ضبط کا ثبوت دے گا اسی کے بقدر وہ خدا کی خصوصی عنایتوں میں حصہ دار بنے گا۔

إِنَّ هَٰذِهِۦٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَٰحِدَةً وَأَنَا۠ رَبُّكُمْ فَٱعْبُدُونِ ﴿٩٢﴾ وَتَقَطَّعُوٓا۟ أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ ۖ كُلٌّ إِلَيْنَا رَٰجِعُونَ ﴿٩٣﴾ فَمَن يَعْمَلْ مِنَ ٱلصَّٰلِحَٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِۦ وَإِنَّا لَهُۥ كَٰتِبُونَ ﴿٩٤﴾

اور یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے اور میں ہی تمہارا رب ہوں تو تم میری عبادت کرو۔ اور انھوں نے اپنا دین اپنے اندر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ سب ہمارے پاس آنے والے ہیں۔ پس جو شخص نیک عمل کرے گا اور وہ ایمان والا ہوگا تو اس کی محنت کی ناقدری نہ ہوگی، اور ہم اس کو لکھ لیتے ہیں۔ ۹۲-۹۴

---

خدا نے تمام نبیوں کو ایک ہی دین دے کر بھیجا ہے۔ وہ یہ کہ صرف ایک خدا کو اپنا خدا بناؤ اور اسی کی عبادت کرو۔ اگر لوگ اسی اصل دین پر قائم رہتے تو سب ایک ہی امت بنے رہتے۔ مگر لوگوں نے اپنی طرف سے نئی نئی بحثیں نکال کر دین کے مختلف ایڈیشن تیار کر لئے۔ کسی نے ایک کو لیا اور کسی نے دوسرے کو۔ اس طرح ایک دین کئی دینوں میں تقسیم ہو کر رہ گیا۔

خدا کے یہاں ایمان و عمل کی قیمت ہے، یعنی خدا کی سچی معرفت اور خدا کی سچی تابعداری۔ اس کے سوا جو چیزیں ہیں ان کی خدا کے یہاں کوئی قدردانی نہ ہوگی، خواہ کوئی شخص بطور خود ان کو کتنا ہی زیادہ قابل قدر کیوں نہ سمجھتا ہو۔

وَحَرَٰمٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَٰهَآ أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿٩٥﴾ حَتَّىٰٓ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُم مِّن كُلِّ حَدَبٍ يَنسِلُونَ ﴿٩٦﴾ وَٱقْتَرَبَ ٱلْوَعْدُ ٱلْحَقُّ فَإِذَا هِىَ شَٰخِصَةٌ أَبْصَٰرُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ يَٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِى غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا بَلْ كُنَّا ظَٰلِمِينَ ﴿٩٧﴾

اور جس بستی والوں کے لئے ہم نے ہلاکت مقدر کر دی ہے ان کے لیے حرام ہے کہ وہ رجوع کریں۔ یہاں تک کہ جب یاجوج اور ماجوج کھول دئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے نکل پڑیں گے۔ اور سچا وعدہ نزدیک آلگے گا تو ان لوگوں کی نگاہیں پھٹی رہ جائیں گی جنھوں نے انکار کیا تھا۔ ہائے ہماری کم بختی، ہم اس سے غفلت میں پڑے رہے۔ بلکہ ہم ظالم تھے۔ ۹۵-۹۷

کسی بستی کے لئے ایمان میں داخلہ حرام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے قبول ایمان کی استعداد ختم ہو جائے۔ جب حق واضح دلائل کے ساتھ سامنے آتا ہے تو آدمی اپنی عین فطرت کے تحت مجبور ہوتا ہے کہ وہ اس کو پہچانے۔ اب جو لوگ اس پہچان کے بعد حق کا اعتراف کرلیں وہ اپنی فطرت کو باقی رکھتے ہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ دوسری چیزوں کو اہمیت دینے کی بنا پر اس کا اعتراف نہ کریں وہ گویا اپنی فطرت پر پردہ ڈال رہے ہیں۔ حق کا انکار ہمیشہ اپنی فطرت کو اندھا بنانے کی قیمت پر ہوتا ہے۔ جو لوگ اپنی فطرت کو اندھا بنانے کا خطرہ مول لیں ان کا انجام یہی ہے کہ ان کے لئے ایمان میں داخل ہونا بالکل ناممکن ہو جائے۔

جو لوگ دلائل کی زبان میں حق کو نہ پہچانیں وہ حق کو صرف اس وقت پہچانیں گے جب کہ قیامت ان کی آنکھ کا پردہ پھاڑ دے گی۔ مگر اس وقت کا پہچاننا کسی کے کچھ کام نہ آئے گا کیوں کہ وہ ماننے کا انجام پانے کا وقت ہوگا نہ کہ ماننے کا۔

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنْتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ﴿۹۸﴾ لَوْ
كَانَ هَٰؤُلَاءِ آلِهَةً مَا وَرَدُوهَا ۖ وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۹۹﴾ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَ
هُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ﴿۱۰۰﴾ إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا
مُبْعَدُونَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنْفُسُهُمْ
خَالِدُونَ ﴿۱۰۲﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَٰذَا يَوْمُكُمُ
الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿۱۰۳﴾

بے شک تم اور جن کو تم خدا کے سوا پوجتے تھے سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ وہیں تم کو جانا ہے۔ اگر یہ واقعی معبود ہوتے تو اس میں نہ پڑتے۔ اور سب اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اس میں ان کے لئے چلّانا ہے اور وہ اس میں کچھ نہ سنیں گے۔ بے شک جن کے لئے ہماری طرف سے بھلائی کا پہلے فیصلہ ہو چکا ہے وہ اس سے دور رکھے جائیں گے۔ وہ اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے۔ اور وہ اپنی پسندیدہ چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان کو بڑی گھبراہٹ غم میں نہ ڈالے گی۔ اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے۔ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ ۹۸ – ۱۰۳

عبد اللہ بن الزبعری قدیم عرب کا ایک مشہور شاعر تھا۔ یہ آیت اتری تو اس نے لوگوں سے کہا کہ محمد سے پوچھو کہ آپ کے خیال میں خدا کے سوا جتنے معبود ہیں اور جو ان کے عابد ہیں، سب کے سب جہنم میں جائیں گے، تو ہم تو فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ یہود عزیر پیغمبر کی عبادت کرتے ہیں۔ نصاریٰ مسیح پیغمبر کی عبادت کرتے ہیں۔ مشرکین اس نکتہ کو پاکر بہت خوش ہوئے اور آپ سے جا کر سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ہر ایک جس نے پسند کیا کہ وہ خدا کے سوا پوجا جائے تو وہ اس کے ساتھ ہوگا جس نے اسے پوجا (کل مَن احبّ ان یُعبد من دون اللہ فھو مع من عبدہ) اس جواب کے بعد عبد اللہ بن الزبعری نے مزید بحث نہیں کی۔ بلکہ اس نے اسلام قبول کر لیا (تفسیر ابن کثیر، الجزء الثالث، صفحہ ۱۹۹)

اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت کے مصداق یا تو پتھر وغیرہ کے بت ہیں یا وہ معبود جو خود بھی اپنے معبود بنائے جانے پر راضی رہا ہو۔ جس نے خدا کے سوا کسی کو معبود بنایا اور جس نے اپنے معبود بننے کو پسند کیا، دونوں ایک ساتھ اس لئے جہنم میں ڈالے جائیں گے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو۔

قیامت کا دن انتہائی ہولناک دن ہوگا۔ مگر جن لوگوں کو یہ توفیق ملی کہ وہ قیامت کے آنے سے پہلے قیامت سے ڈرے وہ اس دن کی دہشت سے محفوظ رہیں گے۔ وہ جنت کی راحتوں سے بھری ہوئی دنیا میں داخل کر دئے جائیں گے۔

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۚ
وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ
الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

جس دن ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے جس طرح طومار میں اوراق لپیٹ دئے جاتے ہیں۔ جس طرح پہلے ہم نے تخلیق کی ابتدا کی تھی اسی طرح ہم پھر اس کا اعادہ کریں گے۔ یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے اور ہم اس کو کرکے رہیں گے۔ اور زبور میں ہم نصیحت کے بعد لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے۔ اس میں ایک بڑی خبر ہے عبادت گزار لوگوں کے لئے۔ ۱۰۶-۱۰۴

---

کائنات کا موجودہ پھیلاؤ امتحان والی دنیا بنانے کے لئے تھا۔ اس کے بعد جب انجام والی

دنیا بنانے کا وقت آئے گا تو خدا اس عالم کو سمیٹ دے گا اور غالباً اسی مادہ سے دوسرا عالم بنائے گا جو انجام والے مقاصد کے حسب حال ہو۔ ایک دنیا کا وجود میں آنا ہی اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ دوسری دنیا بھی وجود میں لائی جا سکتی ہے۔

موجودہ دنیا میں اکثر برے لوگ بڑائی کا مقام حاصل کر لیتے ہیں۔ مگر یہ صرف امتحان کی مدت تک کے لئے ہے۔ جب امتحان کی مدت ختم ہوگی اور ابدی طور پر خدا کی معیاری دنیا بنائی جائے گی۔ تو وہاں ہر قسم کی عزت اور راحت صرف ان لوگوں کا حصہ ہوگی جو موجودہ امتحانی دور میں خدا کے سچے بندے ثابت ہوئے تھے۔ یہ بات موجودہ زبور میں بھی تفصیل سے موجود ہے۔ اس کے چند الفاظ یہ ہیں:

اور بدی کرنے والوں پر رشک نہ کر۔ خداوند پر توکل کر اور نیکی کر۔ وہ تیری راست بازی کو نور کی طرح اور تیرے حق کو دوپہر کی طرح روشن کرے گا۔ کیوں کہ بدکردار کاٹ ڈالے جائیں گے صادق زمین کے وارث ہوں گے۔ اور وہ اس میں ہمیشہ بسے رہیں گے (زبور، باب ۳۷)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ
اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى
سَوَآءٍ ۭ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ
مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ
وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ
الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع ۷ ۱۹

اور ہم نے تم کو تو بس دنیا والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ کہو کہ میرے پاس جو وحی آتی ہے وہ یہ ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے، تو کیا تم اطاعت گزار بنتے ہو۔ پس اگر وہ اعراض کریں تو کہہ دو کہ میں تم کو صاف طور پر اطلاع کر چکا ہوں۔ اور میں نہیں جانتا کہ وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے، قریب ہے یا دور۔ بے شک وہ کھلی بات کو بھی جانتا ہے اور اس بات کو بھی جس کو تم چھپاتے ہو۔ اور مجھ کو نہیں معلوم شاید وہ تمہارے لئے امتحان ہو اور فائدہ اٹھا لینے کی ایک مہلت ہو۔ پیغمبر نے کہا کہ

اے میرے رب، حق کے ساتھ فیصلہ کر دے۔ اور ہمارا رب رحمان ہے، اسی سے ہم ان باتوں پر مدد مانگتے ہیں جو تم بیان کرتے ہو۔ ۱۰۷-۱۱۲

---

خدا کی طرف سے جتنے پیغمبر آئے سب ایک ہی مقصد کے لئے آئے۔ ان کے ذریعہ خدا یہ چاہتا تھا کہ انسانوں کو حقیقت کا وہ علم دے جس کو اختیار کرکے وہ ابدی جنت کے باشندے بن سکتے ہیں۔ مگر انسان ہر بار پیغمبروں کو رد کرتا رہا۔

اس اعتبار سے تمام پیغمبر خدا کی رحمت تھے۔ مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا امتیاز یہ ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے ایک خصوصی عنایت کا ذریعہ بنایا۔ خدا نے یہ فیصلہ فرمایا کہ آپ کے ذریعہ ہدایت کے اس دروازے کو ہمیشہ کے لئے کھول دے جو اب تک ان کے اوپر بند پڑا ہوا تھا۔ اس بنا پر آپ کی مدعو قوم کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی فیصلہ تھا کہ اس کو بہر حال حق کے راستہ پر لانا ہے۔ تاکہ پیغمبر کے ساتھ ایک طاقت ور جماعت تیار ہو اور وہ دنیا میں انقلاب برپا کرکے تاریخ کے رخ کو موڑ دے۔ رحمت خداوندی کا یہ خصوصی منصوبہ آپ اور آپ کے اصحاب کے ذریعہ بہ تمام وکمال انجام پایا۔

---

سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ① يَوْمَ تَرَوْنَهَا
تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا
وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ② وَمِنَ
النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ③ كُتِبَ عَلَيْهِ
اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ④

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اے لوگو، اپنے رب سے ڈرو۔ بے شک قیامت کا بھونچال بڑی بھاری چیز ہے۔ جس دن تم اسے دیکھوگے، ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی۔ اور ہر حمل والی اپنا حمل ڈال

دے گی۔ اور لوگ تم کو مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ مدہوش نہ ہوں گے۔ بلکہ اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔ اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو علم کے بغیر اللہ کے باب میں جھگڑتا ہے۔ اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرنے لگتا ہے۔ اس کی نسبت یہ لکھ دیا گیا ہے کہ جو شخص اس کو دوست بنائے گا وہ اس کو بے راہ کر دے گا اور اس کو عذاب جہنم کا راستہ دکھائے گا۔ ۴-۱

---

"دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچہ کو بھول جائے گی اور حمل والی عورت اپنا حمل گرا دے گی" یہ تمثیل کی زبان میں قیامت کی ہولناکی کا بیان ہے۔ یعنی اس دن لوگوں کا یہ حال ہوگا کہ اگر ماں کی گود میں دودھ پینے والا بچہ ہو تو گھبراہٹ کی بنا پر وہ اپنے بچہ کو بھول جائے۔ اور اگر کوئی حاملہ عورت ہو تو شدت ہول سے اس کا حمل ساقط ہو جائے۔

ہماری موجودہ دنیا میں جو بھونچال آتے ہیں وہ قیامت کے واقعہ کا ہلکا سا نمونہ ہیں۔ قیامت کا سب سے بڑا بھونچال جب آئے گا تو آدمی ہر وہ چیز بھول جائے گا جس کو اہمیت دینے کی وجہ سے وہ قیامت کے دن کو بھولا ہوا تھا۔ حتیٰ کہ اپنی عزیز ترین چیز بھی اس دن اس کو یاد نہ رہے گی۔

پیغمبر کی بات علم کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ وہ دلائل سے اس کو ثابت شدہ بناتا ہے۔ مگر جو لوگ اپنے سے باہر کسی صداقت کا اعتراف کرنا نہیں چاہتے وہ اپنے کو برسرِ حق ظاہر کرنے کے لئے پیغمبر کی بات میں جھوٹی بحثیں نکالتے ہیں۔ اس قسم کی روش خدا کے مقابلہ میں سرکشی کرنے کے ہم معنی ہے۔ جو لوگ اس طرح کی بحثوں کو حق کا پیغام نہ ماننے کے لئے عذر بنائیں وہ گویا شیطان کو اپنا مشیر بنائے ہوئے ہیں۔ وہ اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ وہ خدا کے خوف سے خالی ہیں۔ بے خوفی کی نفسیات آدمی کو اس سے محروم کر دیتی ہے کہ وہ حق کو پہچانے اور اس کا اعتراف کرے۔ وہ نہایت آسانی سے شیطان کا معمول بن جاتا ہے۔ ایسا آدمی صرف قیامت کی چنگھاڑ سے جاگے گا۔ مگر قیامت کا زلزلہ ایسے لوگوں کے لئے صرف جہنم کا دروازہ کھولنے کے لئے آتا ہے نہ کہ ان کو ہدایت کا راستہ دکھانے کے لئے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ
مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِنُبَيِّنَ
لَكُمْ ۚ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ
لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ۖ وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّىٰ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا

يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝۷

اے لوگو ! اگر تم دوبارہ جی اٹھنے کے متعلق شک میں ہو تو ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے، پھر نطفے سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر گوشت کی بوٹی سے، شکل والی اور بغیر شکل والی بھی، تاکہ ہم تم پر واضح کریں۔ اور ہم رحموں میں ٹھہرا دیتے ہیں جو چاہتے ہیں ایک معین مدت تک۔ پھر ہم تم کو بچہ بنا کر باہر لاتے ہیں۔ پھر تاکہ تم اپنی پوری جوانی تک پہنچ جاؤ۔ اور تم میں سے کوئی شخص پہلے ہی مر جاتا ہے اور کوئی شخص بدترین عمر تک پہنچا دیا جاتا ہے تاکہ وہ جان لینے کے بعد پھر کچھ نہ جانے۔ اور تم زمین کو دیکھتے ہو کہ خشک پڑی ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ تازہ ہو گئی اور ابھر آئی اور وہ طرح طرح کی خوشنما چیزیں اگاتی ہے۔ یہ اس لئے کہ اللہ ہی حق ہے اور وہ بے جانوں میں جان ڈالتا ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں اور اللہ ضرور ان لوگوں کو اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں۔ ۷ - ۵

---

آخرت کی زندگی کے بارہ میں آدمی کو اس لئے شبہہ ہوتا ہے کہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ جب انسان مر چکا ہوگا تو وہ کس طرح دوبارہ زندہ ہو کر کھڑا ہو جائے گا۔ مُردہ کائنات دوبارہ زندہ کائنات کیسے بن جائے گی۔

اس شبہہ کا جواب خود ہماری موجودہ دنیا کی ساخت میں موجود ہے۔ موجودہ دنیا کیا ہے۔ یہ ایک حالت کا دوسری حالت میں تبدیل ہو جانا ہے۔ وہ چیز جس کو ہم زندہ وجود کہتے ہیں وہ حقیقۃً غیر زندہ وجود کا تغیر ہے۔ انسانی جسم کا تجزیہ بتاتا ہے کہ وہ لوہا، کاربن، کیلشیم، نمکیات، پانی اور گیسوں وغیرہ سے مل کر بنا ہے۔ انسانی وجود کے یہ مرکبات سب کے سب بے جان ہیں۔ مگر یہی غیر ذی روح مادے تبدیل ہو کر ذی روح اشیاء کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اور انسان کی صورت میں چلنے لگتے ہیں۔ پھر جو انسان ایک بار غیر زندہ سے زندہ صورت اختیار کر لیتا ہے وہ اگر دوبارہ غیر زندہ سے زندہ ہیئت میں تبدیل

ہو جائے تو اس میں تعجب کی بات کیا ہے۔

اسی طرح زمین کے سبزہ کو دیکھئے۔ مٹی یا دوسری جن چیزوں سے ترکیب پاکر سبزہ بنتا ہے وہ سب کی سب ابتداءً ان خصوصیات سے خالی ہوتی ہیں جن کے مجموعہ کا نام سبزہ ہے۔ مگر یہی غیر سبزہ تبدیل ہو کر سبزہ بن جاتا ہے۔ تبدیلی کا یہ واقعہ روزانہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔ پھر اسی ہونے والا واقعہ کا دوسری بار ہونا مستبعد کیوں ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ پہلی دنیا کا وجود میں آنا خود ہی دوسری دنیا کے وجود میں آنے کا ثبوت ہے۔ ایک دنیا کا تجربہ کرنے کے بعد دوسری دنیا کو سمجھنا عقلی اور منطقی طور پر کچھ بھی مشکل نہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

اور لوگوں میں کوئی شخص ہے جو اللہ کی بات میں جھگڑتا ہے، علم اور ہدایت اور روشن کتاب کے بغیر تکبر کرتے ہوئے تاکہ وہ اللہ کی راہ سے بے راہ کر دے۔ اس کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور قیامت کے دن ہم اس کو جلتی آگ کا عذاب چکھائیں گے۔ یہ تمہارے ہاتھ کے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔ ۸-۱۰

---

عرب کے لوگوں نے شرک کو سچائی سمجھ کر اختیار کر رکھا تھا۔ پیغمبر کی دعوت توحید سے شرک کو ماننے والوں کے عقائد متزلزل ہوئے تو اس میں ان لوگوں کو خطرہ محسوس ہونے لگا جو شرک کی زمین پر اپنی سرداری قائم کئے ہوئے تھے۔ ایک عام آدمی کے لئے شرک کو چھوڑنا صرف اپنے آبائی دین کو چھوڑنا ہوتا ہے۔ جب کہ ایک سردار کے لئے شرک کا خاتمہ اس کی سرداری کے خاتمہ کے ہم معنی ہے۔ اس لئے ہر دور میں بے آمیز دین کی دعوت کے سب سے زیادہ مخالف وہ لوگ بن جاتے ہیں جو ملاوٹی دین کی بنیاد پر اپنی قیادت قائم کئے ہوئے ہوں۔

یہ لوگ حق کی دعوت اور اس کے داعی کے بارہ میں لایعنی بحثیں پیدا کرتے ہیں۔ وہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کے زیر اثر عوام دعوت کے بارہ میں مشتبہ ہو جائیں۔ اور بدستور اپنے رواجی دین پر

قائم رہیں۔

حق کی یہ مخالفت وہ صرف اس لئے کرتے ہیں کہ خود ساختہ دین کی بنیاد پر انھوں نے جو اپنی جھوٹی بڑائی قائم کر رکھی ہے وہ بدستور قائم رہے۔ ان کو سچائی سے زیادہ اپنی ذات سے دل چسپی ہوتی ہے۔ ایسے لوگ خدا کے نزدیک بہت بڑے مجرم ہیں۔ قیامت میں ان کے حصہ میں رسوائی اور عذاب کے سوا کچھ آنے والا نہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑪

اور لوگوں میں کوئی ہے جو کنارے پر رہ کر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ پس اگر اس کو کوئی فائدہ پہنچا تو وہ اس عبادت پر قائم ہو گیا۔ اور اگر کوئی آزمائش پیش آئی تو الٹا پھر گیا۔ اس نے دنیا بھی کھودی اور آخرت بھی یہی کھلا ہوا خسارہ ہے۔ ۱۱

---

ایک شخص وہ ہے جو دین کو کامل صداقت کے طور پر دریافت کرتا ہے۔ دین اس کے دل و دماغ پر پوری طرح چھا جاتا ہے۔ وہ کسی تحفظ کے بغیر اپنے آپ کو دین کے حوالے کر دیتا ہے۔ اس کی نظر میں ہر دوسری چیز ثانوی بن جاتی ہے۔ یہی شخص خدا کی نظر میں سچا مومن ہے۔

دوسرے لوگ وہ ہیں جو بس اوپری جذبہ سے دین کو مانیں۔ ایسے لوگوں کی حقیقی دلچسپیاں اپنے مفادات سے وابستہ ہوتی ہیں۔ البتہ سطحی تاثر کے تحت وہ اپنے آپ کو دین سے بھی وابستہ کر لیتے ہیں۔ ان کی یہ وابستگی صرف اس وقت تک کے لئے ہوتی ہے جب تک دین کو اختیار کرنے سے انھیں کوئی نقصان نہ ہو رہا ہو۔ ان کے مفادات پر اس سے کوئی زد نہ پڑتی ہو۔ جیسے ہی انھوں نے دیکھا کہ دین اور ان کا مفاد دونوں ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے وہ فوراً ذاتی مفاد کو اختیار کر لیتے ہیں اور دین کو چھوڑ دیتے ہیں۔

یہی دوسرے قسم کے لوگ ہیں جن کو منافق کہا جاتا ہے۔ منافق انسان آخرت کو پانے میں بھی ناکام رہتا ہے اور دنیا کو پانے میں بھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں معاملہ میں کامیابی کے لئے ایک ہی لازمی شرط ہے، اور وہ یکسوئی ہے۔ اور یہی وہ قلبی صفت ہے جس سے منافق انسان ہمیشہ محروم ہوتا ہے۔ وہ اپنے دوطرفہ رجحان کی وجہ سے نہ پوری طرح آخرت کی طرف یکسو ہوتا اور نہ پوری طرح دنیا کی طرف۔

اس طرح وہ دونوں میں سے کسی کی بھی لازمی قیمت نہیں دے پاتا۔ ایسے لوگ دوطرفہ محرومی کی علامت بن کر رہ جاتے ہیں۔

يَدْعُوا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۚ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾

وہ خدا کے سوا ایسی چیز کو پکارتا ہے جو نہ اس کو نقصان پہنچا سکتی اور نہ اس کو نفع پہنچا سکتی۔ یہ انتہا درجہ کی گمراہی ہے۔ وہ ایسی چیز کو پکارتا ہے جس کا نقصان اس کے نفع سے قریب تر ہے۔ کیسا برا کارساز ہے اور کیسا برا رفیق۔ بے شک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اللہ کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ ۱۴ - ۱۲

---

خدا کو چھوڑنا ہمیشہ غیر خدا پر بھروسہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جب بھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی خدا کے بیچے راستہ سے ہٹتا ہے یا اس کو نظر انداز کرتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ خدا کے سوا کسی اور چیز پر بھروسہ کئے ہوئے ہوتا ہے۔ یہ غیر خدا کبھی کوئی بت ہوتا ہے اور کبھی بت کے سوا کوئی دوسری چیز۔

مگر اس دنیا میں ایک خدا کے سوا کسی کو کوئی طاقت حاصل نہیں۔ اس لئے آدمی جب خدا کے سوا دوسروں پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ طاقت ور کو چھوڑ کر ایسی موہوم چیز کا سہارا پکڑتا ہے جس کا بحیثیت طاقت کوئی وجود نہیں۔ اس سے زیادہ بھول کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔

مزید یہ کہ اپنے آپ کو خدا کے ساتھ وابستہ کرنا صرف ضرورت کا تقاضا نہیں ہے بلکہ وہ حقیقت کا تقاضا بھی ہے۔ وہ انسان کے اوپر خدا کا حق ہے۔ اس لئے جب آدمی خدا کو چھوڑ کر موہوم چیزوں کی طرف جاتا ہے تو اس کا نقصان فوراً اس کے لئے مقدر ہو جاتا ہے۔ اور جہاں تک اس کے نفع کا سوال ہے وہ تو کبھی ملنے والا نہیں۔

غیر خدا کو سہارا بنانے والے بظاہر اس کو اپنے سے اونچا سمجھتے ہیں۔ ورنہ وہ اس کو سہارا ہی نہ بنائیں مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ غیر خدا جس کو سہارا بنایا جائے اور وہ لوگ جو انھیں اپنا سہارا بنائیں دونوں یکساں درجہ میں مجبور اور بے طاقت ہیں۔

ایسی دنیا میں جو لوگ اس کا ثبوت دیں کہ انھوں نے ماحول سے اوپر اٹھ کر سوچا۔ غیر خداؤں کے پرفریب ہجوم میں انھوں نے خدا کو دریافت کیا۔ اور پھر صرف آخرت کی خاطر اپنی زندگی کو خدا کی پسند کے راستہ پر ڈال دیا وہ اس دنیا کی سب سے قیمتی روحیں ہیں۔ خدا ان کی اس طرح قدر دانی کرے گا کہ ان کو جنت کی کامل دنیا میں بسائے گا۔ جہاں وہ ابدی طور پر عیش کرتے رہیں۔

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ۝ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ۝

جو شخص یہ گمان رکھتا ہو کہ خدا دنیا اور آخرت میں اس کی مدد نہیں کرے گا تو اس کو چاہئے کہ ایک رسی آسمان تک تانے۔ پھر اس کو کاٹ ڈالے اور دیکھے کیا اس کی تدبیر اس کے غصہ کو دور کرنے والی بنتی ہے۔ اور اس طرح ہم نے قرآن کو کھلی کھلی دلیلوں کے ساتھ اتارا ہے۔ اور بے شک اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے۔ ۱۶-۱۵

---

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حق کی طرف پکارا تو جو لوگ ناحق کی بنیاد پر اپنی عمارت کھڑی کئے ہوئے تھے وہ آپ کے دشمن ہو گئے۔ مخالفت بڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ ایسا معلوم ہوا گویا ناحق کے علم بردار حق کے علم برداروں کا خاتمہ کر دیں گے۔ ایسے نازک حالات میں بعض مسلمانوں کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ اگر ہم حق پر ہیں تو خدا ہماری مدد کیوں نہیں کرتا۔ حق اور ناحق کی کشمکش میں وہ غیر جانب دار کیوں بنا ہوا ہے۔

فرمایا کہ خدا بلاشبہ ہمیشہ حق کا ساتھ دیتا ہے۔ مگر خدا کا یہ طریقہ نہیں کہ وہ فوراً مداخلت کرے۔ وہ معاملات کے اس حد تک پہنچنے کا انتظار کرتا ہے جہاں ایک فریق کا برسرحق ہونا اور دوسرے فریق کا برسرباطل ہونا پوری طرح ثابت شدہ بن جائے۔ جب یہ حد آجاتی ہے اس وقت خدا بلا تاخیر مداخلت کرکے فیصلہ کر دیتا ہے۔

یہ خدا کی سنت ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو خدا کی اس سنت پر راضی کرے۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی اور چیز اس زمین و آسمان کے اندر ممکن نہیں۔ اس کے سوا ہر راستہ موت کا راستہ ہے نہ کہ زندگی

کاراستہ۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَىٰ وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿١٧﴾

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے یہودیت اختیار کی اور صابئی اور نصاریٰ اور مجوس اور جنھوں نے شرک کیا۔ اللہ ان سب کے درمیان قیامت کے روز فیصلہ فرمائے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ ۱۷

---

اس آیت میں چھ مذہبی گروہوں کا ذکر ہے ــــ مسلمان، یہودی، صابئی، نصاریٰ، مجوس اور مشرکین مکہ۔ یہودی حضرت موسیٰ کو ماننے والے لوگ ہیں۔ اسی طرح صابئی حضرت یحییٰ کو ماننے والے تھے۔ نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو، مجوس زردشت کو اور مشرکین حضرت ابراہیم کو۔

یہ سارے لوگ ابتداءً توحید پرست تھے۔ مگر بعد کو انھوں نے اپنے دین میں بگاڑ پیدا کرلیا۔ اور اب وہ اسی بگڑے ہوئے دین پر قائم ہیں۔ مسلمانوں کا حال بھی عملاً ایسا ہوسکتا ہے۔ مسلمانوں کی کتاب اگرچہ محفوظ ہے۔ مگر امتحان کی اس دنیا میں ان کے ہاتھ اس سے بندھے ہوئے نہیں ہیں کہ وہ قرآن وسنت کی خودساختہ تشریح کرکے اپنا ایک دین بنائیں اور اس خود ساختہ دین پر قائم ہو کر سمجھیں کہ وہ خدا کے دین پر قائم ہیں۔

خدا کا اصل دین ایک ہے۔ مگر لوگوں کی اپنی تشریحات میں وہ ہمیشہ مختلف ہو جاتا ہے۔ اس لئے جب لوگ خدا کے اصل دین پر ہوں تو ان کے درمیان اتحاد فروغ پاتا ہے۔ مگر جب لوگ خود ساختہ دین پر چلنے لگیں تو ہمیشہ ان کے درمیان مذہبی اختلافات پیدا ہوجاتے ہیں۔ یہ اختلافات اتنا ہی طور پر بڑھتے ہیں۔ وہ کبھی ختم نہیں ہوتے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کو ہر شخص کا حال پوری طرح معلوم ہے۔ وہ قیامت میں بتا دے گا کہ کون حق پر تھا اور کون ناحق پر۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ ۖ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۗ وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُكْرِمٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ

يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ⑱

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ ہی کے آگے سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں۔ اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے انسان۔ اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہو چکا ہے اور جس کو خدا ذلیل کر دے تو اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں۔ بے شک اللہ کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ ۱۸

---

جس طرح انسان کے لئے خدا کا ایک قانون ہے اسی طرح بقیہ کائنات کے لئے بھی خدا کا ایک قانون ہے۔ بقیہ کائنات خدا کے قانون پر بلا اختلاف قائم ہے۔ وہ نہایت اتفاق اور ہم آہنگی کے ساتھ خدا کے مقرر کردہ قانون کی پیروی کر رہی ہے۔ یہ صرف انسان ہے جو اختلافات پیدا کرتا ہے۔ وہ خود ساختہ تشریح نکال کر نئے نئے راستوں پر چلنے لگتا ہے۔

خدا کی نظر میں وہ لوگ بہت بڑے مجرم ہیں جو خدا کے دین میں اختلافات پیدا کرتے ہیں۔ وہ بے اختلاف کائنات میں اختلاف کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ جس دنیا میں چاروں طرف نہایت وسیع پیمانے پر "ایک دین" کا سبق دیا جا رہا ہے وہاں وہ "کئی دین" وضع کرنے میں مشغول ہیں۔

خدا کی کائنات خدا کی مرضی کا عملی اعلان ہے۔ جو لوگ خدا کے قائم کردہ اس عملی نمونہ کے خلاف چلتے ہیں وہ آج ہی اپنے آپ کو مستحق عذاب ثابت کر رہے ہیں۔ قیامت اس نتیجہ کا صرف لفظی اعلان کرے گی جس کا عملی اعلان اسی آج کی دنیا میں ہر آن ہو رہا ہے۔

هَٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ ۖ فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّن
نَّارٍ يُصَبُّ مِن فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ⑲ يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ
وَالْجُلُودُ ⑳ وَلَهُم مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيدٍ ㉑ كُلَّمَا أَرَادُوا أَن يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ
غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ㉒

یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے بارہ میں جھگڑا کیا۔ پس جنہوں نے انکار کیا ان کے لئے آگ کے کپڑے قطع کئے جائیں گے۔ ان کے سروں کے اوپر سے کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔ اس سے ان کے پیٹ کی

چیزیں تک گل جائیں گی اور کھالیں بھی اور ان کے لئے وہاں لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے۔ جب بھی وہ گھبرا کر اس سے باہر نکلنا چاہیں گے تو پھر اس میں دھکیل دئے جائیں گے اور چکھتے رہو جلنے کا عذاب۔ ۲۲-۱۹

---

بڑی تقسیم میں تمام گروہ صرف دو ہیں۔ ایک اہل حق، اور دوسرے ان کا انکار کرنے والے۔ جو لوگ موجودہ دنیا میں اہل حق سے جھگڑتے ہیں وہ بطور خود یہ سمجھتے ہیں کہ وہ دلائل کا پہاڑ اپنے ساتھ لئے ہوئے ہیں۔ مگر یہ صرف ان کی غیر سنجیدگی ہے جو ان کی بے معنی بحثوں کو انھیں دلیل کے روپ میں دکھاتی ہے۔ وہ چونکہ حق کا اعتراف کرنا نہیں چاہتے اس لئے وہ اس کے خلاف جھوٹے جھگڑے کھڑے کرتے ہیں۔ ایسے لوگ آخرت میں اپنے عدم اعتراف کی ایسی سخت سزا پائیں گے جس سے وہ کبھی نکل نہ سکیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۲۳﴾
وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ښ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیا، اللہ ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ ان کو وہاں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور وہاں ان کی پوشاک ریشم ہوگی۔ اور ان کو پاکیزہ قول کی ہدایت بخشی گئی تھی۔ اور ان کو خدائے حمید کا راستہ دکھایا گیا تھا۔ ۲۴-۲۳

---

جس دنیا میں ہر طرف پرفریب الفاظ کا جال بچھا ہوا ہو۔ جہاں حق سے پھرے ہوئے لوگ غلبہ حاصل کئے ہوئے ہوں۔ ایسے ماحول میں ایمان کی صداقت کو پہچاننا بلاشبہ سخت مشکل کام ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ مشکل کام یہ ہے کہ ایمان کے اس راستہ پر عملاً اپنے آپ کو ڈال دیا جائے۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کو اقوال کے پرشور ہنگاموں میں قول طیب کو پانے کی توفیق ملی۔ جنھوں نے راستوں کے ہجوم میں صراط حمید کو دیکھا اور اس کو پہچان لیا۔ جو لوگ دنیا میں اس عظیم لیاقت کا ثبوت دیں وہ انسانیت کے سب سے زیادہ قیمتی لوگ ہیں۔ وہ اس قابل ہیں کہ انھیں جنت کے ابدی باغوں میں بسایا جائے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ
جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَاۗءَۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ۭ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ

نُذِقۡهُ مِنۡ عَذَابٍ اَلِيۡمٍ۝۲۵ ع۱۰

بے شک جن لوگوں نے انکار کیا اور وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے اور مسجد حرام سے روکتے ہیں جس کو ہم نے لوگوں کے لئے بنایا ہے جس میں مقامی باشندے اور باہر سے آنے والے برابر ہیں۔ اور جو اس مسجد میں راستی سے ہٹ کر ظلم کا طریقہ اختیار کرے گا اس کو ہم دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ ۲۵

---

حق کا انکار کرنے کی ایک مثال وہ ہے جو قدیم مکہ میں پیش آئی۔ مکہ کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی پرامن تبلیغ کو بھی برداشت نہیں کیا۔ انھوں نے آپ کے اوپر پابندیاں لگائیں۔ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو یک طرفہ طور پر ظلم کا نشانہ بنایا۔ حتیٰ کہ انھوں نے یہ ظلم بھی کیا کہ آپ کو اور آپ کے اصحاب کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکا۔

مکہ کے لوگوں کی یہ روش انکار پر سرکشی کا اضافہ تھی۔ جو لوگ ایسے ظالمانہ رویہ کا ثبوت دیں۔ ان کے لئے خدا کے یہاں سخت ترین سزا ہے، خواہ وہ ماضی کے ظالم لوگ ہوں یا حال کے ظالم لوگ۔ اور خواہ ان کی سرکشی کا تعلق حضرت ابراہیم کی تعمیر کردہ مسجد سے ہو یا اس وسیع تر "مسجد" سے جس کو خدا نے زمین کی صورت میں اپنے تمام بندوں کے لئے بنایا ہے۔

وَاِذۡ بَوَّاۡنَا لِاِبۡرٰهِيۡمَ مَكَانَ الۡبَيۡتِ اَنۡ لَّا تُشۡرِكۡ بِىۡ شَيۡـئًا وَّطَهِّرۡ بَيۡتِىَ لِلطَّآئِفِيۡنَ وَالۡقَآئِمِيۡنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوۡدِ۝۲۶

اور جب ہم نے ابراہیم کو بیت اللہ کی جگہ بتا دی، کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو پاک رکھنا طواف کرنے والوں کے لئے اور قیام کرنے والوں کے لئے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لئے۔ ۲۶

---

حضرت ابراہیم کا زمانہ چار ہزار سال پہلے کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں ساری آباد دنیا میں مشرکانہ مذہب چھایا ہوا تھا۔ حتیٰ کہ شرک کے عمومی غلبہ کی وجہ سے تاریخ میں شرک کا تسلسل قائم ہو گیا۔ اب یہ نوبت آگئی کہ جو بچہ پیدا ہو وہ اپنے ماحول سے صرف شرک کا سبق لے۔

حضرت ابراہیم عراق میں پیدا ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ وہ عراق اور شام اور مصر جیسے آباد علاقوں کو چھوڑ کر حجاز کے غیر آباد علاقے میں چلے جائیں اور وہاں اپنی اولاد کو بسا دیں۔ غیر آباد علاقے میں بسانے کا مقصد یہ تھا کہ یہاں الگ تھلگ دنیا میں ایک ایسی نسل پیدا ہو جو شرک سے منقطع ہو کر پرورش پا سکے۔ حضرت ابراہیم نے اسی خدائی منصوبہ کے تحت اپنی اولاد کو موجودہ مکہ میں لاکر بسا دیا جو اس وقت یکسر غیر آباد تھی۔ اسی کے ساتھ حضرت ابراہیم نے ایک مسجد (خانہ کعبہ) کی تعمیر کی تاکہ وہ اس نئی نسل کے لیے اور بالآخر ساری دنیا کے لئے ایک خدا کی عبادت کا مرکز بن سکے۔

وَاَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ
فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِىْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ
عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾
ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾

اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو، وہ تمہارے پاس آئیں گے۔ پیروں پر چل کر اور دبلے اونٹوں پر سوار ہو کر جو کہ دور دراز راستوں سے آئیں گے تاکہ وہ اپنے فائدہ کی جگہوں پر پہنچیں اور چند معلوم دنوں میں ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انھیں بخشے ہیں۔ پس اس میں سے کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو کھلاؤ۔ تو چاہئے کہ وہ اپنا میل کچیل ختم کر دیں۔ اور اپنی نذریں پوری کریں۔ اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔ ۲۷-۲۹

---

کعبہ کی تعمیر کا ابتدائی مقصد ان لوگوں کے لئے مرکز عبادت فراہم کرنا تھا جو "پیدل" چل کر وہاں پہنچنے کی مسافت پر ہوں۔ مگر بالآخر اس کو سارے عالم کے لئے ایک خدا کی عبادت کا مرکز بنا تھا۔ اور یہ مقصد پوری طرح حاصل ہوا۔ یہاں پہنچ کر حاجی جو مناسک اور مراسم ادا کرتا ہے، قرآن میں اس کا مختصراً بیان ہے اور احادیث میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔

"تاکہ اپنے فائدوں کے لئے حاضر ہوں" کا مطلب یہ ہے کہ دین کے فوائد جن کو وہ اعتقادی طور پر مانتے ہیں ان کو یہاں عملی طور پر دیکھیں۔ حج کے لئے آدمی جن مقامات پر حاضر ہوتا ہے ان سے دین خداوندی کی عظیم تاریخ وابستہ ہے۔ اس بنا پر وہاں جانا اور ان کو دیکھنا دلوں کو پگھلانے کا سبب بنتا ہے۔ وہاں ساری دنیا کے مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ اس طرح وہاں اسلام کی بین اقوامی وسعت کھلی آنکھوں سے نظر آتی

ہے۔ حج کا سالانہ اجتماع مسلمانوں کے اندر عالمی سطح پر اجتماعیت پیدا کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ آدمی کو اس سفر سے بہت سے دینی اور دنیاوی تجربے حاصل ہوتے ہیں۔ جو اس کے لئے زندگی کی تعمیر میں مددگار بنتے ہیں۔ وغیرہ۔

ذٰلِكَ ۖ وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ عِنْدَ رَبِّهِ ۗ وَأُحِلَّتْ لَكُمُ الْأَنْعَامُ إِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ ۖ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ﴿٣٠﴾

یہ بات ہوچکی اور جو شخص اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے گا تو وہ اس کے حق میں اس کے رب کے نزدیک بہتر ہے اور تمہارے لئے چوپائے حلال کر دئے گئے ہیں، سوا ان کے جو تم کو پڑھ کر سنائے جاچکے ہیں۔ تو تم بتوں کی گندگی سے بچو اور جھوٹی بات سے بچو۔ ۳۰

---

حلال کیا ہے اور حرام کیا، کیا چیز مقدس ہے اور کیا چیز غیر مقدس، عبادت کے کون سے طریقے درست ہیں اور کون سے طریقے درست نہیں۔ یہ سب باتیں خدا نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ واضح طور پر بتادی ہیں۔ ان میں کسی قسم کا تغیر و تبدل جائز نہیں۔ ہر تبدیلی جو بطور خود ان چیزوں میں کی جائے وہ اللہ کے نزدیک جھوٹ ہے، بلکہ وہ سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ انسان کے لئے لازم ہے کہ ان چیزوں میں بالکل لفظی طور پر پیغمبرانہ تعلیمات کی پیروی کرے۔ وہ کسی حال میں ان میں کوئی کمی بیشی نہ کرے۔

یہ امور وہ ہیں جن کی حقیقت صرف خدا کو معلوم ہے۔ آدمی جب ان میں اپنی طرف سے کوئی بات کہتا ہے تو وہ ایسی چیز کے بارہ میں اپنی واقفیت کا دعوی کرتا ہے جس کی اسے کوئی واقفیت نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ جھوٹ ہے، بلکہ یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ اس سے بڑا جھوٹ اور کوئی نہیں۔

حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ﴿٣١﴾

اللہ کی طرف یکسو رہو، اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا۔ پھر چڑیاں اس کو اچک لیں یا ہوا اس کو کسی دور دراز مقام پر لے جاکر ڈال دے۔ ۳۱

---

اس کائنات میں مرکزی قوت صرف ایک ہے۔ اور وہ خدائے واحد کی ذات ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو خدا سے جوڑے اس نے اپنے لئے حقیقی ٹھکانا پایا۔ وہ مضبوط زمین پر کھڑا ہو گیا۔ اس کے برعکس جو شخص اپنے آپ کو خدا سے نہ جوڑے یا ایسا ہو کہ وہ زبان سے خدا کا اقرار کرے مگر اپنا دلی تعلق کسی اور سے وابستہ رکھے۔ وہ گویا اس مرکز سے کٹا ہوا ہے جس کے سوا اس کائنات میں دوسرا کوئی مرکز نہیں۔ ایسے شخص کا حال اس انسان جیسا ہوگا جس کی ایک مثال اوپر کی آیت میں بتائی گئی ہے۔

ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝ ع

یہ بات ہو چکی۔ اور جو شخص اللہ کے شعائر کا پورا لحاظ رکھے گا تو یہ دل کے تقویٰ کی بات ہے۔ تم کو ان سے ایک مقرر وقت تک فائدہ اٹھانا ہے۔ پھر ان کو قربانی کے لئے قدیم گھر کی طرف لے جانا ہے۔ ۳۲-۳۳

---

شعیرہ (جمع شعائر) کے معنی علامت (Symbol) کے ہیں۔ اسلام کی جو عبادات ہیں، ان کا ایک ظاہری پہلو ہے اور ایک اندرونی پہلو۔ اندرونی پہلو عبادت کا اصل ہے۔ اور جو ظاہری پہلو ہے وہ اسی اندرونی پہلو کی علامت، یا شعیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو شعائر مقرر کئے ہیں۔ ان کا حق اس طرح ادا نہیں ہو سکتا کہ ظاہری طور پر ان کی تعظیم کر لی جائے۔ ان کا حق ادا کرنے کے لئے دل کا تقویٰ مطلوب ہے۔

ہدی و نسبت کے جانور شعائر اللہ میں سے ہیں۔ وہ ایک حقیقت کی علامت ہیں نہ کہ وہ بذات خود حقیقت ہیں۔ ان جانوروں کو رنگنا یا اس کا اہتمام کرنا کہ ان پر سواری نہ کی جائے، ان سے کسی قسم کا فائدہ نہ اٹھایا جائے، یہ وہ چیزیں نہیں ہیں جن سے اللہ خوش ہوتا ہو۔ اللہ کی خوشنودی اس میں ہے کہ جو کچھ کیا جائے اللہ کے لئے کیا جائے۔ اللہ کے یہاں قلبی حالت کی قدر ہے نہ کہ محض ظاہری حالت کی۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝

اور ہم نے ہر امت کے لئے قربانی کرنا مقرر کیا تاکہ وہ ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا کئے ہیں۔ پس تمہارا الٰہ ایک ہی الٰہ ہے تو تم اسی کے ہوکر رہو اور عاجزی کرنے والوں کو بشارت دے دو۔ جن کا حال یہ ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ اور جو ان پر پڑے اس کو سہنے والے اور نماز کی پابندی کرنے والے اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ ۳۴-۳۵

---

انسان اس دنیا میں جو بھی پیداوار حاصل کرتا ہے، خواہ وہ زرعی پیداوار ہو یا حیوانی پیداوار یا صنعتی پیداوار، ان کے بارہ میں اس کے اندر دو قسم کی ممکن نفسیات پیدا ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ میری اپنی کمائی ہے یا یہ کہ وہ معبودوں کی برکت کا نتیجہ ہے۔ یہ نفسیات سراسر مشرکانہ نفسیات ہے۔

دوسری نفسیات یہ ہے کہ آدمی جو کچھ حاصل کرے اس کو وہ خدا کی طرف سے ملی ہوئی چیز سمجھے۔ عشر اور زکوٰۃ اور قربانی اسی دوسرے جذبہ کے خارجی اظہار کے مقررہ طریقے ہیں۔ آدمی اپنی کمائی کا ایک حصہ خدا کی راہ میں نذر کرتا ہے اور اس طرح وہ اس بات کا عملی اقرار کرتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ خدا کا عطیہ ہے نہ کہ محض اس کا اپنا کسب۔

انسان کو اگر صحیح معنوں میں خدا کی معرفت حاصل ہو جائے تو اس کے بعد اس کے دل کا جو حال ہوگا وہ وہی ہوگا جس کو یہاں اِخبات کہا گیا ہے۔ ایسا آدمی ہمہ تن خدا کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔ اس پر عجز کی کیفیت طاری ہو جائے گی۔ اللہ کے تصور سے اس کا دل دہل اٹھے گا۔ وہ اپنی ہر چیز کو خدا کی چیز سمجھنے لگے گا۔ نہ کہ اپنی ذاتی چیز۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کی یادگار بنایا ہے۔ ان میں تمہارے لئے بھلائی ہے۔ پس

ان کو کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو۔ پھر جب وہ کروٹ کے بل گر پڑیں تو ان میں سے کھاؤ اور بے سوال محتاج اور سائل کو کھلاؤ۔ اس طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا تا کہ تم شکر ادا کرو۔ اور اللہ کو نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون بلکہ اللہ کو صرف تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے اس طرح اللہ نے ان کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ تا کہ تم اللہ کی بخشی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائی بیان کرو اور نیکی کرنے والوں کو خوش خبری دے دو۔ ۳۷-۳۶

---

دنیا میں اگر اونٹ اور دوسرے مویشی نہ ہوتے۔ صرف شیر اور ریچھ اور بھیڑیے ہوتے تو ان سے خدمت لینا انسان کے لئے بہت مشکل ہوتا۔ اور ان کو عمومی پیمانہ پر قربان کرنا تو بالکل ناممکن ہو جاتا یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے صرف وحشی اور درندہ جانور نہیں پیدا کئے۔ بلکہ کچھ ایسے جانور بھی پیدا کئے جن میں فطری طور پر یہ مزاج موجود ہے کہ وہ اپنے آپ کو انسان کے قابو میں دے دیتے ہیں۔ اور جب انسان ان کو غذا یا قربانی کے لئے ذبح کرتا ہے تو اس وقت ان کی تسخیری فطرت اپنی آخری حد پر پہنچ جاتی ہے۔

قربانی کا طریقہ اس لئے مقرر نہیں کیا گیا ہے کہ خدا کو گوشت اور خون کی ضرورت ہے۔ قربانی تو صرف ایک علامتی فعل ہے۔ جانور کی قربانی اس انسان کی ایک ظاہری تصویر ہے جو اپنے آپ کو اللہ کے لئے ذبح کر چکا ہے۔ یہ دراصل خود اپنا ذبیحہ ہے جو جانور کے ذبیحہ کی صورت میں ممثل ہوتا ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کے لئے جانور کی قربانی خود اپنی قربانی کے ہم معنی بن جائے۔

إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ ﴿٣٨﴾ أُذِنَ
لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ الَّذِينَ
أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ
بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا
اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٤٠﴾

بے شک اللہ ان لوگوں کی مدافعت کرتا ہے جو ایمان لائے۔ بے شک اللہ بدعہدوں اور ناشکروں کو پسند نہیں کرتا۔ اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن سے لڑائی کی جارہی ہے اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا

ہے۔ اور بے شک اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ وہ لوگ جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے۔ صرف اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے ڈھا دئے جاتے۔ اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اللہ کی مدد کرے۔ بے شک اللہ زبردست ہے، زور والا ہے۔ ۴۰-۳۸

---

اللہ کا کوئی بندہ یا کوئی گروہ اپنے آپ کو اللہ کے راستہ پر ڈالے تو وہ اس دنیا میں تنہا نہیں ہوتا غافل اور سرکش لوگ جب اس کو اپنے ظلم کا نشانہ بنائیں تو خدا ظالموں کے مقابلہ میں ان کی جانب کھڑا ہو جاتا ہے۔ خدا ابتداءً اپنا نام لینے والوں کے اخلاص کا امتحان لیتا ہے۔ مگر جو لوگ امتحان میں پڑ کر اپنا مخلص ہونا ثابت کر دیں خدا ضرور ان کی مدد پر آ جاتا ہے۔ اور ان کے لئے ایسے حالات پیدا کرتا ہے کہ وہ تمام رکاوٹوں پر قابو پاتے ہوئے حق پر کاربند رہ سکیں۔

اہل ایمان کا اصل اقدام صرف دعوت ہے۔ وہ دعوت سے آغاز کرتے ہیں اور برابر دعوت ہی پر قائم رہتے ہیں۔ وہ بوقت ضرورت کبھی جنگ بھی کرتے ہیں مگر ان کی جنگ ہمیشہ دفاع کے لئے ہوتی ہے نہ کہ جارحیت کے لئے۔

ایک گروہ اگر زیادہ مدت تک اقتدار پر رہے تو اس کے اندر سرکشی اور گھمنڈ پیدا ہو جاتا ہے اس لئے خدا نے اس دنیا میں "دفع" کا قانون مقرر کیا ہے۔ وہ بار بار ایک گروہ کے ذریعہ دوسرے گروہ کو اقتدار کے مقام سے ہٹاتا ہے۔ اس طرح تاریخ میں سیاسی توازن قائم رہتا ہے۔ اگر خدا ایسا نہ کرے تو لوگوں کی سرکشی یہاں تک بڑھ جائے کہ عبادت خانے جیسے مقدس ادارے بھی ان کی دستبرد سے محفوظ نہ رہیں۔

اس دفع کی ایک صورت یہ ہے کہ کسی گروہ کے اقتدار کو سرے سے ختم کر دیا جائے۔ اس کی ایک مثال موجودہ زمانہ میں برطانیہ عظمیٰ کی ہے جس کو وطنی آزادی کی تحریکوں کے ذریعہ ختم کیا گیا۔ دوسرا طریقہ وہ ہے جس کی مثال روس اور امریکہ کی شکل میں نظر آتی ہے۔ یعنی ایک کے ذریعے دوسرے پر روک لگانا۔ اور اس طرح بین اقوامی سیاست میں توازن قائم رکھنا۔

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿٤١﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن کو اگر ہم زمین میں غلبہ دیں تو وہ نماز کا اہتمام کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے روکیں گے اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے۔ ۴۱

---

خدا کی مدد کا مستحق بننے کی شرط خاص یہ ہے کہ آدمی ایسا ہو کہ اس کو اقتدار ملے پھر بھی وہ نہ بگڑے اس کو بڑائی کا مقام ملنا اس کے عجز و تواضع کو بڑھانے والا بن جائے۔ جو لوگ اقتدار سے پہلے کے حالات میں اس طرح صالح ثابت ہوں وہی اقتدار کے بعد کے حالات میں صالح ثابت ہو سکتے ہیں۔

یہی وہ لوگ ہیں کہ جب انھیں کوئی اقتدار دیا جاتا ہے تو وہ خدا کے آگے جھک جاتے ہیں۔ وہ بندوں کا پورا پورا حق ادا کرتے ہیں۔ وہ زندگی کے معاملات میں وہی کرتے ہیں جس کو خدا پسند کرتا ہے۔ اور اس سے دور رہتے ہیں جو خدا کو پسند نہیں۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾

اور اگر وہ تمہیں جھٹلائیں تو ان سے پہلے قوم نوح اور عاد اور ثمود جھٹلا چکے ہیں اور قوم ابراہیم اور قوم لوط اور مدین کے لوگ بھی۔ اور موسیٰ کو جھٹلایا گیا۔ پھر میں نے منکروں کو ڈھیل دی۔ پھر میں نے ان کو پکڑ لیا۔ پس کیسا ہوا میرا عذاب۔ ۴۴ - ۴۲

---

"ابراہیم اور موسیٰ کو جھٹلانے والے لوگوں" سے مراد حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے ہم زمانہ لوگ ہیں نہ کہ وہ لوگ جو اس آیت کے اترنے کے وقت موجود تھے۔ کیونکہ قرآن کے اترنے کے زمانہ میں تو تمام لوگ ان پیغمبروں کو ماننے والے بنے ہوئے تھے۔

یہی معاملہ ہر پیغمبر کے ساتھ پیش آیا۔ ان کے زمانہ کے لوگوں نے ان کو جھٹلایا۔ اور بعد کے لوگوں نے ان کو عظمت و تقدس کا مقام دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پیغمبر اپنے زمانہ میں مجرد ایک داعی ہوتا ہے۔ مگر بعد کے زمانہ میں اس کے نام کے ساتھ عظمتوں کی تاریخ وابستہ ہو جاتی ہے۔ ہر دور کے انسانوں نے یہ ثبوت دیا ہے کہ وہ پیغمبر کو مجرد داعی کے روپ میں پہچاننے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ وہ پیغمبر کو صرف عظمتوں کے روپ میں پہچاننا جانتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ ہی کا داعیانہ روپ تھے۔ مگر آپ کے

زمانہ کے وہی لوگ جو حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ سے وابستگی پر فخر کرتے تھے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے سے انکار کر دیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر کو ماننے والے حقیقۃً کون لوگ ہیں۔ پیغمبر کو ماننے والے دراصل وہ لوگ ہیں جو "دعوت" والے پیغمبر کو پہچانیں۔ جو لوگ صرف "عظمت" والے پیغمبر کو پہچانیں وہ تاریخ کے مومن ہیں نہ کہ حقیقۃً پیغمبر خدا کے مومن۔

فَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَّشِيدٍ ۝ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۖ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ۝

پس کتنی ہی بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا اور وہ ظالم تھیں۔ پس اب وہ اپنی چھتوں پر الٹی پڑی ہیں اور کتنے ہی بیکار کنوئیں اور کتنے پختہ محل جو ویران پڑے ہوئے ہیں۔ کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ ان کے دل ایسے ہو جاتے کہ وہ ان سے سمجھتے یا ان کے کان ایسے ہو جاتے کہ وہ ان سے سنتے۔ کیوں کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔ ۴۵-۴۶

---

خدا کے نزدیک دیکھنے والے وہ لوگ ہیں جو عبرت اور نصیحت کی نظر سے چیزوں کو دیکھیں۔ جن لوگوں کا حال یہ ہو کہ وہ واقعات کو دیکھیں مگر اس سے نصیحت نہ لے سکیں وہ خدا کی نظر میں اندھے ہیں۔ ان کا دیکھنا جانور کا دیکھنا ہے نہ کہ انسان کا دیکھنا۔

خدا نے زمین پر نصیحت کے بے شمار سامان پھیلا دئے ہیں۔ انھیں میں سے ایک وہ قدیم یادگاریں ہیں جو پچھلی قوموں نے دنیا میں چھوڑی ہیں۔ یہ قومیں کبھی عظمت و اقتدار کا مقام حاصل کئے ہوئے تھیں۔ مگر آج ان کا نشان ٹوٹے ہوئے کھنڈروں کے سوا اور کچھ نہیں۔

یہ واقعہ ہر انسان کو اس کا انجام یاد دلا رہا ہے۔ مگر جب لوگ دل والی آنکھ کھو دیں تو سر کی آنکھیں کوئی بھی بامعنی چیز نہیں دکھاتی۔

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ ۚ وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ

كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿٤٧﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿٤٨﴾ ع ۱۳

اور یہ لوگ تم سے عذاب کے لئے جلدی کئے ہوئے ہیں۔ اور اللہ ہرگز اپنے وعدہ کے خلاف کرنے والا نہیں ہے۔ اور تیرے رب کے یہاں کا ایک دن تمہارے شمار کے اعتبار سے ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ اور کتنی ہی بستیاں ہیں جن کو میں نے ڈھیل دی اور وہ ظالم تھیں۔ پھر میں نے ان کو پکڑ لیا اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ ۴۸-۴۷

---

اس دنیا میں کوئی شخص یا قوم اگر سرکشی کرے تو خدا ضرور اس کو پکڑتا ہے۔ مگر خدا کبھی پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا۔ انسان ایک دن میں بے برداشت ہو سکتا ہے۔ مگر خدا ایک ہزار سال تک بھی بے برداشت نہیں ہوتا۔ خدا نافرمانیوں کو دیکھتا ہے پھر بھی لمبی مدت تک لوگوں کو موقع دیتا ہے۔ تاکہ اگر وہ اصلاح کرنے والے ہوں تو اپنی اصلاح کر لیں۔ خدا کسی فرد یا قوم کو صرف اس وقت پکڑتا ہے جب کہ وہ آخری طور پر اپنا مجرم ہونا ثابت کر چکے ہوں۔

پچھلے لوگوں کے ساتھ خدا نے یہی معاملہ کیا۔ آئندہ کے لوگوں کے ساتھ بھی خدا اپنی اسی سنت کے تحت معاملہ فرمائے گا۔

قُلْ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٤٩﴾ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٥٠﴾ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿٥١﴾

کہو کہ اے لوگو، میں تمہارے لئے ایک کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں۔ پس جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کے لئے مغفرت ہے اور عزت کی روزی۔ اور جو لوگ ہماری آیتوں کو نیچا دکھانے کے لئے دوڑے وہی دوزخ والے ہیں۔ ۵۱-۴۹

---

انسان کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ بالآخر ایک ایسی دنیا میں پہنچنے والا ہے جہاں مومنین اور صالحین کے لئے ابدی راحت ہے اور جو لوگ حق کو نظر انداز کریں اور اس کے مقابلہ میں سرکشی کا رویہ دکھائیں ان کے

لئے ابدی آگ کا عذاب۔

اسلامی دعوت کا اصل مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو اس آنے والے دن سے باخبر کر دیا جائے۔ کام کی یہ نوعیت خود متعین کر رہی ہے کہ داعی کا اصل کام خبردار کرنا ہے۔ اس کے بعد جو کچھ ہے وہ صرف خدا سے متعلق ہے اور وہی اس کو انجام دے سکتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۝ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

اور ہم نے تم سے پہلے جو بھی رسول اور نبی بھیجا تو جب اس نے کچھ پڑھا تو شیطان نے اس کے پڑھنے میں ملادیا۔ پھر اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے کو مٹا دیتا ہے۔ پھر اللہ اپنی آیتوں کو پختہ کر دیتا ہے۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔ تاکہ جو کچھ شیطان نے ملایا ہے اس سے وہ ان لوگوں کو جانچے جن کے دلوں میں روگ ہے اور جن کے دل سخت ہیں۔ اور ظالم لوگ مخالفت میں بہت دور نکل گئے ہیں اور تاکہ وہ لوگ جن کو علم ملا ہے جان لیں کہ یہی فی الواقع تیرے رب کی طرف سے ہے۔ پھر وہ اس پر یقین لائیں۔ اور ان کے دل اس کے آگے جھک جائیں۔ اور اللہ ایمان لانے والوں کو ضرور سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ ۵۲-۵۴

---

حق کا داعی خواہ وہ پیغمبر ہو یا غیر پیغمبر، اس کے ساتھ ہمیشہ یہ پیش آتا ہے کہ جب وہ خدا کی سچی بات کا اعلان کرتا ہے تو معاندین اس کی بات میں طرح طرح کے شوشے نکالتے ہیں تاکہ لوگوں کو اس کی صداقت کے بارے میں مشتبہ کر دیں۔

اس طرح کے شوشے ہمیشہ بے بنیاد ہوتے ہیں۔ جب وہ پیش کئے جاتے ہیں تو داعی کو موقع ملتا ہے کہ وہ ان کی وضاحت کرکے اپنی بات کو اور زیادہ ثابت شدہ بنا دے۔ اس سے مخلص لوگوں کے یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد خدا کے ساتھ ان کا تعلق اور زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ مگر جو لوگ مخلصانہ شعور

سے خالی ہوتے ہیں، یہ شوشے ان کے لئے فتنہ بن جاتے ہیں۔ وہ ان کے فریب میں مبتلا ہو کر حق سے دور چلے جاتے ہیں۔

"اللہ ایمان والوں کو ضرور صراط مستقیم دکھاتا ہے"۔ اس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ جو لوگ فی الواقع ایمان کے معاملہ میں سنجیدہ ہوں وہ کبھی جھوٹے پروپیگنڈوں سے متاثر نہیں ہوتے۔ وہ الفاظ کے طلسم سے کبھی دھوکا نہیں کھاتے۔ ان کا ایمان ان کے لئے ایسا علم بن جاتا ہے جو باتوں کو ان کی گہرائی کے ساتھ جان لے، نہ کہ محض باتوں کے ظواہر میں اٹک کر رہ جائے۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾ ع ۷ ۱۴

اور انکار کرنے والے لوگ ہمیشہ اس کی طرف سے شک میں پڑے رہیں گے۔ یہاں تک کہ اچانک ان پر قیامت آجائے۔ یا ایک منحوس دن کا عذاب آجائے۔ اس دن سارا اختیار صرف اللہ کو ہوگا۔ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ پس جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے وہ نعمت کے باغوں میں ہوں گے اور جنھوں نے انکار کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو ان کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔ ۵۷ – ۵۵

---

پیغمبر کی دعوت میں دلیل کی عظمت پوری طرح موجود ہوتی ہے۔ مگر وہ لوگ جو صرف ظاہری عظمتوں کو جانتے ہیں وہ پیغمبر کی معنوی عظمت کو دیکھ نہیں پاتے اور اس کا انکار کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگ ہمیشہ شک و شبہہ میں پڑے رہتے ہیں۔ کیونکہ وہ حق کو ظاہری عظمتوں میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور اللہ کی سنت یہ ہے کہ وہ حق کو مجرد روپ میں لوگوں کے سامنے لائے تاکہ جو لوگ حقیقت شناس ہیں وہ اس کو پہچان کر اس سے وابستہ ہو جائیں۔ اور جو ظاہر ہیں وہ اس کو نظر انداز کر کے اپنا مجرم ہونا ثابت کریں۔

"آیتوں کو جھٹلانا" یہ ہے کہ آدمی دلیل کی سطح پر ظاہر ہونے والے حق کو نظر انداز کر دے۔ وہ اس صداقت کو ماننے کے لئے تیار نہ ہو جو مجرد روپ میں اس کے سامنے ظاہر ہوئی ہے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا

حَسَنًا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿٥٨﴾ لَيُدْخِلَنَّهُم مُّدْخَلًا يَرْضَوْنَهُ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿٥٩﴾

اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں اپنا وطن چھوڑا، پھر وہ قتل کر دئے گئے یا وہ مرگئے، اللہ ضرور ان کو اچھا رزق دے گا۔ اور بے شک اللہ ہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ وہ ان کو ایسی جگہ پہنچائے گا جس سے وہ راضی ہوں گے۔ اور بے شک اللہ جاننے والا، حلم والا ہے۔ ۵۹ - ۵۸

---

جو شخص ایمان کے معاملہ میں مخلص ہو اس کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ وہ ہر دوسری چیز کی قربانی گوارا کر لیتا ہے۔ مگر ایمان کی قربانی اسے گوارا نہیں ہوتی۔ اس راہ میں اگر وطن چھوڑنا پڑے تو وہ وطن چھوڑ دیتا ہے۔ اس راہ میں قتل ہونا پڑے تو وہ قتل ہو جاتا ہے۔ وہ ایمان کے ساتھ بندھا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اسی حال میں مر جاتا ہے۔

جو لوگ دنیا کی زندگی میں اس بات کا ثبوت دیں گے کہ وہ ایمان کو سب سے قیمتی چیز سمجھتے ہیں، اللہ ان کی اس طرح قدردانی فرمائے گا کہ انھیں آخرت کی سب سے قیمتی چیز دے دے گا۔ وہ وہاں ابدی طور پر خوشیوں اور راحتوں کی زندگی گزارتے رہیں گے۔

ذَٰلِكَ ۖ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ بِهِ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنصُرَنَّهُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ﴿٦٠﴾

یہ ہو چکا، اور جو شخص بدلہ لے ویسا ہی جیسا اس کے ساتھ کیا گیا تھا، اور پھر اس پر زیادتی کی جائے تو اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ معاف کرنے والا، درگزر کرنے والا ہے۔ ۶۰

---

اہل ایمان کو یہ تلقین کی گئی تھی کہ وہ اس خدا کے طریقہ کو اپنا طریقہ بنائیں جو غفور ورحیم ہے۔ وہ لوگوں کی زیادتیوں سے مسلسل درگزر کرتا ہے۔ اور ان کو معاف فرماتا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام کا گروہ عام طور پر اسی اخلاق خداوندی پر قائم تھا۔ ان پر ظلم کیا جاتا تھا مگر وہ اس کو برداشت کرتے تھے۔ ان کے ساتھ اشتعال انگیز باتیں کی جاتی تھیں مگر وہ درگزر کرتے تھے۔

تاہم بعض مسلمانوں سے ایسا ہوا کہ ان کے ساتھ زیادتی کی گئی تو فوری جذبہ کے تحت انھوں نے جوابی

کارروائی کی۔ ان کو نقصان پہنچایا گیا تو انھوں نے بھی کچھ نقصان پہنچایا۔ دشمنوں نے اس کو بہانہ بنا کر مسلمانوں کے خلاف زبردست پروپگنڈا کیا۔ وہ خود اپنی ظالمانہ کارروائیوں کو بھول گئے۔ البتہ مسلمانوں کے معمولی واقعہ کو ظلم قرار دے کر ان کو بدنام کرنا شروع کر دیا۔

ایسا کرنا بدترین کمینہ پن ہے۔ جو لوگ اس قسم کے کمینہ پن کا ثبوت دیں وہ خدا کی غیرت کو چیلنج کرتے ہیں۔ بظاہر وہ ایک مسلمان کو ظالم ثابت کر رہے ہیں۔ مگر حقیقت کی نظر میں وہ خود سب سے بڑے ظالم ہیں۔ وہ اپنے ظلم کی سخت ترین سزا پا کر رہیں گے۔ اس قسم کے جھوٹے پروپگنڈوں سے وہ اہل حق کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ﴿٦١﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿٦٢﴾

یہ اس لئے کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ اور اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ یہ اس لئے کہ اللہ ہی حق ہے اور وہ سب باطل ہیں جنھیں اللہ کو چھوڑ کر لوگ پکارتے ہیں۔ اور بے شک اللہ ہی سب سے اوپر ہے، سب سے بڑا ہے۔ ۶۲-۶۱

---

دنیا کا نظام خاموش زبان میں انسان کو زبردست سبق دے رہا ہے۔ یہاں بار بار ایسا ہوتا ہے کہ رات کی تاریکی آتی ہے اور وہ دن کو ڈھانک لیتی ہے۔ یہاں ہر روز دن آتا ہے اور رات کی تاریکی کو ختم کر دیتا ہے۔ یہ تمثیل کی زبان میں اس حقیقت کا کائناتی اعلان ہے کہ ایک گروہ اگر شان و شوکت حاصل کئے ہوئے ہو تو اس کو اس غلط فہمی میں نہیں رہنا چاہئے کہ اس کی شان و شوکت ختم ہونے والی نہیں۔ اسی طرح دوسرا گروہ اگر مظلوم ہے تو اس کو بھی یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ اس کی مظلومیت ہمیشہ باقی رہے گی۔

جو خدا آسمانی دنیا میں روشنی کو تاریکی کے خانہ میں ڈال دیتا ہے اور تاریکی کو روشنی کا روپ عطا کرتا ہے وہی خدا انسانی دنیا میں بھی اسی قسم کے واقعات رونما کر سکتا ہے۔ یہاں کوئی بھی طاقت نہیں جو خدا کو ایسا کرنے سے روک دے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۭ اِنَّ

اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ﴿٦٣﴾ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ
الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٦٤﴾ ع ۸/۱۵

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر زمین سرسبز ہوگئی۔ بے شک اللہ باریک بیں ہے خبر رکھنے والا ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور کچھ زمین میں ہے۔ بے شک اللہ ہی ہے جو بے نیاز ہے، تعریفوں والا ہے۔ ۶۴-۶۳

---

دنیا میں جب ایک آدمی حق کے اوپر اپنی زندگی کھڑی کرتا ہے تو اس کو طرح طرح کی مشکلیں پیش آتی ہیں۔ شیطان لوگوں کو ورغلاتا ہے اور وہ اس کو ستانے کے لئے جری ہو جاتے ہیں۔ یہ صورت حال بڑی سخت ہوتی ہے۔ اس کو دیکھ کر حق پرست آدمی مایوسی میں مبتلا ہونے لگتا ہے۔

مگر کائنات زبان حال سے کہتی ہے کہ یہاں کسی بندۂ خدا کے لئے مایوسی کا کوئی سوال نہیں۔ خدا ہر سال یہ منظر دکھاتا ہے کہ زمین کا سبزہ گرمی کی شدت سے جھلس جاتا ہے۔ مٹی خشک ویران نظر آنے لگتی ہے۔ بظاہر اس میں زندگی کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔ اس کے بعد بارش برستی ہے۔ اور خشک مٹی میں سبزہ لہلہا اٹھتا ہے۔

یہ خدا کی قدرت کا ایک نمونہ ہے جو ہر سال مادی سطح پر دکھایا جاتا ہے۔ پھر خدا کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ انسانی سطح پر بھی اپنا یہی کرشمہ دکھا دے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ
وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ
رَّحِيْمٌ ﴿٦٥﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ
لَكَفُوْرٌ ﴿٦٦﴾

کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے زمین کی چیزوں کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے اور کشتی کو بھی، وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے۔ اور وہ آسمان کو زمین پر گرنے سے تھامے ہوئے ہے، مگر یہ کہ اس کے حکم سے۔ بے شک اللہ لوگوں پر نرمی کرنے والا، مہربان ہے۔ اور وہی ہے جس نے تم کو زندگی دی، پھر وہ تم کو موت دیتا ہے۔ پھر وہ تم کو زندہ کرے گا۔ بے شک انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ ۶۶ - ۶۵

زمین کی تمام چیزیں ایک خاص توازن کو مسلسل اپنے اندر قائم رکھتی ہیں۔ اگر ان کا توازن بگڑ جائے تو چیزیں مفید بننے کے بجائے ہمارے لئے سخت مضر بن جائیں۔ پانی میں دھات کا ایک ٹکڑا ڈالیں تو وہ فوراً ڈوب جائے گا مگر پانی کو خدا نے ایک خاص قانون کا پابند بنا رکھا ہے جس کی وجہ سے یہ ممکن ہوتا ہے کہ لوہے یا لکڑی کو کشتی کی صورت دیدی جائے تو وہ پانی میں نہیں ڈوبتی۔ خلا میں بے شمار کرے ہیں۔ ان کو بظاہر گر پڑنا چاہئے۔ مگر وہ خاص قانون کے تحت نہایت صحت کے ساتھ اپنے مدار پر تھمے ہوئے ہیں۔

انسان نے اپنے آپ کو خود نہیں بنایا۔ اس کو خدا نے پیدا کیا ہے۔ پھر اس کو ایک ایسی دنیا میں رکھا جو اس کے لئے سراپا رحمت ہے۔ مگر آزادی پاکر انسان ایسا سرکش ہوگیا کہ وہ اپنے سب سے بڑے محسن کے احسان کا اعتراف نہیں کرتا۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِى الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۭ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۶۷﴾ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷۰﴾

اور ہم نے ہر امت کے لئے ایک طریقہ مقرر کیا کہ وہ اس کی پیروی کرتے تھے۔ پس وہ اس معاملہ میں تم سے جھگڑا نہ کریں۔ اور تم اپنے رب کی طرف بلاؤ۔ یقیناً تم سیدھے راستہ پر ہو۔ اگر وہ تم سے جھگڑا کریں تو کہو کہ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔ اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان اس چیز کا فیصلہ کر دے گا جس میں تم اختلاف کر رہے ہو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے۔ سب کچھ ایک کتاب میں ہے۔ بے شک یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔ ۷۰ - ۶۷

---

عبادت کے دو پہلو ہیں۔ ایک اس کی اندرونی حقیقت اور دوسرے اس کا ظاہری طریقہ۔ اندرونی حقیقت عبادت کا اصل جزء ہے اور ظاہری طریقہ اس کا اضافی جزء۔ مگر کوئی گروہ جب لمبی مدت تک اس پر کاربند رہتا ہے تو وہ اس فرق کو بھول جاتا ہے۔ وہ عبادت کی ظاہری تعمیل ہی کو اصل

عبادت سمجھ لیتا ہے۔

اسی کا نام جمود ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ جب وہ اگلا پیغمبر بھیجتا ہے تو وہ اس کی شریعت (ظاہری طریقہ) میں کچھ فرق کر دیتا ہے۔ اس فرق کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے جمود کو توڑا جائے۔ لوگوں کو ظاہر پرستی کی حالت سے نکال کر زندہ عبادت کرنے والا بنایا جائے۔ اب جو لوگ ظاہری آداب و قواعد ہی کو سب کچھ سمجھے ہوئے ہوں وہ پیغمبر کی اطاعت سے انکار کر دیتے ہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ عبادت کی حقیقت کو جانتے ہیں وہ پیغمبر کے کہنے پر عمل کرنے لگتے ہیں۔ یہ تبدیلی ان کی عبادت میں نئی روح پیدا کر دیتی ہے۔ وہ ان کو جامد ایمان کی حالت سے نکال کر زندہ ایمان کی حالت تک پہنچا دیتی ہے۔

یہی وہ خاص حکمت ہے جس کی بنا پر ایک پیغمبر اور دوسرے پیغمبر کے منسک (طریق عبادت) میں بعض فرق رکھا گیا۔ جب کوئی پیغمبر نیا منسک لایا تو جمود میں پڑے ہوئے لوگوں نے اس کے خلاف سخت اعتراضات نکالنے شروع کئے۔ مگر پیغمبروں کو یہ حکم تھا کہ وہ ان امور کو موضوع بحث نہ بننے دیں۔ وہ اصلی اور بنیادی تعلیمات پر اپنی ساری توجہ صرف کریں۔

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَا لَيْسَ لَهُم بِهِ
عِلْمٌ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ ﴿٧١﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ تَعْرِفُ
فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنكَرَ ۖ يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ
آيَاتِنَا ۗ قُلْ أَفَأُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ مِّن ذَٰلِكُمُ ۗ النَّارُ وَعَدَهَا اللَّهُ الَّذِينَ
ع ۸ / ۱۶ كَفَرُوا ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٧٢﴾

اور وہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جن کے حق میں اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور نہ ان کے بارے میں ان کو کوئی علم ہے۔ اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ اور جب ان کو ہماری واضح آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو تم منکروں کے چہرے پر برے آثار دیکھتے ہو۔ گویا کہ وہ ان لوگوں پر حملہ کر دیں گے جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنا رہے ہیں۔ کہو کہ کیا میں تم کو بتاؤں کہ اس سے بدتر چیز کیا ہے۔ وہ آگ ہے۔ اس کا اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جنہوں نے انکار کیا اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ ۷۱-۷۲

خالص توحید کی دعوت ہمیشہ ان لوگوں کے لئے ناقابل برداشت ہوتی ہے جو ایک اللہ کے سوا دوسروں سے اپنی عقیدتیں وابستہ کئے ہوئے ہوں۔ وہ اپنے معبودوں اور اپنی محبوب شخصیتوں پر تنقید کو سن کر بپھر اٹھتے ہیں۔ دعوت حق کی تردید سے اپنے آپ کو بے بس پاکر وہ داعیان حق پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کا سرے سے خاتمہ کردیں۔

ایسے لوگوں سے کہا گیا کہ تمہارا رویہ سراسر بے عقلی کا رویہ ہے۔ آج تم لفظی تنقید برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہو۔ کل تمہارا کیا حال ہوگا جب کہ تمہیں اپنی اس روش کی بنا پر آگ کا عذاب برداشت کرنا پڑے گا۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ۭ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَـيْـــًٔـا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۭ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝

اے لوگو، ایک مثال بیان کی جاتی ہے تو اس کو غور سے سنو۔ تم لوگ خدا کے سوا جس چیز کو پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کرسکتے۔ اگرچہ سب کے سب اس کے لئے جمع ہوجائیں۔ اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو وہ اس کو اس سے چھڑا نہیں سکتے۔ مدد چاہنے والے بھی کمزور اور جن سے مدد چاہی گئی وہ بھی کمزور۔ انہوں نے اللہ کی قدر نہ پہچانی جیسا کہ اس کے پہچاننے کا حق ہے۔ بے شک اللہ طاقت ور ہے، غالب ہے۔

۷۳-۷۴

اللہ کے سوا کسی اور کو تقدس کا مقام دینا سراسر بے عقلی کی بات ہے۔ اس لئے کہ مقدس مقام اس کو دیا جاتا ہے جس کے اندر کوئی طاقت ہو۔ اور اس دنیا کا حال یہ ہے کہ یہاں کسی بھی انسان یا غیر انسان کو کوئی حقیقی طاقت حاصل نہیں۔ مکھی ایک انتہائی معمولی چیز ہے۔ مگر زمین و آسمان کی تمام چیزیں مل کر بھی ایک مکھی کو وجود میں نہیں لاسکتیں۔ پھر کسی غیر خدا کو مقدس سمجھنا کیوں کر درست ہوسکتا ہے۔

اس قسم کے تمام عقیدے دراصل خدا کی خدائی کے کمتر اندازہ (Underestimation) پر مبنی ہیں۔ لوگ خدا کو مانتے ہیں مگر وہ اس کی عظمت و قدرت سے بے خبر ہیں۔ اگر وہ خدا کو ویسا مانیں جیسا کہ اس

کو ماننا چاہئے تو انھیں اپنے یہ تمام عقیدے مضحکہ خیز حد تک بے معنی معلوم ہوں۔ وہ خود ہی ایسے تمام عقیدوں سے دست بردار ہو جائیں۔

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ۝۷۵
يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۷۶

اللہ فرشتوں میں سے اپنا پیغام پہنچانے والا چنتا ہے۔ اور انسانوں میں سے بھی۔ بے شک اللہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ اور اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں سارے معاملات۔ ۷۶ - ۷۵

---

اللہ نے جس اسکیم کے تحت انسان کو بنایا اور اس کو زمین پر رکھا، اس کا یہ تقاضا تھا کہ وہ انسانوں کی ہدایت کا انتظام کرے۔ وہ ان کو بتائے کہ جنت کا راستہ کون سا ہے اور جہنم کا راستہ کون سا۔ چنانچہ اس نے یہ انتظام کیا کہ وہ انسانوں میں سے کسی کو پیغمبری کے لئے چنتا ہے۔ اور اس کے پاس فرشتہ کے ذریعہ اپنا کلام بھیجتا ہے۔

اس انتظام کے تحت انسان کو اصل حقیقت سے باخبر کیا جا رہا ہے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال کی نگرانی بھی فرما رہا ہے۔ اس کے بعد جب امتحان کی مدت ختم ہوگی تو تمام لوگ خدا کی طرف لوٹائے جائیں گے تاکہ اپنی اپنی کارکردگی کے مطابق اپنے انجام کو پائیں۔

السجدة عند الامام الشافعی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۩ ۝۷۷ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ
وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ
سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا
عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ
وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝۷۸ ع ۱۰ / ۱۷

اے ایمان والو، رکوع اور سجدہ کرو۔ اور اپنے رب کی عبادت کرو اور بھلائی کے کام کرو تاکہ تم کامیاب

ہو۔ اور اللہ کی راہ میں کوشش کرو جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے۔ اسی نے تم کو چنا ہے۔ اور اس نے دین کے معاملہ میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ تمہارے باپ ابراہیم کا دین۔ اسی نے تمہارا نام مسلم رکھا، اس سے پہلے اور اس قرآن میں بھی تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ بنو۔ پس نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ اور اللہ کو مضبوط پکڑ دو، وہی تمہارا مالک ہے۔ پس کیسا اچھا مالک ہے اور کیسا اچھا مددگار۔

۷۸-۷۷

اس آیت کا خطاب اصلاً اصحاب رسول سے اور تبعاً تمام مومنین قرآن سے ہے۔ اس گروہ کو خدا نے اس خاص کام کے لئے منتخب کیا ہے کہ وہ قیامت تک تمام قوموں کو خدا کے سچے اور حقیقی دین سے باخبر کرتا رہے۔ رسول نے یہی عمل شہادت اپنے زمانہ کے لوگوں پر کیا۔ اور آپ کے پیروؤں کو یہی عمل بعد کو اپنے ہم زمانہ لوگوں پر انجام دینا ہے۔

یہ کام ایک بے حد نازک کام ہے۔ اس کے لئے مجاہدانہ عمل درکار ہے۔ اس کو صرف وہی لوگ حقیقی طور پر انجام دے سکتے ہیں۔ جو صحیح معنوں میں خدا کے آگے جھکنے والے بن گئے ہوں۔ جو دوسروں کے اتنے زیادہ خیر خواہ ہوں کہ اپنا وقت اور اپنا پیسہ ان کے لئے خرچ کرنے میں خوشی محسوس کریں۔ جو ہر دوسری چیز سے اوپر اٹھ کر صرف ایک خدا پر بھروسہ کرنے والے بن گئے ہوں۔ جو حقیقی معنوں میں لفظ "مسلم" کا مصداق ہوں جو ان کے لئے خصوصی طور پر وضع کیا گیا ہے۔

تاہم اس کار شہادت کے ساتھ خدا نے ایک خاص معاملہ یہ کیا ہے کہ اس کی راہ کی خارجی رکاوٹوں کو ہمیشہ کے لئے دور کر دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا میں ایسا انقلاب لایا گیا ہے جس نے ان رکاوٹوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جن کا سابقہ پچھلے نبیوں اور ان کی امتوں کو پیش آتا تھا۔ اب اس کام کے لئے حقیقی رکاوٹ کوئی نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ قرآن کے حاملین خود ہی اپنی نادانی سے اپنی راہ میں خود ساختہ مشکلیں پیدا کر لیں اور ایک آسان کام کو مصنوعی طور پر مشکل کام بنا ڈالیں۔

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَثَمَانَ عَشْرَةَ آيَةً وَسِتَّةُ رُكُوْعَاتٍ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجزء الثامن عشر ۱۸

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝۲ وَالَّذِيْنَ هُمْ
عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝۳ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ۝۴ وَالَّذِيْنَ هُمْ
لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝۵ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ

غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝۶ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝۷ وَالَّذِيْنَ هُمْ
لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝۸ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝۹ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الْوٰرِثُوْنَ ۝۱۰ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۱۱

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

یقیناً فلاح پائی ایمان والوں نے جو اپنی نماز میں جھکنے والے ہیں اور جو لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔ اور جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، سوا اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کی ملک یمین میں ہوں کہ ان پر وہ قابل ملامت نہیں۔ البتہ جو اس کے علاوہ چاہیں تو وہی زیادتی کرنے والے ہیں۔ اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا خیال رکھنے والے ہیں۔ اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ وارث ہونے والے ہیں جو فردوس کی وراثت پائیں گے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ۱۱-۱

---

خدا کی اس دنیا میں کامیابی صرف اس شخص کے لئے ہے جو صاحب ایمان ہو۔ جو کسی اور والا نہ ہو کر ایک اللہ والا بن جائے۔ جس کی زندگی اندر سے باہر تک ایمان میں ڈھل گئی ہو۔

جب کسی شخص کو ایمان ملتا ہے تو یہ سادہ سی بات نہیں ہوتی۔ یہ اس کی زندگی میں ایک انقلاب آنے کے ہم معنی ہوتا ہے۔ اب وہ اللہ کی عبادت کرنے والا اور اس کے آگے جھکنے والا بن جاتا ہے۔ اس کی سنجیدگی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ بے فائدہ مشاغل میں وقت ضائع کرنا اس کو ہلاکت معلوم ہونے لگتا ہے۔ وہ اپنی کمائی کا ایک حصہ خدا کے نام پر نکالتا ہے۔ اور اس سے ضرورت مندوں کی مدد کرتا ہے۔ وہ اپنی شہوانی خواہشات کو کنٹرول میں رکھنے والا بن جاتا ہے۔ اور اس کو انھیں حدود کے اندر استعمال کرتا ہے جو خدا نے اس کے لئے مقرر کر دی ہیں۔ وہ دنیا میں ایک ذمہ دار آدمی کی طرح زندگی گزارتا ہے۔ دوسرے کی امانت میں وہ کبھی خیانت نہیں کرتا۔ کسی سے جب وہ کوئی عہد کر لیتا ہے تو وہ کبھی اس کے خلاف نہیں جاتا۔

جن لوگوں کے اندر یہ خصوصیات ہوں وہ اللہ کے مطلوب بندے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے خدا نے جنت الفردوس کی معیاری دنیا تیار کر رکھی ہے۔ موت کے بعد وہ اس کی فضاؤں میں داخل کر دئے جائیں گے تاکہ ابدی طور پر اس کے اندر عیش کرتے رہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ
مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ
عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ
الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے پانی کی ایک بوند کی شکل میں اس کو ایک محفوظ ٹھکانے میں رکھا۔ پھر ہم نے پانی کی بوند کو ایک جنین کی شکل دی۔ پھر جنین کو گوشت کا ایک لوتھڑا بنایا۔ پس لوتھڑے کے اندر ہڈیاں پیدا کیں۔ پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا۔ پھر ہم نے اس کو ایک نئی صورت میں بنا کھڑا کیا۔ پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ، بہترین پیدا کرنے والا۔ پھر اس کے بعد تم کو ضرور مرنا ہے۔ پھر تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔ ۱۶ - ۱۲

---

انسان کا بچہ ماں کے پیٹ کے اندر پرورش پاتا ہے۔ قدیم زمانہ میں استقرار حمل سے لے کر بچہ کی پیدائش تک کی پوری مدت انسان کے لئے ایک چھپی ہوئی چیز کی حیثیت رکھتی تھی۔ بیسویں صدی میں جدید سائنسی ذرائع کے بعد یہ ممکن ہوا ہے کہ پیٹ میں پرورش پلنے والے بچہ کا مشاہدہ کیا جائے اور اس کی بابت براہ راست معلومات حاصل کی جائیں۔

قرآن نے چودہ سو سال پہلے انسانی تخلیق کے جو مختلف تدریجی مراحل بتائے تھے، وہ حیرت انگیز طور پر دور جدید کے مشینی مشاہدہ کے عین مطابق ثابت ہوئے ہیں۔ یہ ایک کھلا ہوا ثبوت ہے کہ قرآن خدا کی کتاب ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جدید تحقیق اور قرآن کے بیان میں اتنی کامل مطابقت ممکن نہ تھی۔

تخلیق کا یہ واقعہ جو ہر روز ماں کے پیٹ میں ہو رہا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ اس دنیا کا خالق ایک حد درجہ باکمال ہستی ہے۔ انسان کی تخلیقِ اول کا حیرت ناک واقعہ جو ہر روز ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے وہی یہ یقین دلانے کے لئے کافی ہے کہ اسی طرح تخلیقِ ثانی کا واقعہ بھی ہوگا۔ اور عین اس کے مطابق ہوگا جس کی خبر نبیوں کے ذریعہ دی گئی ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَاَنْزَلْنَا
مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

فَأَنْشَأْنَا لَكُمْ بِهِ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّأَعْنَابٍ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا
تَأْكُلُوْنَ ﴿١٩﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْآكِلِيْنَ ﴿٢٠﴾
وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ
كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَأْكُلُوْنَ ﴿٢١﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿٢٢﴾

اور ہم نے تمہارے اوپر سات راستے بنائے۔ اور ہم مخلوق سے بے خبر نہیں ہوتے۔ اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا ایک اندازے کے ساتھ۔ پھر ہم نے اس کو زمین میں ٹھہرا دیا۔ اور ہم اس کو واپس لینے پر قادر ہیں۔ پھر ہم نے اس سے تمہارے لئے کھجور اور انگور کے باغ پیدا کئے۔ تمہارے لئے ان میں بہت سے پھل ہیں۔ اور تم ان میں سے کھاتے ہو۔ اور ہم نے وہ درخت پیدا کیا جو طور سینا سے نکلتا ہے، وہ تیل لئے ہوئے اگتا ہے۔ اور کھانے والوں کے لیے سالن بھی۔ اور تمہارے لئے مویشیوں میں سبق ہے۔ ہم تم کو ان کے پیٹ کی چیزے پلاتے ہیں۔ اور تمہارے لئے ان میں بہت فائدے ہیں۔ اور تم ان کو کھاتے ہو۔ اور تم ان پر اور کشتیوں پر سواری کرتے ہو۔ ۲۲ - ۱۷

---

انسان ایک حقیر وجود ہے۔ اس کے مقابلہ میں کائنات دہشت ناک حد تک عظیم ہے۔ مگر کائنات کا سب سے زیادہ حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ وہ انسان کے لئے انتہائی طور پر موافق ہے۔

یہاں وسیع خلا میں ان گنت تارے اور سیارے تیز رفتاری کے ساتھ گھوم رہے ہیں مگر بے شمار ناموافق امکانات کے باوجود وہ انسان کے لئے کوئی ناموافق صورت حال پیدا نہیں کرتے۔ بارش اگر بہت زیادہ برسنے لگے تو انسانی آبادیاں تباہ ہو جائیں مگر اس کی بھی ایک حد ہے، وہ اس حد سے باہر نہیں جاتی۔ زمین پر پانی کے جو ذخیرے ہیں وہ سب کے سب زمین میں جذب ہو سکتے ہیں یا بھاپ بن کر فضا میں اڑ سکتے ہیں مگر کبھی ایسا نہیں ہوتا۔

مزید یہ کہ زمین کی صورت میں ایک استثنائی کرہ موجود ہے جو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خاص طور پر انسان کی ضروریات کو سامنے رکھ کر بنایا گیا ہے۔ یہاں انسان کی غذائی ضروریات سے لے کر اس کی صنعتی ضروریات تک تمام چیزیں افراط کے ساتھ موجود ہیں۔ زمین کے جانور بظاہر وحشی مخلوق ہیں مگر ان کو خدا نے طرح طرح سے انسان کے لئے کارآمد بنا دیا ہے۔ ان جانوروں کا پیٹ ایک حیرت انگیز کارخانہ ہے جو گھاس اور چارہ

لیتا ہے اور اس کو دودھ اور گوشت جیسی قیمتی چیزوں میں تبدیل کرتا ہے۔ جانوروں میں سے بہت سے جانور ہیں جو جانور ہونے کے باوجود اپنے آپ کو پوری طرح انسان کے قبضہ میں دے دیتے ہیں کہ وہ ان پر سواری کرے اور ان سے دوسرے مختلف فائدے حاصل کرے۔

یہ واقعات اس کا تقاضا کرتے ہیں کہ انسان اپنے مہربان خدا کو پہچانے اور اس کا شکر گزار بندہ بن کر رہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ
أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ
يُرِيدُ أَن يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي
آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ﴿۲۴﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوا بِهِ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿۲۵﴾

اور ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو اس نے کہا کہ اے میری قوم، تم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کیا تم ڈرتے نہیں۔ تو اس کی قوم کے سردار جنھوں نے انکار کیا تھا انھوں نے کہا کہ یہ تو بس تمہارے جیسا ایک آدمی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ تمہارے اوپر برتری حاصل کرے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ فرشتے بھیجتا ہم نے یہ بات اپنے پچھلے بڑوں میں نہیں سنی۔ یہ تو بس ایک شخص ہے جس کو جنون ہو گیا ہے۔ پس ایک وقت تک اس کا انتظار کرو۔ ۲۵ - ۲۳

---

حضرت نوح جس قوم میں آئے وہ معروف معنوں میں کوئی "کافر" قوم نہ تھی۔ بلکہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی امت تھی۔ وہ خدا پر اور رسالت پر عقیدہ رکھتی تھی۔ اس کے باوجود کیوں اس نے حضرت نوح کو خدا کا پیغمبر ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کی وجہ صرف ایک تھی ـــــ نوح اس کو اپنے جیسے ایک آدمی معلوم ہوئے۔

پیغمبر ایک انسان ہوتا ہے وہ ماں باپ کے ذریعہ پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے اپنے زمانہ کے لوگوں کو وہ ہمیشہ اپنے ہی جیسا ایک آدمی دکھائی دیتا ہے۔ یہ صرف بعد کی تاریخ میں ہوتا ہے کہ پیغمبر کا نام لوگوں کو ایک پُرعظمت نام محسوس ہونے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر کے ہم عصر پیغمبر کو پہچان نہیں پاتے۔ ان کو پیغمبر ایک ایسا آدمی معلوم ہوتا ہے جو بڑا بننے کے لئے فرضی طور پر پیغمبری کا دعویٰ کرنے لگے۔ وہ پیغمبر کو ایک مجنون سمجھ کر اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ہر امت کا یہ حال ہوا ہے کہ بعد کے زمانہ میں وہ خدا کی تعلیمات کے بجائے اپنے اسلاف کی روایات پر قائم ہو گئی۔ پیغمبر نے آکر جب اصل دینی تعلیمات کو دوبارہ پیش کیا تو پیغمبر کا دین اس کو اسلاف کی روایات سے ہٹا ہوا معلوم ہوا۔ اس کے اپنے ذہنی سانچہ میں اس کو اسلاف برتر نظر آئے اور وقت کا پیغمبر ان کے مقابلہ میں اس کو کمتر دکھائی دیا۔ یہی سب سے بڑی وجہ ہے جس کی بنا پر ہر دور میں ایسا ہوا کہ پیغمبروں کی دعوت ان کے ہم عصروں کے لئے اجنبی بنی رہی۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ﴿٢٦﴾ فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا
وَوَحْيِنَا فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ ۙ فَاسْلُكْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ
وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۖ وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ
إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ﴿٢٧﴾

نوح نے کہا کہ اے میرے رب تو میری مدد فرما کہ انھوں نے مجھ کو جھٹلا دیا۔ تو ہم نے اس کو وحی کی کہ تم کشتی تیار کرو ہماری نگرانی میں اور ہماری ہدایت کے مطابق۔ تو جب ہمارا حکم آجائے اور زمین سے پانی ابل پڑے تو ہر قسم کے جانوروں میں سے ایک ایک جوڑا لے کر اس میں سوار ہو جاؤ۔ اور اپنے گھر والوں کو بھی، سوا ان کے جن کے بارے میں پہلے فیصلہ ہو چکا ہے۔ اور جنھوں نے ظلم کیا ہے ان کے معاملہ میں مجھ سے بات نہ کرنا۔ بے شک ان کو ڈوبنا ہے۔ ۲۷ — ۲۶

---

حضرت نوح لمبی مدت تک اپنی قوم کو تلقین کرتے رہے۔ مگر ان کی قوم ان کی بات ماننے کے لئے تیار نہ ہوئی۔ آخر کار حضرت نوح نے دعا کی کہ خدایا، میری دعوت و تبلیغ ان سے امر حق کو منوا نہ سکی۔ اب تو ہی ان پر امر حق کو ظاہر کر دے۔ مگر جب انسانی عمل کی حد ختم ہو کر خدائی عمل کی حد شروع ہو تو یہ مواخذہ کا وقت ہوتا ہے نہ کہ وعظ و تلقین کا۔ چنانچہ خدا کا حکم ناقابل تسخیر طوفان کی صورت میں ظاہر ہوا اور چند مومنین نوح کو چھوڑ کر بقیہ ساری قوم غرق ہو کر رہ گئی۔

امر حق کا اعتراف نہ کرنا سب سے بڑا ظلم ہے۔ جو لوگ اس ظلم کا ارتکاب کریں وہ ہمیشہ خدا کی پکڑ میں آجاتے ہیں کوئی دوسری چیز انھیں اس پکڑ سے بچانے والی ثابت نہیں ہوتی۔

فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ

الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾

پھر جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی میں بیٹھ جائیں تو کہو کہ شکر ہے اللہ کا جس نے ہم کو ظالم لوگوں سے نجات دی اور کہو کہ اے میرے رب تو مجھے اتار برکت کا اتارنا اور تو بہتر اتارنے والا ہے۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں اور بے شک ہم بندوں کو آزماتے ہیں۔ ۳۰ - ۲۸

---

شرک سے بھرے ہوئے ماحول میں جو چند افراد حضرت نوح پر ایمان لائے وہ اسی دن معنوی اعتبار سے خدا کی کشتی میں داخل ہو چکے تھے۔ اس کے بعد جب طوفان کے وقت وہ لکڑی کی بنائی ہوئی کشتی میں بیٹھے تو یہ گویا ان کے ابتدائی فیصلے کی تکمیل تھی۔ انھوں نے اپنے آپ کو فکری طور پر بدی کے طوفان سے بچایا تھا۔ خدا نے ان کو عملی طور پر بدی کے سخت انجام سے بچا لیا۔

مومن ہر کامیابی کو خدا کی طرف سے سمجھتا ہے، اس لئے وہ ہر کامیابی پر خدا کا شکر ادا کرتا ہے۔ اور طوفان نوح سے نجات تو کھلا ہوا خدائی نصرت کا واقعہ تھا۔ ایسے موقع پر مومن کی زبان سے جو کلمات نکلتے ہیں وہ وہی ہیں جن کی ایک تصویر مذکورہ آیت میں نظر آتی ہے۔ وہ حال کے لئے خدا کی قدرت کا اعتراف کرتے ہوئے مستقبل کے لئے مزید عنایت کی التجا کرنے لگتا ہے۔ کیونکہ اس کو یقین ہوتا ہے کہ حال بھی خدا کے قبضہ میں ہے اور مستقبل بھی خدا کے قبضہ میں۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ
ع اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا
بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَىِٕنْ اَطَعْتُمْ
بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾

پھر ہم نے ان کے بعد دوسرا گروہ پیدا کیا۔ پھر ان میں ایک رسول انھیں میں سے بھیجا، کہ تم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کیا تم ڈرتے نہیں۔ اور اس کی قوم کے سرداروں نے جنھوں نے انکار کیا۔ اور آخرت کی

ملاقات کو جھٹلایا، اور ان کو ہم نے دنیا کی زندگی میں آسودگی دی تھی، کہا یہ تو تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہے۔ وہی کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو، اور وہی پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔ اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے ایک آدمی کی بات مانی تو تم بڑے گھاٹے میں رہوگے۔ ۳۴-۳۱

---

حضرت نوح کے مومنین کی نسل بڑھی اور اس پر صدیاں گزر گئیں تو دوبارہ وہ اسی گمراہی میں مبتلا ہوگئے جس میں ان کے پچھلے لوگ مبتلا ہوئے تھے۔ اس سے مراد غالباً وہی قوم ہے جس کو قوم عاد کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ خدا سے غافل ہو کر غیر خداؤں میں مشغول ہوگئے۔ اب دوبارہ ان کے درمیان خدا کا رسول آیا۔ اور اس نے ان کو حق سے آگاہ کیا۔

مگر دوبارہ یہی ہوا کہ قوم کے سردار پیغمبر کے مخالف بن کر کھڑے ہوگئے۔ یہ سردار وہ لوگ تھے جو وقت کے خیالات سے موافقت کرکے لوگوں کے قائد بنے ہوئے تھے۔ اسی کے ساتھ خوش حالی بھی ان کے گرد جمع ہوگئی تھی۔ یہ ایک عام کمزوری ہے کہ جن لوگوں کو دولت اور اقتدار حاصل ہو جائے وہ اس کو اپنے برسرحق ہونے کی دلیل سمجھ لیتے ہیں۔ یہی ان سرداروں کے ساتھ ہوا۔ ان کی خوش حالی اور اقتدار ان کے لئے یہ سمجھنے میں مانع ہوگئے کہ وہ غلطی پر بھی ہوسکتے ہیں۔

انھوں نے دیکھا کہ پیغمبر کے گرد نہ دولت کا ڈھیر جمع ہے اور نہ اس کو اقتدار کی گدی حاصل ہے، اس لئے انھوں نے پیغمبر کو حقیر سمجھ لیا۔ وہ اپنی ظاہر پرستی کی بنا پر پیغمبر کی معنوی عظمت کو دیکھنے میں ناکام رہے۔

أَيَعِدُكُمْ أَنَّكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا أَنَّكُم مُّخْرَجُونَ ﴿٣٥﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ ﴿٣٦﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿٣٧﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٣٨﴾

کیا یہ شخص تم سے کہتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو پھر تم نکالے جاؤ گے۔ بہت ہی بعید اور بہت ہی بعید ہے جو بات ان سے کہی جارہی ہے۔ زندگی تو یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے۔ یہیں ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں۔ اور ہم دوبارہ اٹھائے جانے والے نہیں ہیں۔ یہ تو بس ایک ایسا شخص ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے۔ اور ہم اس کو ماننے والے نہیں۔ ۳۸ - ۳۵

---

اس آیت میں آخرت کے بارہ میں جو کلمات نقل کئے گئے ہیں وہ کبھی زبان حال سے ادا ہوتے ہیں اور کبھی زبان قال سے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ہمہ تن بس دنیا کی چیزوں میں مشغول ہوتا ہے۔ وہ آخرت سے اس طرح غافل نظر آتا ہے جیسے کہ آخرت اس کے نزدیک بالکل بعید از قیاس بات ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس کی آخرت سے غفلت اس کو سرکشی کی اس حد تک پہنچا دیتی ہے کہ وہ اپنی زبان سے بھی کہہ دیتا ہے کہ آخرت تو بہت بعید از قیاس چیز ہے۔ اس لئے آج جو کچھ مل رہا ہے اس کو حاصل کرو، کل کے موہوم فائدہ کی خاطر آج کے یقینی فائدہ کو نہ کھوؤ۔

" اس شخص نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے" اس کلمہ کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی عین اسی جملہ کو اپنی زبان سے ادا کرے۔ دوسرے یہ کہ وہ داعی حق کو اس طرح نظر انداز کرے جیسے کہ اس کی بات محض ایک سر پھرے شخص کی بات ہے۔ اس کا خدا سے کوئی تعلق نہیں۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ۝ قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ ۝ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ غُثَاءً ۚ فَبُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝

رسول نے کہا، اے میرے رب، میری مدد فرما کہ انھوں نے مجھ کو جھٹلا دیا۔ فرمایا کہ یہ لوگ جلد ہی پچھتائیں گے۔ پس ان کو ایک سخت آواز نے حق کے مطابق پکڑ لیا۔ پھر ہم نے ان کو خس و خاشاک کر دیا۔ پس دور ہو ظالم قوم۔ ۳۹ - ۴۱

---

خدا کا پیغمبر جس چیز کے اعلان کے لئے آتا ہے وہ اس کائنات کی سب سے سنگین حقیقت ہے۔ مگر پیغمبر اس حقیقت کو صرف دلیل کے روپ میں ظاہر کرتا ہے۔ وہی لوگ دراصل مومن ہیں جو اس کو دلیل کے روپ میں پہچانیں اور اپنے آپ کو اس کے حوالہ کر دیں۔

جب کوئی گروہ آخری طور پر یہ ثابت کر دے کہ وہ حقیقت کو دلیل کے روپ میں پہچاننے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو پھر خدا حقیقت کو "صیحہ" کے روپ میں ظاہر کرتا ہے۔ حقیقت ایک ایسی چنگھاڑ بن جاتی ہے جس کا سامنا کرنے کی طاقت کسی کو نہ ہو۔ مگر جب حقیقت صیحہ کے روپ میں ظاہر ہو جائے تو یہ اس کو بھگتنے کا وقت ہوتا ہے نہ کہ اس کو ماننے کا۔ حقیقت جب صیحہ کے روپ میں ظاہر ہوتی ہے تو آدمی کے حصہ میں صرف یہ رہ جاتا ہے کہ وہ ابد تک اپنی اس نادانی پر پچھتا تا رہے کہ اس نے حقیقت کو دیکھا مگر وہ اس کی طرف سے اندھا بنا رہا۔ حقیقت کی آواز اس کے کان سے ٹکرائی مگر اس نے اس کو سننے کے لئے اپنے کان بند

کر لے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾

پھر ہم نے ان کے بعد دوسری قومیں پیدا کیں۔ کوئی قوم نہ اپنے وعدہ سے آگے جاتی اور نہ اس سے پیچھے رہتی۔ پھر ہم نے لگاتار اپنے رسول بھیجے۔ جب بھی کسی قوم کے پاس اس کا رسول آیا تو انھوں نے اس کو جھٹلایا۔ تو ہم نے ایک کے بعد ایک کو لگا دیا۔ اور ہم نے ان کو کہانیاں بنا دیا۔ پس دور ہوں وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے۔ ۴۲ - ۴۴

---

پیغمبروں کے بعد ہمیشہ ان کی امتوں میں بگاڑ آتا رہا۔ ان کی اصلاح کے لئے بار بار پیغمبر بھیجے گئے ـــــ امت آدم میں حضرت نوح آئے۔ اس کے بعد امت نوح (عاد) میں حضرت ہود آئے۔ پھر امت ہود (ثمود) میں حضرت صالح آئے، وغیرہ۔ مگر ہر بار یہ ہوا کہ وہی لوگ جو ماضی کے پیغمبر کو بلا بحث ماننے ہوئے تھے وہ حال کے پیغمبر کو کسی طرح ماننے پر تیار نہ ہوئے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ماضی کا پیغمبر طویل روایات کے نتیجے میں قومی فخر کا نشان بن جاتا ہے۔ وہ قوموں کے لئے ان کے قومی تشخص کی علامت ہوتا ہے۔ وہ ان کے لئے قومی ہیرو کا درجہ اختیار کر لیتا ہے۔ اس کو مان کر آدمی کے احساس برتری کو تسکین ملتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے پیغمبر کو کون نہیں مانے گا۔

مگر حال کے پیغمبر کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ حال کے پیغمبر کے ساتھ اس کی تاریخ وابستہ نہیں ہوتی۔ اس کے ساتھ عظمت اور تقدس کی روایت شامل نہیں ہوتی۔ اس کو ماننا صرف ایک معنوی حقیقت کے اعتراف کے ہم معنی ہوتا ہے۔ نہ کہ کسی ہمالیائی عظمت سے اپنے آپ کو وابستہ کرنا۔ یہی وجہ ہے کہ ماضی کے پیغمبر کو ماننے والے ہمیشہ حال کے پیغمبر کا انکار کرتے رہے۔

"دور ہوں جو ایمان نہیں لاتے" اس کو لفظ بدل کر کہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دور ہوں وہ لوگ جو خدا کے سفیر کو خدا کے سفیر کی حیثیت سے نہیں پہچان پاتے۔ وہ خدا کے سفیر کو صرف اسی وقت پہچانتے ہیں جب کہ تاریخی عمل کے نتیجہ میں وہ ان کا قومی ہیرو بن چکا ہو۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ڏ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ

مَلَائِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿٤٦﴾ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَ
قَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿٤٧﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿٤٨﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا
مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿٤٩﴾

پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو بھیجا اپنی نشانیوں اور کھلی دلیل کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس تو انھوں نے تکبر کیا اور وہ مغرور لوگ تھے۔ پس انھوں نے کہا کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں کی بات مان لیں حالانکہ ان کی قوم کے لوگ ہمارے تابع دار ہیں۔ پس انھوں نے ان کو جھٹلا دیا۔ پھر وہ ہلاک کر دئے گئے۔ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تاکہ وہ راہ پائیں۔ ۴۵-۴۹

---

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون بنی اسرائیل کے فرد تھے۔ بنی اسرائیل اس وقت مصر میں تھے اور وہاں کی حکمراں قوم کے لئے مزدور کی حیثیت رکھتے تھے۔ بنی اسرائیل کی کمتر حیثیت اور ان کے مقابلہ میں فرعون اور اس کے ساتھیوں کی برتر حیثیت ان کے لئے مانع بن گئی۔ وہ ایک اسرائیلی پیغمبر کو نمائندہ خدا ماننے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ حضرت موسیٰ نے اگرچہ ان کے سامنے نہایت محکم دلائل پیش کئے۔ مگر دلائل کا وزن انھیں اس کے لئے مجبور نہ کر سکا کہ وہ اپنی برتر نفسیات کو بدلیں اور ایک محکوم شخص کی زبان سے ظاہر ہونے والی صداقت کا اعتراف کریں۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کی مدد کی۔ فرعون اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ غرق کر دیا گیا۔ دوسری طرف جن لوگوں نے پیغمبر کا ساتھ دیا تھا۔ ان پر خدا نے یہ احسان فرمایا کہ ان کے پاس اپنا ہدایت نامہ بھیجا جس کو اختیار کر کے آدمی دنیا اور آخرت میں کامیابی کو اپنے لئے یقینی بنا سکتا ہے۔

ع ۳
وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿٥٠﴾

اور ہم نے مریم کے بیٹے کو اور اس کی ماں کو ایک نشانی بنایا اور ہم نے ان کو ایک اونچی زمین پر ٹھکانا دیا جو سکون کی جگہ تھی اور وہاں چشمہ جاری تھا۔ ۵۰

---

حضرت مسیح کی بغیر باپ کے پیدائش ایک بے حد انوکھا واقعہ تھا۔ یہ واقعہ کیوں ہوا۔ یہ ایک "نشانی" کے طور پر ہوا۔ قدیم زمانہ میں یہود کو حامل رسالت گروہ کی حیثیت حاصل تھی۔ مگر انھوں نے مسلسل سرکشی سے

اپنے لئے اس کا استحقاق کھو دیا۔ اب وقت آگیا تھا کہ یہ امانت ان سے لے کر بنو اسماعیل کو دے دی جائے۔ چنانچہ یہود کے اوپر آخری اتمام حجت کے لئے ان کے آخری پیغمبر کو معجزاتی انداز میں پیدا کیا گیا۔ اور اس پیغمبر کو مزید غیر معمولی معجزے دئے گئے۔ اس کے باوجود جب یہود آپ کے منکر بنے رہے تو یہ بات آخری طور پر ثابت ہوگئی کہ وہ حامل رسالت بننے کے اہل نہیں ہیں۔

حضرت مسیح کی والدہ حضرت مریم کے لئے یہ انتہائی نازک مرحلہ تھا۔ ایسے حال میں ان کو سخت ضرورت تھی کہ کوئی ایسا گوشہ ہو جہاں وہ لوگوں کی نظروں سے دور ہو کر رہ سکیں۔ وہاں زندگی کی ضروری چیزیں بھی ہوں اور سکون و اطمینان بھی حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جب ان کو اس نازک امتحان میں ڈالا تو اسی کے ساتھ ان کے وطن کے قریب ایک پُرامن گوشہ بھی ان کے لئے مہیا فرمادیا۔

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾

اے پیغمبرو، ستھری چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو۔ میں جانتا ہوں جو کچھ تم کرتے ہو۔ اور یہ تمہارا دین ایک ہی دین ہے۔ اور میں تمہارا رب ہوں، تو تم مجھ سے ڈرو۔ ۵۲ - ۵۱

---

دین اصلاً صرف ایک ہے۔ اور یہی ایک دین تمام پیغمبروں کو بتایا گیا۔ وہ یہ کہ آدمی خدا کو ایک ایسی عظیم ہستی کی حیثیت سے پائے کہ وہ اس سے ڈرنے لگے۔ اس کے دل و دماغ پر یہ تصور چھا جائے کہ اس کے اوپر ایک خدا ہے۔ وہ ہر حال میں اس کو دیکھ رہا ہے۔ اور وہ موت کے بعد اس سے اس کے تمام اعمال کا حساب لے گا۔

یہ معرفت ہی اصل دین ہے۔ اس معرفت اور اس احساس کے تحت جو زندگی بنے وہ یہی ہوگی کہ آدمی دنیا کی چیزوں میں سے پاکیزہ اور ستھری چیزیں لے گا۔ وہ اپنے معاملات میں نیکی اور بھلائی کا طریقہ اختیار کرے گا۔ خدا کی معرفت کا لازمی نتیجہ خدا کا خوف ہے اور خدا کے خوف کا لازمی نتیجہ نیک زندگی۔

فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ

لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ ۚ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٥٦﴾

پھر لوگوں نے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر لیا۔ ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے اسی پر وہ نازاں ہے۔ پس ان کو ان کی بے ہوشی میں کچھ دن چھوڑ دو۔ کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو جو مال اور اولاد دئے جا رہے ہیں تو ہم ان کو فائدہ پہنچانے میں سرگرم ہیں۔ بلکہ وہ بات کو نہیں سمجھتے۔ ۵۶-۵۲

---

خدا کا دین جب اپنی اصل روح کے ساتھ زندہ ہو تو وہ لوگوں میں خوف پیدا کرتا ہے اور جب دین کی اصل روح نکل جائے تو وہ فخر کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ یہی وہ وقت ہے جب کہ اہل دین گروہوں میں بٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ ہر گروہ اپنے حالات کے لحاظ سے کوئی ایسا پہلو لے لیتا ہے جس میں اس کے لیے فخر کا سامان موجود ہو۔ فخر والے دین ہمیشہ کئی ہوتے ہیں اور خوف والا دین ہمیشہ ایک ہوتا ہے۔ بے خوفی کی نفسیات رایوں کا تعدد پیدا کرتی ہے۔ اور خوف کی نفسیات رایوں کا اتحاد۔

موجودہ دنیا میں انسان حالت امتحان میں ہے۔ خدا کے علم میں کسی شخص یا گروہ کی جو مدت ہے اس مدت تک اس کو زندگی کا سامان لازماً دیا جاتا ہے۔ اس بنا پر غافل لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں صحیح کر رہے ہیں۔ اگر وہ غلطی پر ہوتے تو ان کا مال و اسباب ان سے چھین لیا جاتا۔ حالانکہ خدا کا قانون یہ ہے کہ مال و اسباب مدت امتحان کے ختم ہونے پر چھینا جائے نہ کہ امتحان کے دوران میں ہدایت سے انحراف پر۔

إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٨﴾ وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿٥٩﴾ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ﴿٦٠﴾ أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ﴿٦١﴾ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ ۚ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٦٢﴾

بے شک جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔ اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ اور جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل کانپتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہ لوگ بھلائیوں کی راہ میں سبقت کر رہے ہیں اور

وہ ان پر پہنچنے والے ہیں سب سے آگے۔ اور ہم کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔ اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو بالکل ٹھیک بولتی ہے، اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ ۶۲ - ۵۷

---

جو شخص اللہ کو اس طرح پائے کہ اس پر اللہ کی ہیبت طاری ہو جائے وہ عام انسانوں سے بالکل مختلف انسان ہوتا ہے۔ خوف کی نفسیات اس کو انتہائی حد تک سنجیدہ بنا دیتی ہے۔ اس کی سنجیدگی اس کی ضامن بن جاتی ہے کہ وہ دلائل خداوندی کے وزن کو پوری طرح سمجھے اور اس کے آگے فوراً جھک جائے۔ خدا کے سوا ہر چیز اس کی نظر میں اپنا وزن کھو دے۔ وہ سب کچھ کر کے بھی یہ سمجھے کہ اس نے کچھ نہیں کیا۔

موجودہ دنیا میں دوڑ دھوپ کی دو راہیں کھلی ہوئی ہیں۔ ایک دنیا کی راہ اور دوسری آخرت کی راہ۔ جن لوگوں کے اندر مذکورہ صفات پائی جائیں وہی وہ لوگ ہیں جو آخرت کی طرف دوڑنے والے ہیں۔

تاہم آخرت کی طرف دوڑنا موجودہ دنیا میں ایک بیحد مشکل کام ہے۔ اس میں انسان سے طرح طرح کی کوتاہیاں ہو جاتی ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کا مطالبہ ہر آدمی سے اس کی طاقت کے بقدر ہے نہ کہ طاقت سے زیادہ۔ ہر آدمی کی استطاعت اور اس کا کارنامہ دونوں کامل طور پر خدا کے علم میں ہے۔ اور یہی واقعہ اس بات کی ضمانت ہے کہ قیامت میں ہر شخص کو وہ رعایت ملے جو ازروئے انصاف اسے ملنی چاہئے۔ اور ہر شخص وہ انعام پائے جس کا وہ فی الواقع مستحق تھا۔

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾ مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾

بلکہ ان کے دل اس کی طرف سے غفلت میں ہیں۔ اور ان کے کچھ کام اس کے علاوہ ہیں وہ ان کو کرتے رہیں گے یہاں تک کہ جب ہم ان کے آسودہ لوگوں کو عذاب میں پکڑیں گے تو وہ فریاد کرنے لگیں گے۔ اب فریاد نہ کرو۔ اب ہماری طرف سے تمہاری کوئی مدد نہ ہوگی۔ تم کو میری آیتیں سنائی جاتی تھیں تو تم پیٹھ پیچھے بھاگتے تھے، اس سے تکبر کر کے۔ گویا کسی قصہ گو کو چھوڑ رہے ہو۔ ۶۷ - ۶۳

---

جو لوگ دنیا پرستی میں غرق ہوں انھیں خدا اور آخرت کی باتوں سے دل چسپی نہیں ہوتی۔ ان کی دل چسپی کی چیزیں اس سے مختلف ہوتی ہیں جو سچے اہل ایمان کی دل چسپی کی چیزیں ہوتی ہیں۔ خدا اور آخرت کی بات خواہ کتنے ہی مؤثر انداز میں بیان کی جائے، انھیں وہ زیادہ اپیل نہیں کرتی۔ وہ ایسی باتوں کو نظر انداز کرکے اپنی دوسری دلچسپیوں میں گم رہتے ہیں۔ وہ داعی حق کی مجلس سے اس طرح اٹھ جاتے ہیں جیسے کسی فضول قصہ گو کو چھوڑ کر چلے گئے۔

مگر جب خدا کی پکڑ آتی ہے تو ایسے لوگ غفلت اور سرکشی کو بھول کر عاجزانہ فریاد کرنے لگتے ہیں۔ اس وقت وہ خدا کے آگے جھک جاتے ہیں۔ مگر اس وقت کا جھکنا بیکار ہوتا ہے۔ کیونکہ خدا کے آگے جھکنا وہ معتبر ہے جب کہ آدمی خدا کی نشانی کو دیکھ کر جھک گیا ہو۔ جب خدا خود اپنی طاقتوں کے ساتھ ظاہر ہو جائے اس وقت جھکنے کی کوئی قیمت نہیں۔

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٦٨﴾ أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا
رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنْكِرُونَ ﴿٦٩﴾ أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ ۚ بَلْ جَاءَهُمْ
بِالْحَقِّ وَأَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ﴿٧٠﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ
وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۚ بَلْ أَتَيْنَاهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ ﴿٧١﴾

پھر کیا انھوں نے اس کلام پر غور نہیں کیا۔ یا ان کے پاس ایسی چیز آئی ہے جو ان کے اگلے باپ دادا کے پاس نہیں آئی۔ یا انھوں نے اپنے رسول کو پہچانا نہیں۔ اس وجہ سے وہ اس کو نہیں مانتے۔ یا وہ کہتے ہیں کہ اس کو جنون ہے۔ بلکہ وہ ان کے پاس حق لے کر آیا ہے۔ اور ان میں سے اکثر کو حق بات بری لگتی ہے۔ اور اگر حق ان کی خواہشوں کے تابع ہوتا تو آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب تباہ ہو جاتے۔ بلکہ ہم نے ان کے پاس ان کی نصیحت بھیجی ہے تو وہ اپنی نصیحت سے اعراض کر رہے ہیں۔ ۶۸ - ۷۱

---

حق وہ ہے جو حقیقت واقعہ کے مطابق ہو۔ مگر خواہش پرست انسان یہ چاہنے لگتا ہے کہ حق کو اس کی خواہش کے تابع کر دیا جائے۔ اس قسم کے لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ داعی جب حق بات کہتا ہے تو وہ اس سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ وہ حق کے تابع نہیں بننا چاہتے۔ اس لئے وہ چاہنے لگتے ہیں کہ حق کو

ان کے تابع کر دیا جائے۔ اپنی اس نفسیات کی بنا پر وہ حق کی آواز پر دھیان نہیں دیتے۔ حق ان کو اجنبی دکھائی دیتا ہے۔ وہ داعیِ حق کو اس کی اصل حیثیت میں پہچان نہیں پاتے۔ اپنے کو برسرِ حق ظاہر کرنے کے لئے وہ داعی کو مطعون کرنے لگتے ہیں۔

کائنات میں کامل درستگی نظر آتی ہے۔ اس کے برعکس انسانی دنیا میں ہر طرف فساد اور بگاڑ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کائنات کا نظام حق کی بنیاد پر چل رہا ہے۔ یعنی وہی ہونا جو ہونا چاہئے، وہ نہ ہونا جو نہ ہونا چاہئے۔ اب اگر کائنات کا نظام بھی انسان کی خواہشوں پر چلنے لگے تو جو فساد انسانی دنیا میں ہے وہی فساد بقیہ کائنات میں بھی برپا ہو جائے گا۔

نصیحت اور تنقید ہمیشہ آدمی کے لئے سب سے زیادہ تلخ چیز ہوتی ہے۔ بہت ہی کم وہ خدا کے بندے ہیں جو نصیحت اور تنقید کو کھلے ذہن کے ساتھ سنیں۔ بیشتر لوگ اس کو نظر انداز کرکے گزر جاتے ہیں۔

أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿٧٢﴾ وَإِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ
إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٧٣﴾ وَإِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنَاكِبُونَ ﴿٧٤﴾

کیا تم ان سے کوئی مال مانگ رہے ہو تو تمہارے رب کا مال تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور وہ بہترین روزی دینے والا ہے۔ اور یقیناً تم ان کو ایک سیدھے راستے کی طرف بلاتے ہو۔ اور جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ راستے سے ہٹ گئے ہیں۔ ۷۲-۷۴

---

پیغمبر اپنے مخاطبین سے کبھی کوئی مالی غرض نہیں رکھتا۔ پیغمبر اور اس کے مخاطبین کا تعلق داعی اور مدعو کا تعلق ہوتا ہے۔ داعی اور مدعو کا تعلق بے حد نازک تعلق ہے۔ داعی اگر ایک طرف لوگوں کو آخرت کا پیغام دے اور اسی کے ساتھ وہ ان سے دنیا کے مطالبات بھی چھیڑے ہوئے ہو تو اس کی دعوت لوگوں کی نظر میں مذاق بن کر رہ جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر کسی بھی حال میں اپنے مدعو سے کوئی مادی مطالبہ نہیں کرتا، خواہ اس کی وجہ سے اس کو یک طرفہ طور پر ہر قسم کا نقصان برداشت کرنا پڑے۔

داعی کا اصل معاوضہ خود وہ حق ہوتا ہے جس کو لے کر وہ کھڑا ہوا ہے۔ خدا کی دریافت اس کا سب سے بڑا سرمایہ ہوتی ہے۔ داعیانہ زندگی گزارنے کے نتیجہ میں اس کو جو ربانی تجربات ہوتے ہیں وہ اس کی روح کو سب سے بڑی غذا فراہم کرتے ہیں۔ اعلیٰ ترین مقصد کے لئے سرگرم رہنے سے جو لذت ملتی ہے وہ

اس کی تسکین کا سب سے بڑا سامان ہوتی ہے۔

حق کی دعوت کو وہی شخص مانے گا جس کو آخرت کا کھٹکا لگا ہوا ہو۔ آخرت کا احساس آدمی کو سنجیدہ بناتا ہے اور سنجیدگی ہی وہ چیز ہے جو آدمی کو مجبور کرتی ہے کہ وہ حقیقت کو مانے۔ جو شخص سنجیدہ نہ ہو وہ کبھی حقیقت کو تسلیم نہیں کرے گا، خواہ اس کو دلائل سے کتنا ہی زیادہ ثابت شدہ بنا دیا جائے۔

وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَلَقَدْ
اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا یَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا
عَلَیْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِیْدٍ اِذَا هُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾

اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور ان پر جو تکلیف ہے وہ دور کر دیں تب بھی وہ اپنی سرکشی میں لگے رہیں گے بھٹکے ہوئے۔ اور ہم نے ان کو عذاب میں پکڑا۔ لیکن نہ وہ اپنے رب کے آگے جھکے اور نہ انھوں نے عاجزی کی۔ یہاں تک کہ جب ہم ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے تو اس وقت وہ حیرت زدہ رہ جائیں گے۔ ۷۷-۷۵

---

مکی دور میں جب قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو رد کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے چند سال کے لئے مکہ والوں کو قحط میں مبتلا کر دیا۔ یہ قحط اتنا شدید تھا کہ بہت سے لوگ مردار کھانے پر مجبور ہو گئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک عام سنت ہے کہ جب کوئی گروہ سرکشی اختیار کرتا ہے اور نصیحت قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتا تو وہ اس گروہ پر تنبیہی عذاب بھیجتا ہے تاکہ ان کے دل نرم ہوں اور وہ حق بات کی طرف دھیان دے سکیں۔

مگر تاریخ کا تجربہ ہے کہ انسان نہ اچھے حالات سے سبق لیتا اور نہ برے حالات سے۔ دونوں قسم کے حالات کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آدمی اللہ کی طرف رجوع کرے۔ مگر انسان یہ کرتا ہے کہ وہ اچھے حالات کو اپنی تدبیر کا نتیجہ سمجھ لیتا ہے اور برے حالات کو زمانہ کے الٹ پھیر کا۔ اس طرح وہ دونوں ہی قسم کے واقعات سے سبق لینے سے محروم رہتا ہے۔

آدمی اسی طرح غفلت میں پڑا رہتا ہے یہاں تک کہ خدا کا آخری فیصلہ آجاتا ہے۔ اس وقت وہ حیران رہ جاتا ہے کہ وہ چیز جس کو اس نے غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا وہی اس دنیا کی سب سے بڑی اور سب سے اہم حقیقت تھی۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۷۸
وَهُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۷۹ وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَ
لَهُ اخْتِلَافُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۸۰

اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔ تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔ اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں پھیلایا۔ اور تم اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے۔ اور وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کے اختیار میں ہے رات اور دن کا بدلنا۔ تو کیا تم سمجھتے نہیں۔ ۸۰-۷۸

---

انسان اس کائنات کی وہ خاص مخلوق ہے جس کو استثنائی طور پر سننے اور دیکھنے اور سوچنے کی اعلیٰ صلاحیتیں دی گئی ہیں۔ یہ خصوصی صلاحیتیں یقیناً کسی خصوصی مقصد کے لئے ہیں۔ وہ مقصد یہ ہے کہ آدمی ان کو حقیقتِ حیات کی معرفت کے لئے استعمال کرے۔ وہ اپنے کان سے اس صداقت کی آواز کو سنے جس کا اعلان یہاں کیا جا رہا ہے۔ وہ اپنی آنکھ سے ان نشانیوں کو دیکھے جو اس کے چاروں طرف بکھری ہوئی ہیں۔ وہ اپنی سوچنے کی صلاحیت کو استعمال کرکے ان کی گہرائی تک پہنچے۔ یہی کان اور آنکھ اور دل کا شکر ہے۔ جو لوگ موجودہ دنیا میں اس شکر کا ثبوت نہ دیں وہ ان انعامات کا استحقاق ہمیشہ کے لئے کھو رہے ہیں۔

خدا کی جو صفات دنیا میں نمایاں ہو رہی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ زندہ کو مُردہ اور مُردہ کو زندہ کرتا ہے۔ یہ خدا بالآخر تمام مرے ہوئے لوگوں کو دوبارہ جمع کرے گا۔ پھر جس طرح وہ رات کو دن بناتا ہے اسی طرح وہ لوگوں کی نگاہوں سے غفلت کا پردہ ہٹا دے گا۔ اس کے بعد اشیاء کی حقیقت لوگوں پر ٹھیک ٹھیک منکشف ہو جائے گی۔

بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ۝۸۱ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا
لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝۸۲ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ
الْاَوَّلِیْنَ ۝۸۳

بلکہ انھوں نے وہی بات کہی جو اگلوں نے کہی تھی۔ انھوں نے کہا کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ اس کا وعدہ ہم کو اور اس سے پہلے ہمارے باپ دادا کو بھی دیا گیا۔ یہ محض

اگلوں کے افسانے ہیں۔ ۸۳-۸۱

انسان کو عقل دی گئی ہے۔ عقل کے اندر یہ صلاحیت ہے کہ وہ معاملات کی گہرائی میں داخل ہو اور اصل حقیقت کو دریافت کرکے اس کو سمجھ سکے۔ مگر بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ انسان حقیقی معنوں میں اپنی عقل کو استعمال کرے۔ وہ بس ظاہری تاثر کے تحت ایک رائے قائم کرلیتا ہے اور اس کو دہرانے لگتا ہے۔ ماضی کے لوگ بھی ایسا کرتے رہے اور حال کے لوگ بھی یہی کر رہے ہیں۔

موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کا شعوری یا لفظی انکار کرنے والے بہت کم ہوتے ہیں۔ زیادہ تر لوگوں کو اس عقیدہ کا عملی منکر کہا جاسکتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو رسمی طور پر زندگی بعد موت کو مانتے ہوئے عملاً ایسی زندگی گزارتے ہیں جیسے کہ انھیں اس پر یقین نہ ہو کہ مرنے کے بعد وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ اور جس طرح آج وہ ہوش وحواس کے ساتھ زندہ ہیں، اسی طرح دوبارہ ہوش وحواس کے ساتھ زندہ ہو کر خدا کے سامنے پیش ہوں گے۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝

کہو کہ زمین اور جو کوئی اس میں ہے یہ کس کا ہے، اگر تم جانتے ہو۔ وہ کہیں گے کہ اللہ کا ہے۔ کہو کہ پھر تم سوچتے نہیں۔ کہو کہ کون مالک ہے سات آسمانوں کا اور کون مالک ہے عرش عظیم کا۔ وہ کہیں گے کہ سب اللہ کا ہے۔ کہو، پھر کیا تم ڈرتے نہیں۔ کہو کہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا، اگر تم جانتے ہو۔ وہ کہیں گے کہ یہ اللہ کے لئے ہے۔ کہو کہ پھر کہاں سے تم مسحور کئے جاتے ہو۔ ۸۹-۸۴

ان آیات میں اس تضاد فکر کا تذکرہ ہے جس میں ہر دور کے بیشتر لوگ مبتلا رہے ہیں۔ خواہ وہ مشرک

ہوں یا غیر مشرک۔ بظاہر خدا کو ایک ماننے والے ہوں یا کئی ماننے والے۔

بیشتر لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ اس بات کو مانتے ہیں کہ زمین وآسمان کا خالق ایک اللہ ہے۔ وہی اس کا مالک ہے۔ وہی اس کو چلا رہا ہے۔ تمام برتر اختیارات اسی کو حاصل ہیں۔ مگر اس ماننے کا جو لازمی تقاضا ہے اس کا کوئی اثر ان کی زندگیوں میں نہیں پایا جاتا۔

اس عظیم اقرار کا تقاضا ہے کہ وہی ان کی سوچ بن جائے۔ خدا کا احساس ان کے اندر خوف بن کر داخل ہوجائے۔ ان کے اندر یہ مادہ پیدا ہو کہ ان کے سامنے حق آئے تو وہ فوراً اس کا اعتراف کرلیں۔ ان کی زندگی پوری کی پوری اسی میں ڈھل جائے۔ مگر یہ سب کچھ نہیں ہوتا۔ وہ اگرچہ عقیدہ کے طور پر خدا کو مانتے ہیں مگر ان کا عقیدہ خدا الگ رہتا ہے اور ان کی حقیقی زندگی الگ۔

خدا کا تصور انسان کو مسحور نہیں کرتا۔ البتہ دوسری دوسری چیزیں اس کی نظر میں اتنی اہم بن جاتی ہیں جن سے وہ مسحور ہو کر رہ جائے۔ کیسا عجیب ہے انسان کا معاملہ۔

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۹۰ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ
مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ
سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝۹۱ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا
يُشْرِكُوْنَ ۝۹۲ ع ۵

بلکہ ہم ان کے پاس حق لائے ہیں اور بے شک وہ جھوٹے ہیں۔ اللہ نے کوئی بیٹا نہیں بنایا اور اس کے ساتھ کوئی اور معبود نہیں۔ ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہوجاتا۔ اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا۔ اللہ پاک ہے اس سے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ وہ کھلے اور چھپے کا جاننے والا ہے۔ وہ بہت اوپر ہے اس سے جس کو یہ شریک بتاتے ہیں۔ ۹۲ - ۹۰

---

اقتدار کی یہ فطرت ہے کہ وہ تقسیم کو گوارا نہیں کرتا۔ انسانوں میں جب بھی کئی صاحب اقتدار ہوں تو وہ آپس میں ایک دوسرے کو زیر کرنے یا نیچا دکھانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ جو قومیں مختلف دیوتاؤں کو مانتی ہیں ان کی میتھالوجی میں کثرت سے دکھایا گیا ہے کہ ایک دیوتا اور دوسرے دیوتا میں لڑائیاں جاری ہیں۔

کائنات میں اس صورت حال کی موجودگی کہ اس کے ایک حصہ اور اس کے دوسرے حصہ میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہر حصہ کا خدا ایک ہی ہے۔ اگر ہر حصہ کے الگ الگ خدا ہوتے تو ہر حصہ کا خدا اپنے حصہ کو لے کر الگ ہو جاتا اور اس کے نتیجہ میں کائنات کے مختلف حصوں کی موجودہ ہم آہنگی باقی نہ رہتی۔ مختلف خداؤں کی کشاکش میں کائنات کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

ایسی حالت میں توحید کا نظریہ سراپا سچائی ہے اور شرک کا نظریہ سراپا جھوٹ۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾

کہو کہ اے میرے رب، اگر تو مجھ کو وہ دکھا دے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ تو اے میرے رب مجھ کو ظالم لوگوں میں شامل نہ کر۔ اور بے شک ہم قادر ہیں کہ ہم ان سے جو وعدہ کر رہے ہیں وہ تم کو دکھا دیں۔

۹۳-۹۵

---

پیغمبر کی اس دعا کا تعلق خود پیغمبر کے دل کی کیفیت سے ہے نہ کہ خدا کے عذاب سے۔ پیغمبر کی یہ دعا بتاتی ہے کہ مومن ہر حال میں خدا سے ڈرنے والا انسان ہوتا ہے۔ خدا کا عذاب جب دوسروں کے لئے آ رہا ہو اس وقت بھی مومن کا دل کانپ اٹھتا ہے۔ وہ عاجزی کے ساتھ خدا کو پکارنے لگتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ انسان صرف خدا کی عنایت سے بچ سکتا ہے نہ کہ اپنے کسی عمل یا اپنی کسی طاقت سے۔

پیغمبر کے منکرین پر خدا کا فیصلہ کبھی پیغمبر کی زندگی میں آتا ہے اور کبھی پیغمبر کی وفات کے بعد۔ آیت کا آخری ٹکڑا بتاتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے منکرین پر خدا کا یہ فیصلہ آپ کی زندگی ہی میں آیا۔ آپ کے دشمن آپ کی زندگی ہی میں پامال کر دئے گئے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾

تم برائی کو اس طریقے سے دفع کرو جو بہتر ہو۔ ہم خوب جانتے ہیں جو یہ لوگ کہتے ہیں۔ اور کہو کہ اے میرے رب میں پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کے وسوسوں سے۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔ ۹۸-۹۶

خدا کا داعی جب لوگوں کو حق کی طرف بلاتا ہے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگ اس کے دشمن بن جاتے ہیں۔ وہ اس کے خلاف جھوٹے پروپگنڈے کرتے ہیں۔ وہ اس کو اپنے شر کا نشانہ بناتے ہیں۔ اس وقت داعی کے اندر بھی جوابی ذہن ابھرتا ہے۔ اس کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ جن لوگوں نے تمہارے ساتھ برا سلوک کیا ہے تم بھی ان کے ساتھ برا سلوک کرو۔ اگر تم خاموش رہے تو ان کے حوصلے بڑھیں گے اور وہ مزید مخالفانہ کارروائی کرنے کے لیے دلیر ہو جائیں گے۔

مگر اس قسم کے خیالات شیطان کا وسوسہ ہیں۔ شیطان اس نازک موقع پر آدمی کو بہکاتا ہے تاکہ اس کو راہ سے بے راہ کر دے۔ ایسے موقع پر داعی اور مومن کو چاہئے کہ وہ شیطانی بہکاووں کے مقابلہ میں خدا کی پناہ مانگے۔ نہ کہ شیطانی بہکاووں کو مان کر اپنے مخالفین کے خلاف انتقامی کارروائیاں کرنے لگے۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَاۗىِٕلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَاۗءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ اے میرے رب، مجھ کو واپس بھیج دے۔ تاکہ جس کو میں چھوڑ آیا ہوں اس میں کچھ نیکی کماؤں۔ ہرگز نہیں، یہ ایک بات ہے کہ وہی وہ کہتا ہے۔ اور ان کے آگے ایک پردہ ہے اس دن تک کے لئے جب کہ وہ اٹھائے جائیں گے۔ پھر جب صور پھونکا جائے گا تو پھر ان کے درمیان نہ کوئی رشتہ رہے گا اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔ پس جن کے پلے بھاری ہوں گے وہی لوگ کامیاب ہوں گے۔ اور جن کے پلے ہلکے ہوں گے تو یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈالا، وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان کے چہروں کو آگ جھلس دے گی اور وہ اس میں بدشکل ہو رہے ہوں گے۔ ۹۹ - ۱۰۴

---

موت آتے ہی آدمی موجودہ دنیا سے جدا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کے اور موجودہ دنیا کے

درمیان ایک ایسی آڑ قائم ہوجاتی ہے کہ وہ کبھی ادھر واپس نہ ہوسکے۔

آدمی جب موت کے بعد اگلی دنیا میں داخل ہوتا ہے تو اچانک اس کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ اب وہ جان لیتا ہے کہ جس آخرت کو وہ نظر انداز کئے ہوئے تھا وہی دراصل زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ دنیا کے سامان تو صرف اس لئے تھے کہ اس سے آخرت کی کمائی کی جائے نہ یہ کہ بذات خود انھیں کو اصل مقصود سمجھ لیا جائے۔ چنانچہ موت کے بعد وہ بے اختیار چاہے گا کہ کاش وہ دوبارہ دنیا میں لوٹا دیا جائے۔ مگر ایسا ہونا ممکن نہیں کیونکہ خدا کا قانون یہ ہے کہ کسی آدمی کو صرف ایک بار موقع دیا جائے، دوبار نہیں۔

موجودہ دنیا میں آدمی اپنے ساتھیوں اور رشتہ داروں پر بھروسہ کرتا ہے۔ مگر قیامت میں وہ بالکل تنہا ہوگا۔ وہاں آدمی کا ذاتی عمل اس کے کام آئے گا، اس کے سوا کوئی چیز کسی کے کام آنے والی نہیں۔

أَلَمْ تَكُنْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿١٠٥﴾ قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ ﴿١٠٦﴾ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ ﴿١٠٧﴾ قَالَ اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ ﴿١٠٨﴾

کیا تم کو میری آیتیں پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں تو تم ان کو جھٹلاتے تھے۔ وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہماری بدبختی نے ہم کو گھیر لیا تھا اور ہم گمراہ لوگ تھے۔ اے ہمارے رب ہم کو اس سے نکال لے، پھر اگر ہم دوبارہ ایسا کریں تو بے شک ہم ظالم ہیں۔ خدا کہے گا کہ دور ہو، اسی میں پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔ ۱۰۸-۱۰۵

---

آخرت کے مناظر آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد کسی کو یہ موقع نہیں دیا جائے گا کہ وہ دوبارہ موجودہ دنیا میں آکر رہے اور صحیح عمل کا ثبوت دے۔ کیونکہ دنیا کی زندگی کا مقصد امتحان ہے، اس بات کا امتحان کہ آدمی دیکھے بغیر جھکتا ہے یا نہیں۔ جب آخرت کا مشاہدہ کرا دیا جائے تو اس کے بعد نہ جھکنے کی کوئی قیمت ہے اور نہ واپس بھیجنے کا کوئی امکان۔

آدمی کا امتحان دیکھ کر ماننے میں نہیں ہے بلکہ سوچ کر ماننے میں ہے۔ طالب علم کی جانچ پرچہ آوٹ ہونے سے پہلے کی جاتی ہے۔ جب پرچہ آوٹ ہو کر اخباروں میں چھپ چکا ہو اس کے بعد کسی طالب علم کی جانچ کرنے کا کوئی سوال نہیں۔

إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ

الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

میرے بندوں میں ایک گروہ تھا جو کہتا تھا کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے، پس تو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو بہترین رحم فرمانے والا ہے۔ پس تم نے ان کو مذاق بنالیا۔ یہاں تک کہ ان کے پیچھے تم نے ہماری یاد بھلادی اور تم ان پر ہنستے رہے۔ میں نے ان کو آج ان کے صبر کا بدلہ دیا کہ وہی ہیں کامیاب ہونے والے۔ ۱۱۱ - ۱۰۹

---

دنیا کی زندگی میں جب کہ ابھی آخرت کے حقائق آنکھوں کے سامنے نہیں آئے تھے۔ اس وقت خدا کے کچھ بندوں نے خدا کو اس کے جلال وکمال کے ساتھ پہچانا۔ ان کے سامنے حق کی دعوت مجرد دلائل کی سطح پر آئی۔ اس کے باوجود انھوں نے اس پر یقین کیا۔ وہ اس کے بارہ میں اس حد تک سنجیدہ ہوئے کہ اسی کو اپنی کامیابی اور ناکامی کا معیار بنالیا۔ ایک اجنبی حق کے ساتھ اپنی کامل وابستگی کی انھیں یہ قیمت دینی پڑی کہ ماحول میں وہ مذاق کا موضوع بن گئے۔ اس کے باوجود انھوں نے اس سے اپنی وابستگی کو ختم نہیں کیا۔

یہ فکری استقامت ہی سب سے بڑا صبر ہے اور آخرت کا انعام آدمی کو اسی صبر کی قیمت میں ملتا ہے۔ وہی لوگ دراصل کامیاب ہیں جو موجودہ امتحان کی دنیا میں اس صبر کا ثبوت دے سکیں۔

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

ارشاد ہوگا کہ برسوں کے شمار سے تم کتنی دیر زمین میں رہے۔ وہ کہیں گے ہم ایک دن رہے یا ایک دن سے بھی کم۔ تو گنتی والوں سے پوچھ لیجئے۔ ارشاد ہوگا کہ تم تھوڑی ہی مدت رہے۔ کاش تم جانتے ہوتے۔
۱۱۴ - ۱۱۲

---

عیش وہی ہے جو ابدی ہو۔ جو عیش ابدی نہ ہو وہ جب ختم ہوتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بس ایک لمحہ تھا جو آیا اور گزر گیا۔

دنیا کی زندگی میں آدمی اس حقیقت کو بھولا رہتا ہے۔ مگر آخرت میں یہ حقیقت اس پر آخری حد تک کھل جائے گی۔ اس وقت وہ جانے گا۔ مگر اس وقت جاننے کا کوئی فائدہ نہیں۔

دنیا میں آدمی کے سامنے حق آتا ہے مگر وہ اپنے سکون کو برہم کرنا نہیں چاہتا اس لئے وہ اس کو قبول نہیں

کرتا۔ وہ ملنے والے فائدے کی خاطر ملے ہوئے فائدہ کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ یہاں کی عزت، یہاں کا آرام، یہاں کی مصلحتیں اس کو اتنی قیمتی معلوم ہوتی ہیں کہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کس طرح ایسا کرے کہ "چیز" کو نظر انداز کرکے اپنے آپ کو "بے چیز" سے وابستہ کرلے۔ حالانکہ جب عمر کی مہلت پوری ہوگی تو سو سال بھی ایسا معلوم ہوگا جیسے کہ وہ بس ایک دن تھا جو آیا اور ختم ہوگیا۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ﴿١١٥﴾ فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ﴿١١٦﴾ وَمَن يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِندَ رَبِّهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ﴿١١٧﴾ وَقُل رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ﴿١١٨﴾ ع

پس کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم ہمارے پاس نہیں لائے جاؤ گے۔ پس بہت برتر ہے اللہ، بادشاہ حقیقی، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ مالک ہے عرش عظیم کا۔ اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے، جس کے حق میں اس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے بے شک منکروں کو فلاح نہ ہوگی۔ اور کہو کہ اے میرے رب، مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما، تو بہترین رحم فرمانے والا ہے۔ ۱۱۸-۱۱۵

---

انسانوں میں دو قسم کے انسان ہیں۔ کوئی انسان با اصول زندگی گزارتا ہے اور کوئی بے اصول۔ کوئی ان دیکھی صداقت کے لئے اپنے آپ کو قربان کر دیتا ہے اور کوئی صرف دکھائی دینے والی چیزوں میں مشغول رہتا ہے۔ کوئی حق کی دعوت کو اس کی ساری اجنبیت کے باوجود قبول کرتا ہے۔ اور کوئی اس کو نظر انداز کر دیتا ہے اور اس کا مذاق اڑاتا ہے۔ کوئی اپنے آپ کو ظلم سے روکتا ہے، صرف اس لئے کہ خدا نے اس کو ایسا کرنے سے منع کیا ہے۔ کوئی موقع پاتے ہی دوسروں کے لئے ظالم بن جاتا ہے، کیوں کہ اس کا نفس اس سے ایسا ہی کرنے کے لئے کہہ رہا ہے۔

اگر اس دنیا کا کوئی انجام نہ ہو، اگر وہ اسی طرح چلتی رہے اور اسی طرح بالآخر اس کا خاتمہ ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک بے مقصد ہنگامہ کے سوا اور کچھ نہ تھی۔ مگر کائنات کی معنویت اس قسم کے بے معنیٰ نظریہ کی تردید کرتی ہے۔ کائنات کا اعلیٰ نظام اس سے انکار کرتا ہے کہ اس کا خالق ایک غیر سنجیدہ ہستی ہو۔

کائنات اپنے وسیع نظام کے ساتھ جس خالق کا تعارف کرا رہی ہے وہ ایک ایسا خالق ہے جو اپنی ذات میں آخری حد تک کامل ہے۔ ایسے خالق کے بارے میں ناقابل قیاس ہے کہ وہ دو مختلف قسم کے انسانوں کا یکساں انجام ہوتے ہوئے دیکھے اور اس کو گوارہ کرلے۔ یہ سراسر ناممکن ہے۔ یقیناً ایسا ہونے والا ہے کہ مالک کائنات ایک طبقہ کو بے قیمت کر دے جس طرح انھوں نے حق کو بے قیمت کیا اور دوسرے طبقہ کی قدر دانی کرے جس طرح انھوں نے حق کی قدر دانی کی۔

سورۃ النور مدنیۃ وھی اربع وستون آیۃ وتسع رکوعات بسم اللہ الرحمن الرحیم

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ① اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ② اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۘ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ③

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

یہ ایک سورہ ہے جس کو ہم نے اتارا ہے اور اس کو ہم نے فرض کیا ہے۔ اور اس میں ہم نے صاف صاف آیتیں اتاری ہیں۔ زانی عورت اور زانی مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ اور تم کو ان دونوں پر اللہ کے دین کے معاملہ میں رحم نہ آنا چاہئے۔ اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ اور چاہئے کہ دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کا ایک گروہ موجود رہے۔ زانی نکاح نہ کرے مگر زانیہ کے ساتھ یا مشرکہ کے ساتھ۔ اور زانیہ کے ساتھ نکاح نہ کرے مگر زانی یا مشرک۔ اور یہ حرام کر دیا گیا اہل ایمان پر۔ ۳-۱

---

سورہ نور غزوۂ بنی المصطلق کے بعد ۶ھ میں نازل ہوئی۔ اس غزوہ میں ایک معمولی واقعہ پیش آیا۔ اس کو شوشہ بنا کر مدینہ کے منافقین نے حضرت عائشہ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرنا شروع کیا۔ اس سورۃ میں ایک طرف حضرت عائشہ کی کامل برأت کر دی گئی اور دوسری طرف وہ خاص

احکام دئے گئے جو معاشرہ میں اس قسم کی صورت حال پیش آنے کے بعد نافذ کئے جانے چاہئیں۔

اسلامی قانون میں زنا بے حد سنگین جرم ہے۔ تاہم اسلامی قانون دو قسم کے انسانوں میں فرق کرتا ہے۔ ایک وہ جس کے لئے جائز صنفی تعلق کے مواقع موجود ہوں اس کے باوجود وہ ناجائز صنفی تعلق قائم کرے۔ دوسرا وہ جس کو ابھی جائز صنفی تعلق کے مواقع حاصل نہ ہوئے ہوں۔

" زانی اور زانیہ کو سو کوڑے مارو " یہ زنا قبل احصان کی سزا ہے۔ یعنی اس زانی یا زانیہ کی جو نکاح کئے ہوئے نہ ہوں۔ اس کے مقابلہ میں زنا بعد احصان (شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کا ارتکاب) کی سزا رجم ہے۔ یعنی مجرم کو پتھر مار کر ہلاک کر دینا۔ رجم کا حکم قرآن (المائدہ ۴۳) میں اشارۃً اور حدیث میں صراحۃً موجود ہے۔

عوام کے سامنے سزا دینا دراصل سزا میں عبرت کا پہلو شامل کرنا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ حال کے مجرم کا انجام دیکھ کر مستقبل کے مجرم ڈر جائیں اور اس قسم کا جرم کرنے سے باز رہیں۔

زانی اور زانیہ اگر سزا کے بعد توبہ اور اصلاح کر لیں تو وہ دوبارہ عام مسلمانوں کی طرح ہو جائیں گے۔ لیکن اگر وہ توبہ اور اصلاح نہ کریں تو اس کے بعد وہ اس قابل نہیں رہتے کہ اسلامی معاشرہ میں وہ رشتہ اور تعلق کے لئے قبول کئے جا سکیں۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر عیب لگائیں، پھر چار گواہ نہ لے آئیں ان کو اسّی کوڑے مارو اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو۔ یہی لوگ نافرمان ہیں۔ لیکن جو لوگ اس کے بعد توبہ کریں اور اصلاح کر لیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ۴-۵

زنا کو شدید جرم قرار دینے کا فطری تقاضا یہ ہے کہ کسی غیر زانی پر زنا کا الزام لگانا بھی شدید جرم ہو۔ چنانچہ یہ حکم دیا گیا کہ جو شخص کسی پر زنا کا الزام لگائے اور پھر اس کو شرعی قاعدہ کے مطابق ثابت نہ کر سکے، اس کو اسّی کوڑے مارے جائیں۔ مزید یہ کہ ایسے شخص کو ہمیشہ کے لئے مردود الشہادت قرار دے دیا جائے۔ حتیٰ کہ احناف کے نزدیک توبہ کے بعد بھی اس کی گواہی معاملات میں قبول نہیں کی جائے گی۔

کسی شخص پر جھوٹا الزام لگانا اس کو اخلاقی طور پر قتل کرنے کی کوشش ہے۔ ایسے جرم پر اسلام میں سخت سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔ اور اگر کوئی شخص دنیا میں سزا پانے سے بچ جائے تب بھی وہ آخرت کی سزا سے بہر حال نہیں بچ سکتا۔ اِلّا یہ کہ وہ توبہ کرے اور اللہ سے معافی کا طلب گار ہو۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ
اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝٦ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ
عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝٧ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ
شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝٨ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ
اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝٩ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ
ع ۱۰ ۸ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝١٠

اور جو لوگ اپنی بیویوں پر عیب لگائیں اور ان کے پاس ان کے اپنے سوا اور گواہ نہ ہوں تو ایسے شخص کی گواہی کی صورت یہ ہے کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک وہ سچا ہے۔ اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹا ہو۔ اور عورت سے سزا اس طرح ٹل جائے گی کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ یہ شخص جھوٹا ہے۔ اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر یہ شخص سچا ہو۔ اور اگر تم لوگوں پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا حکمت والا ہے ـ ۱۰-۶

---

اس سلسلہ میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر بدچلنی کا الزام لگائے اور اس کے پاس خود اپنے بیان کے سوا کوئی عینی گواہ موجود نہ ہو تو اس کا فیصلہ کس طرح ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ اس صورت میں معاملہ کا فیصلہ قسم کے ذریعہ کیا جائے گا جس کو شرعی اصطلاح میں لعان کہا جاتا ہے۔

اگر مرد مقررہ طریقہ پر قسم کھالے اور عورت خاموش رہے تو مرد کے بیان کو مان کر عورت کے اوپر مذکورہ سزا نافذ کر دی جائے گی۔ اور اگر ایسا ہو کہ عورت بھی مذکورہ طریقہ پر قسم کھا کر کہے کہ وہ بے قصور ہے تو پھر اس کو سزا نہیں دی جائے گی۔ البتہ اس کے بعد دونوں کے درمیان تفریق کرادی جائے گی۔

معاشرت کے معاملات بے حد پیچیدہ ہوتے ہیں۔ ان معاملات میں انسان جب قانون سازی

کرتا ہے تو وہ ایک پہلو کی طرف جھک کر دوسرے پہلو کو مجروح کر دیتا ہے۔ خدا کے قانون میں تمام پہلوؤں کی کامل رعایت ہے۔ اس اعتبار سے خدا کا قانون انسان کے لئے بہت بڑی رحمت ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ مَا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾

جن لوگوں نے یہ طوفان برپا کیا وہ تمہارے اندر ہی کی ایک جماعت ہے۔ تم اس کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو بلکہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ ان میں سے ہر آدمی کے لئے وہ ہے جتنا اس نے گناہ کمایا۔ اور جس نے اس میں سب سے بڑا حصہ لیا اس کے لئے بڑا عذاب ہے۔ ۱۱

---

داعی اگر واقعۃً سچائی پر ہے تو اس کے خلاف جھوٹے پروپگنڈے ہمیشہ اس کے حق میں مفید ثابت ہوتے ہیں کیونکہ جھوٹے پروپگنڈوں کی حقیقت آخر کار کھل کر رہتی ہے۔ اور جب حقیقت کھلتی ہے تو ایک طرف داعی کا برسر حق ہونا اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ اور جو لوگ اس کے بارہ میں مذبذب تھے وہ اس کے بعد یقین کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ وہ عملاً دیکھ لیتے ہیں کہ داعی حق کے مخالفین کے پاس جھوٹے الزام اور بے بنیاد اتہام کے سوا اور کچھ نہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ کے خلاف الزام میں سب سے بڑا حصہ لینے والا مشہور منافق عبد اللہ بن ابی تھا۔ اس کے لئے قرآن میں سخت اخروی عذاب کا اعلان کیا گیا۔ مگر دنیا میں اس کو کوئی سزا نہیں دی گئی، یہاں تک کہ وہ اپنی طبعی موت مر گیا۔ واقعہ کے بعد حضرت عمر نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اس شخص کو قتل کر دیا جائے۔ آپ نے فرمایا: اے عمر، کیا ہوگا جب لوگ کہیں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں (فکیف یا عمر اذا تحدث الناس ان محمداً یقتل اصحابہ) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات حکمت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ بڑے بڑے مجرمین کو بھی دنیا میں سزا نہ دی جائے بلکہ ان کے معاملہ کو آخرت کے اوپر چھوڑ دیا جائے۔

لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَذَا إِفْكٌ مُبِينٌ ﴿١٢﴾ لَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ

فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾

جب تم لوگوں نے اس کو سنا تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے ایک دوسرے کی بابت نیک گمان کیوں نہ کیا اور کیوں نہ کہا کہ یہ کھلا ہوا بہتان ہے۔ یہ لوگ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے۔ پس جب وہ گواہ نہیں لائے تو اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔ ۱۲ - ۱۳

---

ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا یہ حق ہے کہ وہ اس کے بارہ میں ہمیشہ نیک گمان کرے۔ دوسرے کے بارہ میں بدگمانی کرنا خود اپنی بدنفسی کا ثبوت ہے۔ اور دوسرے کے بارہ میں نیک گمان کرنا اپنی نیک نفسی کا ثبوت۔

صحیح طریقہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی شخص کسی کے بارہ میں بری خبر دے تو فوراً اس سے ثبوت کا مطالبہ کیا جائے۔ جو شخص سنے وہ محض سن کر اس کو دہرانے نہ لگے بلکہ وہ خبر دینے والے سے کہے کہ اگر تم سچے ہو تو شریعت کے مطابق گواہ لے آؤ۔ اگر وہ گواہ لے آئے تو اس کی بات قابل لحاظ ہو سکتی ہے۔ اور اگر وہ اپنی بات کے حق میں گواہ نہ لائے تو وہ خود سب سے بڑا مجرم ہے۔ کیونکہ کسی شخص کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ وہ بلا ثبوت کسی کے اوپر عیب لگانے لگے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾

اور اگر تم لوگوں پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے اس کے باعث تم پر کوئی بڑی آفت آجاتی۔ جب کہ تم اس کو اپنی زبانوں سے نقل کر رہے تھے۔ اور اپنے منہ سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کا تمہیں کوئی علم نہ تھا۔ اور تم اس کو ایک معمولی بات سمجھ رہے تھے۔ حالانکہ وہ اللہ کے

نزدیک بہت بھاری بات ہے۔ اور جب تم نے اس کو سنا تو یوں کیوں نہ کہا کہ ہم کو زیبا نہیں کہ ہم ایسی بات منھ سے نکالیں۔ معاذ اللہ، یہ بہت بڑا بہتان ہے۔ اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی ایسا نہ کرنا اگر تم مومن ہو۔ اللہ تم سے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے۔ اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ ۱۸-۱۴

---

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت حق کے داعی کی تھی۔ داعی حق کا معاملہ بے حد نازک معاملہ ہوتا ہے۔ کردار کی ایک غلطی اس کے پورے مشن کو ڈھا دینے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں جن لوگوں نے یہ کیا کہ ایک اسلامی خاتون کے بارہ میں ایک بے بنیاد بات سن کر اس کو ادھر ادھر بیان کرنے لگے، انھوں نے سخت غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی خصوصی مدد سے اس الزام کی بروقت تردید نہ ہوگئی ہوتی تو یہ غلطی اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچانے کا سبب بن جاتی۔ اس کے نتیجے میں پورا اسلامی معاشرہ بدگمانیوں کا شکار ہو جاتا۔ مسلمان دو گروہوں میں بٹ کر آپس میں لڑنے لگتے۔ جس گروہ کے لئے خدا کا منصوبہ یہ تھا کہ اس کے ذریعہ سے شرک کا عالمی غلبہ ختم کیا جائے وہ آپس کی جنگ میں خود اپنے آپ کو ختم کر لیتا۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٩﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٠﴾

النصف ع ۸

بے شک جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی کا چرچا ہو ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک سزا ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی، اور یہ کہ اللہ نرمی کرنے والا رحمت کرنے والا ہے۔ ۲۰-۱۹

---

اس آیت میں "فاحشہ" کی اشاعت سے مراد اسی چیز کی اشاعت ہے جس کو اوپر آیت نمبر ۱۱ میں اِفک کہا گیا ہے۔ یعنی کسی کے خلاف بے بنیاد الزام وضع کرنا اور اس کو لوگوں کے اندر پھیلانا۔

بات کہنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی صرف وہ بات اپنے منھ سے نکالے جس کے حق میں اس کے پاس فی الواقع کوئی مضبوط دلیل ہو، جو شرعی طور پر ثابت کی جاسکے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی حقیقی بنیاد کے بغیر خود اپنے ذہن سے بات گھڑنا اور اس کو لوگوں سے بیان کرنا۔ پہلا طریقہ جائز طریقہ ہے۔ اور دوسرا طریقہ سراسر ناجائز طریقہ۔

عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ اپنے مخالف کے بارے میں کوئی بات ہو تو آدمی اس کی زیادہ تحقیق کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ وہ بلا بحث اس کو مان لیتا ہے اور دوسروں سے اس کو بیان کرنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ نہ صرف غیر ذمہ دارانہ فعل ہے بلکہ وہ بہت بڑا جرم ہے۔ وہ دنیا میں بھی قابل سزا ہے اور آخرت میں بھی۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَتَّبِعُواْ خُطُوَٰتِ ٱلشَّيْطَٰنِ ۚ وَمَن يَتَّبِعْ خُطُوَٰتِ ٱلشَّيْطَٰنِ فَإِنَّهُۥ يَأْمُرُ بِٱلْفَحْشَآءِ وَٱلْمُنكَرِ ۚ وَلَوْلَا فَضْلُ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُۥ مَا زَكَىٰ مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يُزَكِّى مَن يَشَآءُ ۗ وَٱللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢١﴾

اے ایمان والو، تم شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔ اور جو شخص شیطان کے قدموں پر چلے گا تو وہ اس کو بے حیائی اور بدی ہی کا کام کرنے کو کہے گا۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی شخص پاک نہ ہو سکتا۔ لیکن اللہ ہی جسے چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ ۲۱

---

شیطان کے قدموں پر چلنا یہ ہے کہ آدمی شیطانی وسوسوں کی پیروی کرنے لگے۔ ایک بے بنیاد بات پر جب کسی کے اندر بدگمانی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں تو یہ ایک شیطانی وسوسہ ہوتا ہے۔ اپنے مخالف کے بارے میں جب آدمی کے اندر منفی خیالات ابھرتے ہیں تو یہ بھی دراصل شیطان ہوتا ہے جو اس کے دل میں رینگتا ہے۔ ایسے جذبات اور خیالات جب کسی کے اندر پیدا ہوں تو اس کو چاہئے کہ وہ اندر ہی اندر ان کو کچل دے، نہ یہ کہ وہ ان کی پیروی کرنے لگے۔ ایسے احساسات کی پیروی کرنا براہ راست شیطان کی پیروی کرنا ہے۔

دوسروں کے خلاف طوفان اٹھانا ایک ایسا عمل ہے جو تواضع کے خلاف ہے۔ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے بارے میں ضرورت سے زیادہ خوش گمان ہوتا ہے۔ اور دوسرے کے بارے میں ضرورت سے زیادہ بدگمان۔ یہ دونوں ہی باتیں ایسی ہیں جو ایمان کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتیں۔ اگر آدمی کے اندر ایمانی تواضع پیدا ہو جائے تو وہ اپنے احتساب میں اتنا زیادہ مشغول ہوگا کہ اس کو فرصت ہی نہ ہوگی کہ وہ دوسرے کے احتساب کا جھوٹا جھنڈا اٹھائے۔

وَلَا يَأْتَلِ أُوْلُواْ ٱلْفَضْلِ مِنكُمْ وَٱلسَّعَةِ أَن يُؤْتُوٓاْ أُوْلِى ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْمَسَٰكِينَ وَٱلْمُهَٰجِرِينَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُواْ وَلْيَصْفَحُوٓاْ ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ ٱللَّهُ لَكُمْ

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾

اور تم میں سے جو لوگ فضل والے اور وسعت والے ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور مسکینوں اور خدا کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہ دیں گے۔ اور چاہئے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے۔ اور اللہ بخشنے والا، مہربان ہے۔ ۲۲

---

حضرت عائشہ کے خلاف طوفان اٹھانے والوں میں ایک صاحب مسطح بن اُثاثہ تھے۔ وہ ایک مفلس مہاجر تھے اور حضرت ابوبکر کے دور کے رشتہ دار تھے۔ حضرت ابوبکر اعانت کے طور پر ان کو کچھ رقم دیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ ابوبکر کی صاحبزادی تھیں۔ قدرتی طور پر حضرت ابوبکر کو مسطح بن اثاثہ کے عمل سے تکلیف ہوئی۔ آپ نے قسم کھائی کہ وہ آئندہ مسطح کی کوئی مدد نہ کریں گے۔

اسلام میں محتاجوں کی مدد ان کی محتاجی کی بنیاد پر ہوتی ہے نہ کہ کسی اور بنیاد پر۔ چنانچہ قرآن میں یہ حکم اترا کہ تم میں سے جو لوگ صاحب مال ہیں وہ ذاتی شکایت کی بنا پر بے مال لوگوں کی امداد بند نہ کریں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا تم کو معاف کر دے۔ اگر تم اپنے لئے خدا سے معافی کے امیدوار ہو تو تمہیں بھی دوسروں کے بارے میں معافی کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ یہ آیت سن کر حضرت ابوبکر نے کہا: بلی واللہ انا نحبُّ ان تغفر لنا یا ربنا (ہاں خدا کی قسم ہم چاہتے ہیں اے ہمارے رب کہ تو ہم کو معاف کر دے) اور دوبارہ مسطح کی امداد جاری کر دی۔

مومن کی نظر میں سب سے زیادہ اہمیت خدا کے حکم کی ہوتی ہے۔ خدا کا حکم سامنے آتے ہی وہ فوراً جھک جاتا ہے، خواہ خدا کا حکم اس کی خواہش کے سراسر خلاف کیوں نہ ہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾

بے شک جو لوگ پاک دامن، بے خبر، ایمان والی عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی۔ اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ اس دن جب کہ ان کی زبانیں ان کے خلاف گواہی دیں گی اور ان کے

ہاتھ اور ان کے پاؤں بھی ان کاموں کی جو کہ یہ لوگ کرتے تھے۔ اس دن اللہ ان کو واجبی بدلہ پورا پورا دے گا۔ اور وہ جان لیں گے کہ اللہ ہی حق ہے، کھولنے والا ہے۔ ۲۵-۲۳

---

انسان اپنی زبان سے دوسروں کے خلاف برے الفاظ نکالتا ہے۔ مگر وہ نہیں جانتا کہ اس کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ دوسروں تک پہنچنے سے پہلے خدا تک پہنچ رہے ہیں۔ آدمی اپنے ہاتھ اور اپنے پاؤں کو دوسروں پر ظلم کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ مگر وہ اس سے بے خبر ہوتا ہے کہ قیامت جب آئے گی تو اس کے ہاتھ اور پاؤں اس کے ہاتھ اور پاؤں نہ رہیں گے بلکہ وہ خدا کے گواہ بن جائیں گے۔

یہی بے خبری تمام برائیوں کی اصل جڑ ہے۔ اگر آدمی کو اس حقیقت حال کا واقعی احساس ہو کہ وہ ایسی دنیا میں ہے جہاں وہ ہر آن خدا کی نگاہ میں ہے، جہاں اس کا ہر عمل خدائی نظام کے تحت ریکارڈ ہو رہا ہے تو اس کی زندگی بالکل بدل جائے۔ وہ ہر لفظ تول کر اپنی زبان سے نکالے۔ وہ اپنے ہاتھ اور پاؤں کی طاقت کو انتہائی احتیاط کے ساتھ استعمال کرے۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ
لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۗ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٦﴾ ع ۳ ۹

خبیثات خبیثوں کے لئے ہیں اور خبیث خبیثات کے لئے ہیں۔ اور طیبات طیبوں کے لئے ہیں اور طیب طیبات کے لئے۔ وہ لوگ بری ہیں ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں۔ ان کے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے۔ ۲۶

---

خبیثات سے مراد خبیث کلمات ہیں اور اسی طرح طیبات سے مراد طیب کلمات۔ مطلب یہ ہے کہ محض کسی کے برا کہنے سے کوئی شخص برا نہیں ہو جاتا۔ آدمی خود جیسا ہو ویسی ہی بات اس کے اوپر چسپاں ہوتی ہے۔ برے لوگ اگر اچھے لوگوں کے بارہ میں بری بات کہیں تو ایسی بات آخر کار خود کہنے والے پر پڑتی ہے اور اچھے لوگ اس سے پوری طرح بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔

جو لوگ اپنی ذات میں اچھے ہوں وہ دنیا میں بھی جھوٹے الزامات سے بری ہو کر رہتے ہیں۔ اور آخرت میں تو ان کا بری ہونا بالکل یقینی ہے۔ آخرت میں انھیں مزید اضافہ کے ساتھ خدا کے انعامات ملیں گے۔ کیونکہ ان کے خلاف ناحق باتیں دراصل اس بات کی قیمت تھیں کہ انھوں نے اپنے آپ کو ناحق سے کاٹا اور

اپنے آپ کو پوری طرح حق کے ساتھ وابستہ کیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى
اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٧﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا
فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿٢٨﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ
مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿٢٩﴾

اے ایمان والو تم اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت حاصل نہ کرلو اور گھر والوں کو سلام نہ کرلو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ تاکہ تم یاد رکھو۔ پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں داخل نہ ہو جب تک تم کو اجازت نہ دے دی جائے۔ اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ جاؤ۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں کہ تم ان گھروں میں داخل ہو جن میں کوئی نہ رہتا ہو۔ ان میں تمہارے فائدے کی کوئی چیز ہو۔ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔ ۲۹ - ۲۷

---

اجتماعی زندگی میں اکثر ملاقات کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اب ایک طریقہ یہ ہے کہ آدمی بلا اطلاع کسی کے یہاں پہنچے اور اچانک اس کے مکان کے اندر داخل ہو جائے۔ یہ طریقہ دونوں ہی کے لئے تکلیف کا باعث ہے۔ اس لئے پیشگی اجازت کو ملاقات کے آداب میں شامل کیا گیا۔

اگر ممکن ہو تو بہتر طریقہ یہ ہے کہ اپنے گھر سے روانہ ہونے سے پہلے صاحب ملاقات سے ربط قائم کیا جائے اور اس سے پیشگی طور پر ملاقات کا وقت مقرر کر لیا جائے۔ اور پھر جب آدمی اس کے مکان پر پہنچے تو اندر داخل ہونے سے پہلے اس کی باقاعدہ اجازت لے۔ تمدنی حالات کے لحاظ سے اس اجازت کے مختلف طریقے ہو سکتے ہیں۔ تاہم ہر طریقہ میں اسلامی شائستگی کی شرط موجود رہنا ضروری ہے۔

اسلام اجتماعی زندگی کے تمام معاملات کو اعلیٰ ظرفی کی بنیاد پر قائم کرنا چاہتا ہے۔ یہی اعلیٰ ظرفی ملاقات کے معاملہ میں بھی مطلوب ہے۔ اگر آپ کسی سے ملنے کے لئے اس کے گھر جائیں، اور صاحب خانہ کسی وجہ سے اس

وقت ملاقات سے معذرت کرے تو آپ کو خوش دلی کے ساتھ واپس آجانا چاہئے۔ تاہم وہ اجتماعی مقامات اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جہاں اصولاً لوگوں کے لئے داخلہ کی عام اجازت ہوتی ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝

مومن مردوں سے کہو وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لئے پاکیزہ ہے۔ بے شک اللہ باخبر ہے اس سے جو وہ کرتے ہیں۔ ۳۰

---

عورت اور مرد گھر میں اور معاشرہ میں کس طرح رہیں، اس سلسلہ میں یہاں دو اصولی ہدایتیں دی گئی ہیں۔ ایک ہے ستر کو ڈھانکنا۔ اور دوسرے نگاہ کو نیچی رکھنا۔

مرد کے جسم کا وہ حصہ جو اس کو ہر حال میں چھپائے رکھنا ہے وہ ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے۔ یہ ستر ہے اور اس کو اپنی بیوی کے سوا کسی اور کے سامنے کھولنا جائز نہیں۔ اِلّا یہ کہ اس نوعیت کی کوئی ضرورت پیش آجائے جب کہ حرام بھی حلال ہو جاتا ہے۔ مثلاً طبی معائنہ کے لئے۔

دوسری ضروری چیز یہ ہے کہ جب مرد اور عورت کا سامنا ہو تو مردوں کو چاہئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ مرد اور عورت کی ملاقات اس طرح بے تکلف انداز میں نہیں ہونی چاہئے جس طرح مرد اور مرد ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ مرد اور عورت کی ملاقات میں مرد کی نگاہیں نیچی رہنی چاہئیں۔ اگر اتفاقاً مرد کی نگاہ کسی اجنبی عورت پر پڑ جائے تو وہ فوراً اپنی نظر اس سے ہٹا لے۔ وہ بالقصد دوسری بار اس کی طرف نہ دیکھے۔

غض بصر اور حفاظت فرج کا جو حکم مردوں کے لئے ہے وہی حکم عورتوں کے لئے بھی ہے، جیسا کہ اگلی آیت (۳۱) سے واضح ہے۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰي جُيُوْبِهِنَّ ۠ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَاۗىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ

اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

اور مومن عورتوں سے کہو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔ مگر جو اس میں سے ظاہر ہو جائے اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہیں۔ اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر یا اپنی بہنوں کے بیٹوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنے مملوک پر یا زیر دست مردوں پر جو کچھ غرض نہیں رکھتے۔ یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کے پردے کی باتوں سے ابھی ناواقف ہوں۔ وہ اپنے پاؤں زور سے نہ ماریں کہ ان کی مخفی زینت معلوم ہو جائے اور اے ایمان والو، تم سب مل کر اللہ کی طرف رجوع کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ ۳۱

---

خواتین کے سلسلہ میں اسلام کے احکام دو پہلوؤں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک وہ جس کا عنوان ستر ہے اور دوسرے وہ جس کا عنوان حجاب ہے۔ ستر کا تعلق جسم کے پردہ سے ہے۔ یعنی عورت خواہ گھر کے اندر ہو یا گھر کے باہر، اس کو اپنے بدن کا کون سا حصہ، کس کے سامنے اور کن حالات میں کھلا رکھنا جائز ہے اور کب کھلا رکھنا جائز نہیں۔

حجاب کا تعلق باہر کے پردہ سے ہے۔ یعنی اس مسئلہ سے کہ شریعت نے عورت کو کن حالات میں گھر سے باہر نکلنے اور سفر کرنے کی اجازت دی ہے۔ ان آیات میں بنیادی طور پر ستر کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔ حجاب کا مسئلہ آگے سورہ احزاب میں ہے۔

"اے مومنو تم سب اللہ کی طرف رجوع کرو" یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ احکام شریعت کی تعمیل کے سلسلہ میں سب سے اہم چیز یہ ہے کہ دلوں کے اندر اس کی آمادگی ہو۔ صحابہ اور صحابیات اس معاملہ میں آخری معیاری درجہ پر تھے۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ خدا کی قسم میں نے خدا کی کتاب کی تصدیق اور اس کے احکام پر ایمان کے معاملہ میں انصار کی عورتوں سے بہتر کسی کو نہیں پایا۔ جب سورہ نور کی آیت (ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن) اتری تو ان کے مرد اپنے گھروں کی طرف لوٹے۔ انھوں نے اپنی عورتوں اور

لڑکیوں اور بہنوں کو وہ حکم سنایا جو خدا نے ان کے لئے اتارا تھا۔ پس انصار کی عورتوں میں سے ہر عورت فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ کسی نے اپنی کمر پٹی کھول کر اور کسی نے اپنی چادر لے کر اس کا دوپٹہ بنایا اور اس کو اوڑھ لیا۔ اگلے دن صبح کی نماز انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھی تو دوپٹہ کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ان کے سروں پر کوے ہوں (تفسیر ابن کثیر، جزء ثالث، صفحہ ۲۸۴)

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۗ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ
يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٣٢﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ
لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا
مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ
اٰتٰىكُمْ ۗ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا ۚ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ
اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٣٤﴾ ع ٨/١٠

اور تم میں جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دو۔ اور تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو نکاح کے لائق ہوں ان کا بھی۔ اگر وہ غریب ہوں گے تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ اور اللہ وسعت والا، جاننے والا ہے۔ اور جو نکاح کا موقع نہ پائیں ان کو چاہئے کہ وہ ضبط کریں یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے۔ اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتب ہونے کے طالب ہوں تو ان کو مکاتب بنا لو اگر تم ان میں صلاحیت پاؤ۔ اور ان کو اس مال میں سے دو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے۔ اور اپنی لونڈیوں کو پیشہ پر مجبور نہ کرو جب کہ وہ پاک دامن رہنا چاہتی ہوں، محض اس لئے کہ دنیوی زندگی کا کچھ فائدہ تم کو حاصل ہو جائے۔ اور جو شخص ان کو مجبور کرے گا تو اللہ اس جبر کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔ اور بے شک ہم نے تمہاری طرف روشن آیتیں اتاری ہیں اور ان لوگوں کی مثالیں بھی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور ڈرنے والوں کے لئے نصیحت بھی۔ ۳۲ - ۳۴

---

اسلام مرد اور عورت کے لئے شادی شدہ زندگی پسند کرتا ہے۔ کسی بھی عذر کی بنا پر نکاح

سے رکنا اسلام میں درست نہیں۔ کچھ لوگ کسی ذاتی سبب سے غیر شادی شدہ رہ جائیں تو اس وقت اسلام پورے معاشرہ میں یہ روح دیکھنا چاہتا ہے کہ تمام لوگ اس کو ایک مشترک مسئلہ سمجھیں اور اس وقت تک مطمئن نہ ہوں جب تک وہ اس مسئلہ کو شرعی طریقہ پر حل نہ کر لیں۔

کتاب یا مکاتبت کے لفظی معنی ہیں لکھنا۔ اس سے مراد وہ تحریر ہے جس میں کوئی لونڈی یا غلام اپنے آقا سے یہ عہد کرے کہ میں اتنی مدت میں اتنا مال کما کر تجھے دے دوں گا۔ اور اس کے بدلے میں آزاد ہوں گا۔

اسلام جس زمانہ میں آیا اس وقت عرب میں اور ساری دنیا میں غلام بنانے کا رواج تھا۔ اسلام نے نہایت منظم طور پر اس کو ختم کرنا شروع کیا۔ اسی میں سے ایک طریقہ وہ تھا جس کو مکاتبت کہا جاتا ہے۔ تاہم اسلام نے فک رقبہ (گردنیں چھڑانے) کی یہ مہم اپنے عام اصول کے مطابق تدریج کے تحت چلائی۔ مختلف طریقوں سے غلاموں اور لونڈیوں کو رہا کیا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ خلافت راشدہ کے آخری دور تک اس ادارہ کا تقریباً خاتمہ ہو گیا۔

قدیم زمانہ میں بعض لوگ اپنی لونڈیوں سے کسب کراتے تھے۔ مدینہ کے منافق عبد اللہ بن ابی کے پاس کئی لونڈیاں تھیں جن سے بدکاری کرا کر وہ رقم حاصل کرتا تھا۔ ان میں سے ایک لونڈی نے اسلام قبول کر لیا اور کسب سے باز آنا چاہا تو عبد اللہ بن ابی نے اس پر جبر کرنا شروع کیا۔ بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہ لونڈی عبد اللہ بن ابی کے قبضہ سے رہا کرائی گئی۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ۙ ۳۵

اللہ آسمانوں اور زمین کی روشنی ہے۔ اس کی روشنی کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق اس میں ایک چراغ ہے۔ چراغ ایک شیشہ کے اندر ہے۔ شیشہ ایسا ہے جیسے ایک چمک دار تارہ۔ وہ زیتون کے ایک ایسے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی۔ اس کا تیل ایسا ہے گویا آگ کے چھوئے

بغیر ہی خود بخود جل اٹھے گا۔ اللہ اپنی روشنی کی راہ دکھاتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ ۳۵

---

یہ ایک مرکب تمثیل ہے۔ اس آیت میں روشنی سے مراد اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے۔ طاق سے مراد انسان کا دل ہے اور چراغ سے مراد ایمان کی استعداد ہے۔ شیشہ اور تیل اسی استعداد کی مزید خصوصیت کو بتا رہے ہیں۔ شیشہ اس بات کی تعبیر ہے کہ یہ استعداد قلب انسانی میں اس طرح رکھی گئی ہے کہ وہ خارجی اثرات سے پوری طرح محفوظ رہے۔ اور شفاف تیل اس بات کی تعبیر ہے کہ اس کی یہ استعداد اتنی قوی ہے کہ وہ بے تاب ہو رہی ہے کہ کب اس کے سامنے حق آئے اور وہ اس کو بلا تاخیر قبول کر لے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کائنات میں روشنی کا واحد ماخذ صرف ایک اللہ کی ذات ہے۔ اسی سے ہر ایک کو روشنی اور ہدایت ملتی ہے۔ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ اس کے اندر فطری طور پر حق کی طلب موجود ہے۔ یہ طلب بے حد طاقت ور ہے۔ اور اگر اس کو ضائع نہ کیا جائے تو وہ ہر آن اپنا جواب پانے کے لئے بے تاب رہتی ہے۔ باعتبار فطرت انسان کی استعداد قبول اتنی بڑھی ہوئی ہے گویا وہ کوئی پٹرول ہے کہ آگ اگر اس کے قریب بھی لائی جائے تو وہ فوراً بھڑک اٹھے۔

مومن وہ حقیقی انسان ہے جس نے اپنی فطری استعداد کو ضائع نہیں کیا۔ چنانچہ حق کی دعوت سامنے آتے ہی اس کی استعداد جاگ اٹھی۔ نور فطرت کے ساتھ نور ہدایت نے مل کر اس کے پورے وجود کو روشن کر دیا۔

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۙ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءِ الزَّكٰوةِ ۽ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۙ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ

ایسے گھروں میں جن کی نسبت اللہ نے حکم دیا ہے کہ وہ بلند کئے جائیں اور ان میں اس کے نام کا ذکر کیا جائے ان میں صبح و شام اللہ کی یاد کرتے ہیں وہ لوگ جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی اور نہ نماز کی اقامت سے اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے۔ وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور

آنکھیں الٹ جائیں گی۔ کہ اللہ انھیں ان کے عمل کا بہترین بدلہ دے اور ان کو مزید اپنے فضل سے نوازے۔ اور اللہ جس کو چاہتاہے بے حساب دیتاہے۔ ۳۸ - ۳۶

---

انسانی جسم میں جو مقام دل کا ہے وہی مقام انسانی بستی میں مسجد کاہے۔ انسان کا دل ایمان سے آباد ہوتاہے اور مسجدیں اللہ کی عبادت سے آباد ہوتی ہیں۔ مسجدیں خدا کا گھر ہیں۔ وہ اسی لئے بنائی جاتی ہیں کہ وہاں اللہ کی یاد کی جائے۔ وہاں آنے والے وہی لوگ ہوتے ہیں جو اس لئے آتے ہیں کہ وہاں کے روحانی ماحول میں اللہ کی طرف متوجہ ہوسکیں۔ وہ اس لئے آتے ہیں کہ اپنے آپ کو یکسو کر کے کچھ وقت اللہ کی عبادت میں گزاریں۔

جس انسان کو یہ توفیق ملے کہ وہ اپنی فطرت کی آواز کو پہچان کر خدا پر ایمان لائے۔ اور پھر وہ اپنے آپ کو مسجد والے اعمال میں مشغول کرلے اس کے دل میں اللہ اپنی ہیبت کا احساس ڈال دیتاہے جو موجودہ دنیا میں کسی انسان کے لئے سب سے بڑی نعمت ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو قربانی کی سطح پر خدا پرستی کو اختیار کرتے ہیں۔ اور غیر خدا سے کٹ کر خدا والے بنتے ہیں۔

یہی وہ انسان ہے جو اللہ کے یہاں بہترین انعام کا مستحق ہے۔ اللہ اس کو بے حساب فضل عطا فرمائے گا۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّى إِذَا جَاءَهُ
لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللَّهَ عِنْدَهُ فَوَفَّاهُ حِسَابَهُ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٣٩﴾ أَوْ
كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ
ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرَاهَا وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ
نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ ﴿٤٠﴾ ع ٥

اور جن لوگوں نے انکار کیا ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چٹیل میدان میں سراب۔ پیاسا اس کو پانی خیال کرتاہے یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آیا تو اس کو کچھ نہ پایا۔ اور اس نے وہاں اللہ کو موجود پایا پس اس نے اس کا حساب چکا دیا۔ اور اللہ جلد حساب چکانے والا ہے۔ یا جیسے ایک گہرے سمندر میں اندھیرا ہو، موج کے اوپر موج اٹھ رہی ہو، اوپر سے بادل چھائے ہوئے ہوں، اوپر تلے بہت سے اندھیرے، اگر کوئی اپنا

ہاتھ نکالے تو اس کو بھی نہ دیکھ پائے۔ اور جس کو اللہ روشنی نہ دے تو اس کے لئے کوئی روشنی نہیں۔
۴۰ - ۲۹

انسانوں کی ایک قسم وہ ہے جس کا ذکر آیت ۳۵ میں تھا۔ یہ وہ انسان ہے جو اپنی فطری استعداد کو زندہ رکھتا ہے اور اس کے نتیجہ میں ایمان کی دولت سے سرفراز ہوتا ہے۔ اب آیت ۴۰-۲۹ میں انسانوں کی مزید دو قسموں کا ذکر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا تیل دعوت حق کی آگ سے بھڑکنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

ایک قسم وہ ہے جو کسی خود ساختہ دین پر قائم رہتی ہے۔ وہ جھوٹی تمناؤں کا ایک محل بنا کر اس میں خوش رہتی ہے۔ یہ لوگ اسی طرح خوش گمانیوں میں پڑے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب موت آتی ہے تو ان کی خوش گمانیوں کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے۔ اور پھر اچانک انھیں معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کو وہ منزل سمجھے ہوئے تھے وہ ہلاکت کے گڑھے کے سوا اور کچھ نہ تھی۔

دوسری قسم وہ ہے جو کھلم کھلا منکروں اور باغیوں کی ہے۔ یہ لوگ خدا کی ہدایت کو چھوڑ کر بطور خود ہدایت وضع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر وہ سراسر ناکام رہتے ہیں۔ کیونکہ اس دنیا میں ہدایت دینے والا خدا کے سوا اور کوئی نہیں۔ خدا کو چھوڑنے کے بعد آدمی کے حصہ میں اس کے سوا کچھ نہیں رہتا کہ وہ ابدی طور پر اندھیرے میں بھٹکتا رہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صَافَّاتٍ ۖ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿۴۱﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿۴۲﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور چڑیاں بھی پر کو پھیلائے ہوئے۔ ہر ایک اپنی نماز کو اور اپنی تسبیح کو جانتا ہے۔ اور اللہ کو معلوم ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ اور اللہ ہی کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں۔ اور اللہ ہی کی طرف ہے سب کی واپسی۔ ۴۲ - ۴۱

انسان سے خدا کا جو مطالبہ ہے اس کو لفظ بدل کر کہیں تو وہ یہ ہے کہ انسان ویسا ہی رہے جیسا کہ از روئے حقیقت اسے رہنا چاہئے۔ یہی دین حق ہے۔ اس اعتبار سے ساری کائنات دین حق پر ہے۔ کیونکہ اس کائنات کی ہر چیز عین اسی طرح عمل کرتی ہے جیسا کہ فی الواقع اسے عمل کرنا چاہئے۔ انسان کے سوا اس کائنات

یں کوئی بھی چیز نہیں جس کے عمل میں اور حقیقت واقعہ میں کوئی ٹکراؤ ہو۔

انھیں بے شمار چیزوں میں سے ایک مثال چڑیا کی ہے۔ چڑیا جب اپنا پیر پھیلائے ہوئے فضا میں اُڑتی ہے تو وہ اسی حقیقت کا ایک کامل نمونہ ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہ ابدی حقیقت کی دنیا میں کامل موافقت کرکے تیر رہی ہو۔ گویا اس نے اپنے انفرادی وجود کو حقائق کے وسیع ترسمندر میں گم کر دیا ہو۔

ہر ایک کی ایک تسبیح خداوندی ہے اور وہی اس سے مطلوب ہے۔ اسی طرح انسان کی ایک تسبیح خداوندی ہے اور وہ اس سے مطلوب ہے۔ انسان اگر اس معاملہ میں غفلت یا سرکشی کا رویہ اختیار کرے تو اس وقت اس کو اس کی سخت قیمت ادا کرنی ہوگی جب خدا کے ساتھ اس کا سامنا پیش آئے گا۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ مَنْ يَشَاءُ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿۴۴﴾

کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ بادلوں کو چلاتا ہے۔ پھر ان کو آپس میں ملا دیتا ہے۔ پھر ان کو تہ بہ تہ کر دیتا ہے۔ پھر تم بارش کو دیکھتے ہو کہ اس کے بیچ سے نکلتی ہے اور وہ آسمان سے ــــ اس کے اندر کے پہاڑوں سے ــــ اولے برساتا ہے۔ پھر ان کو جس پر چاہتا ہے گراتا ہے۔ اور جس سے چاہتا ہے ان کو ہٹا دیتا ہے۔ اس کی بجلی کی چمک معلوم ہوتا ہے کہ نگاہوں کو اچک لے جائے گی۔ اللہ رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے۔ بے شک اس میں سبق ہے آنکھ والوں کے لئے۔ ۴۳-۴۴

---

یہاں دنیا کے چند واقعات کو بطور تمثیل ذکر کرکے کہا گیا ہے کہ اس میں اہل بصیرت کے لئے عبرت ہے۔ عبرت کے اصل معنی ہیں عبور کرنا، طے کرنا۔ اس سے مراد وہ ذہنی سفر ہے جب کہ آدمی ایک چیز سے دوسری چیز تک پہنچتا ہے۔ جب آدمی ایک واقعہ کو حقیقت سے لنک (Link) کرتا ہے۔ جب وہ ایک ظاہری چیز کے اندر اس کے معنوی پہلو کو دیکھ لیتا ہے تو اسی کا نام عبرت ہے۔

بارش کو دیکھئے زمین سے لے کر سورج تک ایک عظیم ہم آہنگ عمل کے نتیجہ میں وہ چیز وجود میں آتی ہے جس کو بارش کہتے ہیں۔ پھر یہ بادل کبھی زندگی بخش مینھ لاتے ہیں اور کبھی انھیں بادلوں سے ہلاکت خیز

اولے برسنے لگتے ہیں۔ یہی معاملہ بجلی کی چمک اور رات اور دن کی گردش کا ہے۔ ان ظاہری واقعات میں بے شمار معنوی حقائق چھپے ہوئے ہیں۔ جو لوگ ان کو دیکھ کر ظاہر کو معنی سے مربوط کر سکیں وہی خدا کی نظر میں بصیرت والے ہیں۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ
عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۗ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۗ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾

اور اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔ پھر ان میں سے کوئی اپنے پیٹ کے بل چلتا ہے۔ اور ان میں سے کوئی دو پاؤں پر چلتا ہے۔ اور ان میں سے کوئی چار پیروں پر چلتا ہے۔ اللہ پیدا کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہم نے کھول کر بتانے والی آیتیں اتار دی ہیں۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہے۔ ۴۶-۴۵

---

دنیا کی چیزوں میں بظاہر تعدد ہے۔ اس سے مشرک انسان نے یہ قیاس کیا کہ چیزوں کے خالق بھی متعدد ہیں۔ مگر جب چیزوں کو اس پہلو سے دیکھا جائے کہ ظاہری تعدد اور تنوع کے اندر ایک یکسانیت چھپی ہوئی ہے تو معاملہ بالکل بدل جاتا ہے۔

حیوانات کی لاکھوں قسمیں ہیں۔ مگر گہرا مطالعہ بتاتا ہے کہ ان سب کی اصل ایک ہے۔ تمام حیوانات کا حیاتیاتی نظام بالکل یکساں ہے۔ اس مطالعہ کے بعد چیزوں کا تعدد اور تنوع خالق کی قدرت کا کرشمہ بن جاتا ہے۔ ایک اعتبار سے جو چیز تعددِ تخلیق کا اظہار معلوم ہو رہی تھی وہ دوسرے اعتبار سے توحیدِ تخلیق کا ثبوت بن جاتی ہے۔

موجودہ دنیا ایک ایسی دنیا ہے جہاں فریب کے درمیان حقیقت کو پانا پڑتا ہے۔ یہاں اپنے آپ کو دھوکا دینے والی باتوں سے اوپر اٹھانا پڑتا ہے تاکہ آدمی حق کا مشاہدہ کر سکے۔ اسی خاص کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے آدمی کو عقل کی صلاحیت دی ہے۔ جو شخص اس خدائی ٹارچ کو صحیح طور پر استعمال کرے گا وہ راستہ پائے گا۔ اور جو شخص اس کو استعمال نہیں کرے گا اس کے لئے اس دنیا میں بھٹکنے کے سوا کوئی اور انجام

مقدر نہیں۔

وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ
وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۷﴾ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ
مِّنْهُم مُّعْرِضُونَ ﴿۴۸﴾ وَإِن يَكُن لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ﴿۴۹﴾ أَفِي قُلُوبِهِم
مَّرَضٌ أَمِ ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَن يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ ۚ بَلْ أُولَٰئِكَ هُمُ
الظَّالِمُونَ ﴿۵۰﴾

اور وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت کی۔ پھر ان میں سے ایک گروہ اس کے بعد پھر جاتا ہے۔ اور یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اور جب ان کو اللہ اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ خدا کا رسول ان کے درمیان فیصلہ کرے تو ان میں سے ایک گروہ روگردانی کرتا ہے۔ اور اگر حق ان کو ملنے والا ہو تو اس کی طرف فرماں بردار بن کر آجاتے ہیں۔ کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں یا ان کو یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے ساتھ ظلم کریں گے۔ بلکہ یہی لوگ ظالم ہیں ـ ۵۰ - ۴۷

---

قدیم مدینہ میں ایک طبقہ وہ تھا جس نے بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا مگر وہ اسلام کے معاملہ میں مخلص نہ تھا۔ اس گروہ کو منافق کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ زبان سے تو خدا و رسول کی اطاعت کے الفاظ بولتے تھے۔ مگر جب تجربہ پیش آتا تو وہ خود اپنے عمل سے اپنے اس دعوے کی تردید کر دیتے۔

اس وقت صورت حال یہ تھی کہ مدینہ میں باقاعدہ نوعیت کی اسلامی عدالت ابھی قائم نہیں ہوئی تھی وہاں ایک طرف یہودی سردار تھے جو سیکڑوں سال سے رواجی طور پر لوگوں کے فیصلے کرتے چلے آرہے تھے۔ دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کرکے وہاں پہنچ چکے تھے۔ منافقین کا حال یہ تھا کہ اگر کسی مسلمان سے ان کی نزاع ہو جائے اور وہ کہے کہ چلو رسول اللہ کے یہاں اس کا فیصلہ کرالو تو مذکورہ منافق اس کے لئے صرف اس صورت میں راضی ہوتا تھا جب کہ اس کو یقین ہو تا کہ مقدمہ کی نوعیت ایسی ہے کہ فیصلہ اس کے اپنے حق میں ہو جائے گا۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا تو وہ کہتا کہ فلاں یہودی سردار کے یہاں چلو اور اس سے فیصلہ کرالو۔

یہ بظاہر ہوشیاری ہے مگر یہ خود اپنے اوپر ظلم کرنا ہے۔ اس طرح جیتنے والے آخرت میں اس حال میں پہنچیں گے کہ وہ اپنا مقدمہ بالکل ہار چکے ہوں گے۔

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥١﴾ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٥٢﴾

ایمان والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے مانا۔ اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور وہ اللہ سے ڈرے اور وہ اس کی مخالفت سے بچے تو یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہوں گے۔ ۵۲-۵۱

---

عام آدمی اپنے مفاد کے تابع ہوتا ہے۔ مومن وہ ہے جو اپنے آپ کو اللہ اور رسول کا تابع بنا لے۔ جب خدا اور رسول کا فیصلہ سامنے آجائے تو وہ ہر حال میں وہی کرے جو خدا ورسول کا فیصلہ ہو۔ خواہ وہ اس کی خواہش کے مطابق ہو یا اس کی خواہش کے خلاف۔ خواہ اس میں اس کا مفاد محفوظ ہوتا ہو یا اس میں اس کا مفاد مجروح ہو رہا ہو۔

آخرت کی کامیابی صرف اس شخص کے لئے ہے جس کا ایمان اس کو خدا ورسول کے حکم کے آگے جھکا دے خدا کا احساس اس کے دل میں اس طرح اتر جائے کہ وہ اسی سے سب سے زیادہ ڈرنے لگے۔ خدا کی ناراضگی سے اپنے آپ کو بچانا اس کی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ بن جائے۔

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۖ قُلْ لَا تُقْسِمُوا ۖ طَاعَةٌ مَعْرُوفَةٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٥٣﴾ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۖ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ ۖ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ۚ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿٥٤﴾

اور وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں، بڑی سخت قسمیں، کہ اگر تم ان کو حکم دو تو وہ ضرور نکلیں گے۔ کہو کہ قسمیں نہ کھاؤ دستور کے مطابق اطاعت چاہئے۔ بے شک اللہ کو معلوم ہے جو تم کرتے ہو۔ کہو کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ پھر اگر تم روگردانی کروگے تو رسول پر وہ بوجھ ہے جو اس پر ڈالا گیا ہے اور تم پر وہ بوجھ ہے جو تم پر ڈالا گیا ہے۔ اور اگر تم اس کی اطاعت کروگے تو ہدایت پاؤگے۔ اور رسول کے ذمہ صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ ۵۴-۵۳

---

جس شخص کے دل میں گہرائی کے ساتھ خدا اترا ہوا اس کی نگاہیں جھک جاتی ہیں۔ اس کی زبان بند ہو جاتی ہے۔ اس کا احساسِ ذمہ داری اس سے بڑی بڑی قربانیاں کرا دیتا ہے۔ مگر زبانی دعووں کے وقت وہ دیکھنے والے لوگوں کو گونگا نظر آتا ہے۔

اس کے برعکس جو شخص خدا سے تعلق کے معاملہ میں کم ہو وہ الفاظ کے معاملہ میں زیادہ ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے عمل کی کمی کو الفاظ کی زیادتی سے پورا کرتا ہے۔ اس کے پاس چونکہ کردار کی گواہی نہیں ہوتی اس لئے وہ اپنے کو معتبر ثابت کرنے کے لئے بڑے بڑے الفاظ کا مظاہرہ کرتا ہے۔

جو لوگ الفاظ کا کمال دکھا کر دوسروں کو متاثر کرنا چاہتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ سارا معاملہ بس انسانوں کا معاملہ ہے۔ مگر جس شخص کو یقین ہو کہ اصل معاملہ وہ ہے جو خدا کے یہاں پیش آنے والا ہے۔ اس کا سارا انداز بالکل بدل جائے گا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو زمین میں اقتدار دے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو اقتدار دیا تھا۔ اور ان کے لئے ان کے دین کو جما دے گا جس کو ان کے لئے پسند کیا ہے۔ اور ان کی خوف کی حالت کے بعد اس کو امن سے بدل دے گا۔ وہ صرف میری عبادت کریں گے اور کسی چیز کو میرا شریک نہ بنائیں گے۔ اور جو اس کے بعد انکار کرے تو ایسے ہی لوگ

نافرمان ہیں۔ ۵۵

---

یہاں جس غلبہ کا وعدہ کیا گیا ہے اس کا تعلق اولاً رسول اور اصحاب رسول سے ہے۔ مگر تبعاً اس کا تعلق پوری امت سے ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غلبہ اور اقتدار اہل ایمان کے عمل کا نشانہ نہیں۔ وہ ایک خدائی انعام ہے جو ایمان اور عمل کے نتیجہ میں مومنین کی جماعت کو دیا جاتا ہے۔

اس غلبہ کا مقصد یہ ہے کہ اہل ایمان کو زمین میں استحکام عطا کیا جائے۔ ان کو یہ موقع دیا جائے کہ وہ دشمنان حق کے اندیشوں سے مامون ہو کر رہ سکیں۔ وہ آزادانہ طور پر خدا کی عبادت کریں۔ اور صرف ایک خدا کے بندے بن کر زندگی گزاریں۔ اہل ایمان کے غلبہ کی یہ حالت اس وقت تک باقی رہے گی جب تک وہ خدا کے شکر کرنے والے بنے رہیں۔ اور تقویٰ کی کیفیت کو نہ کھوئیں۔

خلیفہ کے معنی عربی زبان میں جانشین یا بعد کو آنے والے کے ہیں۔ استخلاف یا خلیفہ بنانا یہ ہے کہ ایک قوم کے بعد دوسری قوم کو اس کی جگہ پر غلبہ اور استحکام عطا کیا جائے ــــ غلبہ دراصل خدائی امتحان کا ایک پرچہ ہے۔ خدا ایک کے بعد ایک ہر قوم کو زمین میں غلبہ دیتا ہے۔ اور اس طرح اس کو جانچتا ہے۔ اہل ایمان کی جماعت کے لئے یہ غلبہ امتحان کے ساتھ ایک انعام بھی ہے۔

وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۵۶﴾ لَا تَحْسَبَنَّ
الَّذِينَ كَفَرُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۖ وَلَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۵۷﴾ ع ۷ / ۱۲

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ جو لوگ انکار کر رہے ہیں ان کی نسبت یہ گمان نہ کرو کہ وہ زمین میں اللہ کو عاجز کر دیں گے۔ اور ان کا ٹھکانا آگ ہے اور وہ نہایت برا ٹھکانا ہے۔ ۵۷-۵۶

---

خدا کی رحمت یہ ہے کہ دنیا میں غلبہ اور آخرت میں جنت عطا کی جائے۔ جو لوگ خدا کی اس رحمت کا مستحق بننا چاہیں انھیں اپنے اندر تین صفتیں پیدا کرنی چاہئیں۔

ایک اقامت صلوٰۃ۔ اقامت صلوٰۃ صورتاً پنج وقتہ نماز کا نظام قائم کرنے کا نام ہے۔ اور معناً اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ خشوع اور تواضع میں جینے والے بنیں نہ کہ کبر اور سرکشی میں جینے والے۔

اسی طرح زکوٰۃ کی عملی صورت یہ ہے کہ اپنے اموال میں مقررہ شرح کے مطابق سالانہ ایک رقم نکالی

جائے اور اس کو بیت المال کے حوالے کیا جائے۔ اور زکوٰۃ اپنی معنوی حقیقت کے اعتبار سے یہ ہے کہ لوگ خودغرض بن کر نہ رہیں بلکہ وہ دوسروں کے خیر خواہ بن کر رہیں۔ حتی کہ ان کی خیر خواہی اتنی بڑھے کہ اپنی ذات اور اپنے اثاثہ میں وہ دوسروں کا حق سمجھنے لگیں۔

رسول کی اطاعت رسول کے زمانہ میں ذات رسول کی اطاعت تھی۔ اور بعد کے زمانہ میں سنت رسول کی اطاعت۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے لئے زندگی کا نمونہ اللہ کا رسول ہو۔ لوگ اپنی زندگی کے تمام معاملات میں صرف رسول خدا کو اپنا رہنما سمجھیں۔ رسول کی رائے سامنے آنے کے بعد لوگ اپنی ذاتی رائے سے دستبردار ہو جائیں۔ رسول آگے ہو اور تمام لوگ اس کے پیچھے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ
مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ
الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۫ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَ
لَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ
اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۵۸ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ
فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۵۹ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ
جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ
وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۶۰

اے ایمان والو، تمہارے مملوکوں کو اور تم میں جو بلوغ کو نہیں پہنچے ان کو تین وقتوں میں اجازت لینا چاہئے۔ فجر کی نماز سے پہلے، اور دوپہر کو جب تم اپنے کپڑے اتارتے ہو، اور عشاء کی نماز کے بعد۔ یہ تین وقت تمہارے لئے پردے کے ہیں۔ ان کے بعد نہ تم پر کوئی گناہ ہے اور نہ ان پر۔ تم ایک دوسرے کے پاس بکثرت آتے جاتے رہتے ہو۔ اس طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیتوں کی وضاحت کرتا ہے۔ اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور جب تمہارے بچے عقل کی حد کو پہونچ جائیں تو وہ بھی اسی طرح اجازت لیں جس طرح ان

کے اگلے اجازت لیتے رہے ہیں۔ اس طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتوں کی وضاحت کرتا ہے اور اللہ علیم وحکیم ہے۔ اور بڑی بوڑھی عورتیں جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں، ان پر کوئی گناہ نہیں اگر وہ اپنی چادریں اتار کر رکھ دیں، بشرطیکہ وہ زینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں۔ اور اگر وہ بھی احتیاط کریں تو ان کے لیے بہتر ہے۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ ۵۸-۶۰

---

اوپر معاشرتی احکام بیان ہوئے تھے۔ یہ آیتیں غالباً بعد کو ان کے تتمہ یا توضیح کے طور پر نازل ہوئیں۔ مثلاً اوپر عورتوں کے لئے گھر کے اندر پردہ کی جو ہدایات دی گئی ہیں ان میں یہ ہے کہ عورتیں اپنی اوڑھنی کے آنچل اپنے سینہ پر ڈال لیا کریں (آیت ۳۱) یہاں (آیت ۶۰) میں اس عام حکم سے ان عورتوں کو الگ کر دیا گیا جو نکاح کی عمر سے گزر چکی ہوں۔ فرمایا کہ اگر وہ اوڑھنی کا اہتمام نہ کریں تو کوئی حرج نہیں۔ یہ دونوں قسم کے احکام ایک ساتھ اتر سکتے تھے۔ مگر ان کے درمیان چار رکوعوں کا فاصلہ ہے ان درمیانی رکوعوں میں دوسرے مضامین ہیں۔ جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے، ابتدائی احکام اترنے کے بعد کچھ عملی سوالات پیدا ہوئے۔ چنانچہ ان کی وضاحت میں یہ آخری آیتیں اتریں اور یہاں شامل کی گئیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا انداز ترتیب اور تدریج کا انداز ہے نہ کہ یکبارگی اقدام کا۔ خدا کے لئے یہ ممکن تھا کہ وہ تمام احکام ایک ساتھ یک وقت نازل کر دے۔ مگر خدا نے حالات کے اعتبار سے احکام کو بتدریج نازل فرمایا۔

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا
عَلٰٓى أَنْفُسِكُمْ أَنْ تَأْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ أَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ أَوْ بُيُوْتِ أُمَّهٰتِكُمْ أَوْ بُيُوْتِ إِخْوَانِكُمْ
أَوْ بُيُوْتِ أَخَوٰتِكُمْ أَوْ بُيُوْتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ أَوْ بُيُوْتِ أَخْوَالِكُمْ أَوْ بُيُوْتِ
خٰلٰتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ أَوْ صَدِيْقِكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوْا جَمِيْعًا أَوْ
أَشْتَاتًا ۭ فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۭ
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

اندھے پر کوئی تنگی نہیں اور لنگڑے پر کوئی تنگی نہیں اور بیمار پر کوئی تنگی نہیں اور نہ تم لوگوں پر کوئی تنگی ہے کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے، یا اپنی ماؤں کے گھروں سے، یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے، یا اپنی بہنوں کے گھروں سے، یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے، یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے، یا اپنے ماموؤں کے گھروں

سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا جس گھر کی کنجیوں کے تم مالک ہو یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔ تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم لوگ مل کر کھاؤ یا الگ الگ۔ پھر جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں کو سلام کرو، دعا ہے بابرکت اللہ کی طرف سے۔ اس طرح اللہ تمہارے لئے آیتوں کی وضاحت کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔ ۶۱

---

اسلام سے پہلے عرب کا معاشرہ ایک آزاد معاشرہ تھا۔ وہاں کسی قسم کی کوئی پابندی نہ تھی۔ اس کے بعد اسلام نے گھروں کے اندر جانے پر پردہ کی پابندیاں عائد کیں جن کا بیان اوپر کی آیتوں میں ہے، تو کچھ لوگوں کو احساس ہوا کہ ان پابندیوں کے بعد ہماری سماجی زندگی بالکل محدود ہو کر رہ جائے گی۔

اس سلسلہ میں یہ وضاحتی آیتیں نازل ہوئیں۔ فرمایا کہ یہ پابندیاں تمہاری سماجی زندگی کو منظم کرنے کے لئے ہیں نہ کہ تمہاری جائز آزادی کو ختم کرنے کے لئے۔ مثلاً اندھے، لنگڑے اور بیمار اگر اپنے تعلق کے لوگوں سے دور ہو جائیں تو یہ عملاً ان کو بے سہارا کر دینے کے ہم معنی ہوگا۔ مگر اسلام کا یہ منشا ہرگز نہیں۔ چنانچہ سابقہ احکام میں ضروری گنجائشیں دیتے ہوئے اس کی اصل روح کی نشاندہی فرمادی۔

ارشاد ہوا کہ اسلام کا اصل مطلوب یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی سچی خیر خواہی ہو۔ جب ایک آدمی دوسرے کے گھر میں داخل ہو تو وہ سلام کرے۔ اور کہے کہ "تمہارے اوپر سلامتی ہو اور اللہ کی برکتیں تمہارے اوپر نازل ہوں"۔ یہ روح اگر حقیقی طور پر لوگوں کے اندر موجود ہو تو اکثر اجتماعی خرابیوں کا اپنے آپ خاتمہ ہو جائے گا۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَنْ لِمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٦٢﴾

ایمان والے وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر یقین لائیں۔ اور جب کسی اجتماعی کام کے موقع پر رسول کے ساتھ ہوں تو جب تک تم سے اجازت نہ لے لیں وہاں سے نہ جائیں۔ جو لوگ تم سے اجازت لیتے ہیں وہی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس جب وہ اپنے کسی کام کے لئے تم سے اجازت مانگیں تو ان کو اجازت دے دو۔ اور ان کے لئے اللہ سے معافی مانگو۔ بے شک اللہ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ ۶۲

---

جب کچھ لوگ اپنے آپ کو اسلام کے ساتھ وابستہ کریں تو مختلف اسباب سے بار بار اس کی ضرورت پیش آتی ہے کہ انھیں اکٹھا کیا جائے۔ مثلاً مسلمانوں کے کسی مشترک معاملہ میں مشورہ کرنے کے لئے کسی اجتماعی مہم پر لوگوں کا تعاون حاصل کرنے کے لئے۔ وغیرہ۔

ایسے مواقع پر یہ ہوتا ہے کہ جن لوگوں پر اپنے انفرادی تقاضے غالب ہوں وہ تھوڑی دیر کے بعد اپنی دلچسپی کھو دیتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ خاموشی کے ساتھ اٹھ کر چلے جائیں۔ یہ مزاج صحیح اسلامی مزاج نہیں۔ تاہم جو لوگ اس ذہنیت سے پاک ہوں ان میں بھی بعض ایسے افراد ہو سکتے ہیں جو کسی وقتی ضرورت کی بنا پر اجتماع کے ختم ہونے سے پہلے اٹھنا چاہیں۔ ایسے افراد کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ذمہ دار شخصیت سے (اور رسول کے زمانہ میں رسول سے) باقاعدہ اجازت لے کر واپس جاتے ہیں۔ نیز اگر ذمہ دار انھیں کسی وجہ سے اجازت نہ دے تو وہ کسی ناگواری کے بغیر آخر وقت تک کارروائی میں شریک رہتے ہیں۔

جو شخص مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کا ذمہ دار ہو اس کے اندر یہ مزاج ہونا چاہئے کہ کوئی شخص اگر وقتی ضرورت کی بنا پر معذرت پیش کرے تو وہ اس کی معذرت کو دل سے قبول کرے۔ اور اس کے حق میں دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ
مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ۝ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ۭ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ
ع ۹ ۱۵ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

تم لوگ رسول کے بلانے کو اس طرح کا بلانا نہ سمجھو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ اللہ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا ہے جو ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہوئے چپکے سے چلے جاتے ہیں۔ پس جو لوگ اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہئے کہ ان پر کوئی آزمائش آجائے۔ یا ان کو ایک دردناک عذاب پکڑ لے۔ یاد رکھو کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کا ہے۔ اللہ اس حالت کو جانتا ہے جس پر تم ہو۔ اور جس دن لوگ اس کی طرف لائے جائیں گے تو جو کچھ انھوں نے کیا تھا وہ اس سے ان کو باخبر کر دے گا۔ اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ ۶۴ - ۶۳

یہاں جس اطاعت رسول کا ذکر ہے اس کا تعلق رسول کی زندگی میں رسول سے تھا۔ رسول کے بعد اس کا تعلق ہر اس شخص سے ہے جو مسلمانوں کے معاملہ کا ذمہ دار بنایا جائے۔

اجتماعی معاملات میں اپنا حصہ ادا کرنے سے جو لوگ کترائیں وہ بطور خود یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اجتماعی کام میں وقت ضائع نہ کرکے اپنے انفرادی معاملہ کو مضبوط کر رہے ہیں۔ مگر جو گروہ اجتماعیت کو کھودے اس کے دشمن اس کے اندر گھسنے کی راہ پالیتے ہیں۔ اس طرح جو بربادی آتی ہے وہ اپنے نتیجہ کے اعتبار سے عمومی بربادی ہوتی ہے۔ اس کا نقصان ہر ایک کو پہنچتا ہے، حتی کہ اس کو بھی جو یہ سمجھ رہا تھا کہ اس نے ذاتی معاملات میں پوری توجہ لگا کر اپنے آپ کو محفوظ کرلیا ہے۔

آدمی جب اس قسم کی کمزوری دکھاتا ہے تو بطور خود وہ سمجھتا ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے انسانوں کے ساتھ کر رہا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہوتا ہے وہ خدا کے ساتھ کر رہا ہوتا ہے۔ اگر یہ احساس زندہ ہو تو آدمی کبھی اس قسم کی بے اصولی کی جرأت نہ کرے۔

---

سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ
شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ﴿۲﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ
يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً
وَّلَا نُشُوْرًا ﴿۳﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان اتارا تاکہ وہ جہان والوں کے لئے ڈرانے والا ہو۔ وہ جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے۔ اور اس نے کوئی بیٹا نہیں بنایا اور بادشاہی میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا ایک اندازہ مقرر کیا۔ اور لوگوں نے اس کے سوا ایسے معبود بنائے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے، وہ خود پیدا کئے جاتے ہیں۔ اور وہ خود اپنے لئے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی نفع کا۔ اور نہ وہ کسی کے مرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ

کسی کے جینے کا۔ ۳-۱

"فرقان" کے لفظی معنی ہیں فرق کرنے والا یعنی حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے کا معیار (Criterion) یہاں فرقان سے مراد قرآن ہے۔ خدا علیم و خبیر بھی ہے اور حاکم مطلق بھی۔ اس لئے خدا کی طرف سے ایک کتاب فرقان کا آنا بیک وقت اپنے اندر دو پہلو رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ یقینی طور پر صحیح ہے اس کی صحت و قطعیت میں کوئی شبہ نہیں۔ دوسرے یہ کہ اس کو ماننا اور اس کو نہ ماننا دونوں کا انجام یکساں نہیں ہو سکتا۔

خدا تنہا تمام اختیارات کا مالک ہے۔ کوئی اس کی رائے پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ کوئی اس کے اور اس کے فیصلوں کے درمیان حائل نہیں ہو سکتا۔ یہی واقعہ اس بات کی ضمانت ہے کہ جو شخص قرآن کو اپنی رہنما کتاب بنائے گا وہ کامیاب ہوگا اور جو شخص اس کو نظر انداز کرے گا اس کے لئے کسی طرح یہ ممکن نہیں کہ اپنے آپ کو اس ناکامی سے بچائے جو حق کو نظر انداز کرنے والے کے لئے خدا نے مقدر کر دیا ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ ۖ فَقَدْ جَاءُوا ظُلْمًا وَزُورًا ۝ وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَىٰ عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

اور منکر لوگ کہتے ہیں کہ یہ صرف ایک جھوٹ ہے جس کو اس نے گھڑا ہے۔ اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس میں اس کی مدد کی ہے۔ پس یہ لوگ ظلم اور جھوٹ کے مرتکب ہوئے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اگلوں کی بے سند باتیں ہیں جن کو اس نے لکھوا لیا ہے۔ پس وہ اس کو صبح و شام سنائی جاتی ہیں۔ کہو کہ اس کو اس نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کے بھید کو جانتا ہے۔ بیشک وہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ ۶-۴

منکرین بظاہر قرآن کو جھوٹی کتاب کہتے تھے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کے اس قول کا رخ پیغمبر کی طرف تھا۔ پیغمبر انھیں دیکھنے میں ایک معمولی انسان دکھائی دیتا تھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ایک معمولی انسان

ایک غیر معمولی کتاب کا مالک کس طرح ہو سکتا ہے۔

قرآن ہر قسم کے مضامین کو چھوتا ہے۔ تاریخی، طبیعی، نفسیاتی، معاشرتی، وغیرہ۔ مگر اس میں آج تک کسی واقعی غلطی کی نشاندہی نہ کی جا سکی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن ایک ایسی ہستی کا کلام ہے جو کائنات کے بھیدوں کو آخری حد تک جاننے والا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو قرآن میں بھی غلطیاں ملتیں جس طرح دوسری انسانی کتابوں میں ملتی ہیں۔ یہی واقعہ قرآن کے خدائی کتاب ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

جو لوگ قرآن کے بارہ میں بے بنیاد باتیں کہیں وہ بہت زیادہ جسارت کی بات کرتے ہیں۔ ایسے لوگ یقیناً خدا کی پکڑ میں آجائیں گے۔ البتہ اگر وہ رجوع کرلیں تو خدا کا یہ طریقہ نہیں کہ اس کے بعد بھی وہ ان سے انتقام لے۔ خدا آدمی کے حال کو دیکھتا ہے نہ کہ اس کے ماضی کو۔

وَقَالُوا مَالِ هٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ ۙ لَوْلَا أُنْزِلَ
إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُ نَذِيرًا ۝٧ أَوْ يُلْقَىٰ إِلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا ۚ
وَقَالَ الظّٰلِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا ۝٨ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ
فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۝٩ ع ۱۶

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ کیوں نہ اس کے پاس کوئی فرشتہ بھیجا گیا کہ وہ اس کے ساتھ رہ کر ڈراتا یا اس کے لئے کوئی خزانہ اتارا جاتا۔ یا اس کے لئے کوئی باغ ہوتا جس سے وہ کھاتا۔ اور ظالموں نے کہا کہ تم لوگ ایک سحرزدہ آدمی کی پیروی کر رہے ہو۔ دیکھو وہ کیسی کیسی مثلیں تمہارے لئے بیان کر رہے ہیں۔ پس وہ بہک گئے ہیں، پھر وہ راہ نہیں پا سکتے۔ ۹-۷

---

حق کے ہر داعی کے ساتھ یہ ہوا ہے کہ اس کے زمانہ کے لوگوں نے اس کو حقیر سمجھا۔ اور بعد کے لوگوں نے اس کی پرستش کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنی زندگی میں وہ اپنی حقیقی شخصیت کے ساتھ لوگوں کے سامنے ہوتا ہے۔ اس لئے وہ انھیں بس ایک عام انسان کی مانند دکھائی دیتا ہے۔ مگر بعد کو اس کی شخصیت کے گرد افسانوی قصوں کا ہالہ بن جاتا ہے۔ بعد کے لوگ اس کو مبالغہ آمیز روپ میں دیکھتے ہیں۔ اس لئے بعد کے لوگ مبالغہ آمیز حد تک اس کی تعظیم و تقدیس کرنے لگتے ہیں۔

بعد کے زمانہ میں لوگوں کے ذہنوں میں پیغمبر کی غیر معمولی عظمت قائم ہو جاتی ہے۔ اس لئے کوئی بڑا اپنے آپ کو پیغمبر سے بڑا نہیں پاتا۔ مگر پیغمبر کی زندگی میں اس کی جو ظاہری صورت حال ہوتی ہے وہ وقت کے بڑوں کو موقع دیتی ہے کہ وہ پیغمبر کے مقابلہ میں متکبرانہ نفسیات میں مبتلا ہو سکیں۔ ایسے لوگ جب کچھ لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ پیغمبر کی باتوں کو سن کر متاثر ہو رہے ہیں تو وہ ان کے تاثر کو گھٹانے کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو ایک مجنون ہے۔ یہ تو ایک سحر زدہ انسان ہے وغیرہ۔ وہ دلیل کے میدان میں اپنے آپ کو عاجز پا کر عیب لگانے کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ حالانکہ دلیل کے ذریعہ کسی کو رد کرنا عین درست ہے۔ جب کہ عیب لگا کر کسی کو بدنام کرنا سراسر نادرست۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَاۗءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ
وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿١٠﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۣ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ﴿١١﴾
اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ﴿١٢﴾ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا
مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿١٣﴾ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿١٤﴾ قُلْ
اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاۗءً وَّمَصِيْرًا ﴿١٥﴾ لَهُمْ
فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ۭ كَانَ عَلٰي رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْــُٔـوْلًا ﴿١٦﴾

بڑا بابرکت ہے وہ۔ اگر وہ چاہے تو تم کو اس سے بھی بہتر چیز دیدے —— ایسے باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہوں، اور تم کو بہت سے محل دیدے۔ بلکہ انھوں نے قیامت کو جھٹلا دیا ہے۔ اور ہم نے ایسے شخص کے لئے جو قیامت کو جھٹلائے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔ جب وہ ان کو دور سے دیکھے گی تو وہ اس کا بپھرنا اور دھاڑنا سنیں گے۔ اور جب وہ اس کی کسی تنگ جگہ میں باندھ کر ڈال دئے جائیں گے تو وہ وہاں موت کو پکاریں گے۔ آج ایک موت کو نہ پکارو، اور بہت سی موت کو پکارو۔ کہو کیا یہ بہتر ہے یا ہمیشگی جنت جس کا وعدہ خدا سے ڈرنے والوں سے کیا گیا ہے، وہ ان کے لئے بدلہ اور ٹھکانا ہوگی۔ اس میں ان کے لئے وہ سب ہوگا جو وہ چاہیں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ تیرے رب کے ذمہ ایک وعدہ ہے واجب الادا۔ ١٦ - ١٠

---

حق کے مخالفین اکثر حق کے داعی کی ذات کو نشانہ بناتے ہیں۔ وہ داعی کو غیر معتبر ثابت کرنے کے لئے

طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ اس طرح وہ یہ تاثر دیتے ہیں کہ حق کا داعی اگر ان کے معیار پر ہوتا تو وہ اس کی بات مان لیتے۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ ان کا اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ حق کا داعی ان کو قابل اعتبار نظر نہیں آتا۔ ان کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ قیامت کی پکڑ سے بے خوف ہیں، اس لئے وہ غیر ذمہ دارانہ طور پر طرح طرح کے الفاظ بولتے رہتے ہیں۔

حق اور ناحق کے معاملہ کی ساری اہمیت اس بنا پر ہے کہ آخرت میں اس کی بابت پوچھ ہوگی۔ جو لوگ آخرت کی پکڑ کے بارہ میں بے خوف ہو جائیں وہ اس کے بالکل لازمی نتیجہ کے طور پر حق اور ناحق کے معاملہ میں سنجیدہ نہیں رہتے۔ اور جس چیز کے بارہ میں آدمی سنجیدہ نہ ہو وہ اس کی اہمیت کو کسی طرح محسوس نہیں کرسکتا، خواہ اس کے حق میں کتنی ہی زیادہ دلیلیں دیدی جائیں۔ ایسے لوگوں کے الفاظ صرف اس وقت ختم ہوں گے جب کہ قیامت کی چنگھاڑ ان سے ان کے الفاظ چھین لے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَقُولُ ءَأَنْتُمْ أَضْلَلْتُمْ
عِبَادِي هَٰؤُلَاءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ﴿١٧﴾ قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنْبَغِي لَنَا أَنْ
نَتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ وَلَٰكِنْ مَتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ نَسُوا الذِّكْرَ
وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا ﴿١٨﴾ فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ بِمَا تَقُولُونَ فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا ۚ
وَمَنْ يَظْلِمْ مِنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا ﴿١٩﴾

اور جس دن وہ ان کو جمع کرے گا اور ان کو بھی جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں، پھر وہ کہے گا، کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا یا وہ خود راستہ سے بھٹک گئے۔ وہ کہیں گے کہ پاک ہے تیری ذات۔ ہمیں یہ سزاوار نہ تھا کہ ہم تیرے سوا دوسروں کو کارساز تجویز کریں۔ مگر تو نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو دنیا کا سامان دیا۔ یہاں تک کہ وہ نصیحت کو بھول گئے۔ اور ہلاک ہونے والے بنے۔ پس انھوں نے تم کو تمہاری باتوں میں جھوٹا ٹھہرا دیا۔ اب نہ تم خود ٹال سکتے ہو اور نہ کوئی مدد پا سکتے ہو۔ اور تم میں سے جو شخص ظلم کرے گا ہم اس کو ایک بڑا عذاب چکھائیں گے۔ ۱۹ - ۱۷

---

"ذکر" کی تشریح مفسر ابن کثیر نے ان الفاظ میں کی ہے: ای نسوا ما انزلتہ الیھم علی

اُلسنۃ رُسلک من الدعوۃ الی عبادتک وحدک لا شریک لک (وہ اس پیغام کو بھول گئے جو ان کی طرف تونے اپنے پیغمبروں کی زبان سے تنہا اور لاشریک اپنی عبادت کے لئے اتارا تھا)

حقیقت یہ ہے کہ انبیار کی مخاطب تو میں معروف معنوں میں کافر اور مشرک تو میں نہ تھیں۔ وہ دراصل پچھلے انبیار کی امتیں تھیں۔ ان کے پیغمبروں نے ان کو خدا کی ہدایت پہنچائی۔ مگر زمانہ گزرنے کے بعد وہ دنیا میں مشغول ہوگئے اور اپنے بزرگوں اور پیغمبروں کے بارہ میں یہ عقیدہ بنالیا کہ وہ خدا کے یہاں ان کی بخشش کا ذریعہ بن جائیں گے۔ مگر جب قیامت آئے گی تو اس قسم کے تمام عقیدے باطل ثابت ہوں گے اس وقت لوگوں کو معلوم ہوگا کہ اللہ کی پکڑ سے بچانے والا خود اللہ کے سوا کوئی اور نہ تھا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ۝

اور ہم نے تم سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ اور ہم نے تم کو ایک دوسرے کے لئے آزمائش بنایا ہے۔ کیا تم صبر کرتے ہو۔ اور تمہارا رب سب کچھ دیکھتا ہے۔ ۲۰

---

قرآن کے مخاطبین اول حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت موسیٰ اور دوسرے پیغمبروں کو مانتے تھے۔ اس کے باوجود انھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے سے انکار کردیا۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ بعد کے زمانہ میں ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ لوگ اپنے گزرے ہوئے پیغمبروں کو اعلیٰ اور افضل ثابت کرنے کے لئے بطور خود طلسماتی کہانیاں وضع کرتے ہیں۔ ان کہانیوں میں ان کے سابق پیغمبر کی شخصیت ایک پر عجوبہ شخصیت کی حیثیت اختیار کرلیتی ہے۔ اب اس کے بعد جب ان کا ہم عصر نبی ان کے سامنے آتا ہے تو وہ بظاہر صرف ایک انسان دکھائی دیتا ہے۔ ان کے تصور میں ایک طرف ماضی کا پیغمبر ہوتا ہے جو ان کو فوق البشر ہستی معلوم ہوتا ہے۔ دوسری طرف زندہ پیغمبر ہوتا ہے جو صرف ایک بشر کے روپ میں نظر آتا ہے۔ اس تقابل میں وہ حال کے پیغمبر پر یقین نہیں کرپاتے۔ وہ پیغمبری کو مانتے ہوئے پیغمبر کا انکار کردیتے ہیں۔

منکرین کے لئے رسول اور اہل ایمان آزمائش ہیں۔ اور رسول اور اہل ایمان کے لئے منکرین آزمائش ہیں۔ منکرین کی آزمائش یہ ہے کہ وہ رسول کے بظاہر بے عظمت حلیہ میں اس کے اندر چھپی ہوئی عظمت کو دریافت کریں۔ اور اہل ایمان کی آزمائش یہ ہے کہ وہ منکرین کی لایعنی باتوں پر بے برداشت

نہ ہوں۔ وہ ہر حال میں صابر وشاکر بنے رہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ
لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ۝ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى
يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ
عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ
مَقِيْلًا ۝

الجزء التاسع عشر ۱۹

اور جو لوگ ہمارے سامنے پیش ہونے کا اندیشہ نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ ہمارے اوپر فرشتے کیوں نہیں اتارے گئے۔ یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیتے۔ انھوں نے اپنے جی میں اپنے کو بہت بڑا سمجھا اور وہ حد سے گزر گئے ہیں سرکشی میں۔ جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے۔ اس دن مجرموں کے لئے کوئی خوش خبری نہ ہوگی۔ اور وہ کہیں گے کہ پناہ، پناہ۔ اور ہم ان کے ہر عمل کی طرف بڑھیں گے جو انھوں نے کیا تھا اور پھر اس کو اڑتی ہوئی خاک بنا دیں گے۔ جنت والے اس دن بہترین ٹھکانے میں ہوں گے۔ اور نہایت اچھی آرام گاہ میں۔ ۲۴ - ۲۱

---

جو لوگ داعی کے پیغام کو ماننے کے لئے فرشتے اور خدا کے ظہور کا مطالبہ کریں وہ کوئی واقعی بات نہیں کہتے۔ وہ صرف اپنی غیر سنجیدگی کا ثبوت دیتے ہیں۔ انھیں معلوم نہیں کہ خدا اور فرشتوں کا ظہور کیا معنی رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے لئے بولنے کا جو موقع ہے وہ صرف اسی وقت تک ہے جب تک حق کو داعی کی سطح پر ظاہر کیا گیا ہو۔ جب حق خدا اور فرشتوں کی سطح پر ظاہر ہو جائے تو وہ فیصلہ کا وقت ہوتا ہے نہ کہ ماننے اور تصدیق کرنے کا۔

بہت سے لوگ اس غلط فہمی میں رہتے ہیں کہ قیامت میں جب خدا پوچھے گا کہ کیا لائے تو میں اپنا فلاں عمل پیش کر دوں گا۔ میں کہوں گا کہ فلاں اور فلاں بزرگوں کی نسبت مجھے حاصل ہے۔ مگر قیامت کے آتے ہی اس قسم کی خوش خیالیاں اس طرح بے حقیقت ثابت ہوں گی جیسے گرم لوہے پر پانی کا قطرہ پڑے اور فوراً اڑ جائے۔ اس دن صرف حقیقی عمل کسی کے کام آئے گا نہ کہ کسی قسم کی جھوٹی خوش خیالی۔

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿٢٥﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ
لِلرَّحْمٰنِ ۚ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿٢٦﴾ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ
يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿٢٧﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِي لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا
خَلِيْلًا ﴿٢٨﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِي ۗ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ
خَذُوْلًا ﴿٢٩﴾ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿٣٠﴾
وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۗ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّ
نَصِيْرًا ﴿٣١﴾

اور جس دن آسمان بادل سے پھٹ جائے گا۔ اور فرشتے لگاتار اتارے جائیں گے۔ اس دن حقیقی بادشاہی صرف رحمٰن کی ہوگی۔ اور وہ دن منکروں پر بڑا سخت ہوگا۔ اور جس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا، وہ کہے گا کاش میں نے رسول کی معیت میں راہ اختیار کی ہوتی۔ ہائے میری شامت، کاش میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا۔ اس نے مجھ کو نصیحت سے بہکا دیا بعد اس کے کہ وہ میرے پاس آچکی تھی۔ اور شیطان ہے ہی انسان کو دغا دینے والا۔ اور رسول کہے گا کہ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ اور اسی طرح ہم نے مجرموں میں سے ہر نبی کے دشمن بنائے۔ اور تمہارا رب کافی ہے رہنمائی کے لئے اور مدد کرنے کے لئے۔ ۲۵ ـ ۳۱

---

جب بھی حق کی دعوت اٹھتی ہے تو وہ لوگ اس کے دشمن بن جاتے ہیں جو حق کے نام پر ناحق کا کاروبار کر رہے ہوں۔ وہ طرح طرح کے شوشے نکال کر داعی کی صداقت کو مشتبہ ثابت کرتے ہیں۔ اور بہت سے لوگوں کو اپنا ہمنوا بنا لیتے ہیں۔

جو لوگ ان جھوٹے لیڈروں کی باتوں پر یقین کرکے حق کے داعی کا ساتھ نہیں دیتے ان پر قیامت کے دن کھل جائے گا کہ لیڈروں کی دلیلیں دلیلیں نہ تھیں۔ وہ محض جھوٹے شوشے تھے جن کو انھوں نے اپنے مفاد کے مطابق پا کر مان لیا۔ اور اس کو حق سے دور رہنے کا بہانہ بنا لیا۔ اس وقت وہ افسوس کریں گے کہ کیوں انھوں نے ایسا کیا کہ وہ لیڈروں کے جھوٹے شوشوں کے فریب میں پڑے رہے۔ اور داعی حق کا

ساتھ دینے والے نہ بنے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ
بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ
تَفْسِيْرًا ۝ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ
اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝

اور انکار کرنے والوں نے کہا کہ اس کے اوپر پورا قرآن کیوں نہیں اتار اگیا۔ ایسا اس لئے ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے ہم تمہارے دل کو مضبوط کریں اور ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر اتارا ہے۔ اور یہ لوگ کیسا ہی عجیب سوال تمہارے سامنے لائیں مگر ہم اس کا ٹھیک جواب اور بہترین وضاحت تمہیں بتا دیں گے۔ جو لوگ اپنے منھ کے بل جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے۔ انھیں کا برا ٹھکانا ہے۔ اور وہی ہیں راہ سے بہت بھٹکے ہوئے۔
۳۲ - ۳۴

---

قرآن جب اترا تو وہ بیک وقت ایک پوری کتاب کی شکل میں نہیں اترا بلکہ جزء جزء کر کے ۲۳ سال میں اتارا گیا۔ اس کو منکرین نے شوشہ بنا لیا اور کہا کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ انسان کی کتاب ہے نہ کہ خدا کی کتاب۔ کیونکہ خدا کے لئے بیک وقت پوری کتاب بنا دینا کچھ مشکل نہیں۔

فرمایا کہ قرآن محض ایک تصنیف نہیں، وہ ایک دعوت ہے۔ اور دعوت کی مصلحتوں میں سے ایک مصلحت یہ ہے کہ اس کو بتدریج سامنے لایا جائے تاکہ وہ ماحول میں مستحکم ہوتی چلی جائے۔

جو دعوت کامل حق ہو اس کے خلاف ہر اعتراض جھوٹا اعتراض ہوتا ہے۔ اس کے خلاف جب بھی کوئی اعتراض اٹھے اور پھر اس کی سچی وضاحت کر دی جائے تو اس سے دعوت کی صداقت مزید ثابت ہو جاتی ہے۔ وہ کسی بھی درجہ میں مشتبہ نہیں ہوتی۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ۝ فَقُلْنَا اذْهَبَآ
اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ۝ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا
الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

وَّعَادًا وَّثَمُوْدَاْ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًاۢ بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ۝ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۡ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ۝ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ۝

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی۔ اور اس کے ساتھ اس کے بھائی ہارون کو مددگار بنایا۔ پھر ہم نے ان سے کہا کہ تم دونوں ان لوگوں کے پاس جاؤ جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا ہے۔ پھر ہم نے ان کو بالکل تباہ کر دیا۔ اور نوح کی قوم کو بھی ہم نے غرق کر دیا جب کہ انھوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور ہم نے ان کو لوگوں کے لئے ایک نشانی بنا دیا۔ اور ہم نے ظالموں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور عاد اور ثمود کو اور اصحاب الرس کو اور ان کے درمیان بہت سی قوموں کو۔ اور ہم نے ان میں سے ہر ایک کو مثالیں سنائیں اور ہم نے ہر ایک کو بالکل برباد کر دیا۔ اور یہ لوگ اس بستی پر سے گذرے ہیں جس پر بری طرح پتھر برسائے گئے۔ کیا وہ اس کو دیکھتے نہیں رہے ہیں۔ بلکہ وہ لوگ دوبارہ اٹھائے جانے کی امید نہیں رکھتے۔ ۳۵-۴۰

---

قرآن بار بار جن پیغمبروں کا حوالہ دیتا ہے ان میں سے اکثر وہ ہیں جن کا ذکر انسانیت کی مدون تاریخ میں جگہ نہ پا سکا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان پیغمبروں کے ہم عصر عقلاء نے ان کو کوئی اہمیت نہ دی۔ انھوں نے بادشاہوں اور فوجی ہیروؤں کے حالات جوش کے ساتھ لکھے کیوں کہ ان کے حالات میں سیاسی پہلو موجود تھا۔ مگر انھوں نے پیغمبروں کو نظر انداز کر دیا کیوں کہ ان کے حالات میں سیاسی ذوق کی تسکین کا سامان موجود نہ تھا۔

عجیب بات ہے کہ یہ مزاج آج بھی مکمل طور پر موجود ہے۔ آج بھی جو لوگ اپنے آپ کو سیاسی پلیٹ فارم پر نمایاں کریں وہ فوراً پریس اور ریڈیو میں جگہ پا لیتے ہیں اور جو لوگ غیر سیاسی میدان میں کام کریں ان کو آج کا انسان بھی زیادہ قابل تذکرہ نہیں سمجھتا۔

انسان سے سب سے زیادہ جو چیز مطلوب ہے وہ یہ کہ وہ واقعات سے سبق لے۔ مگر یہی وہ چیز ہے جو انسان کے اندر سب سے کم پائی جاتی ہے، موجودہ زمانہ میں بھی اور اس سے پہلے کے زمانہ میں بھی۔

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَھٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۭ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ

الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا

اور وہ جب تم کو دیکھتے ہیں تو وہ تمہارا مذاق بنا لیتے ہیں۔ کیا یہی ہے جس کو خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اس نے تو ہم کو ہمارے معبودوں سے ہٹا ہی دیا ہوتا۔ اگر ہم ان پر جمے نہ رہتے۔ اور جلد ہی ان کو معلوم ہو جائے گا جب وہ عذاب کو دیکھیں گے کہ سب سے زیادہ بے راہ کون ہے۔ ۴۱ - ۴۲

---

"اگر ہم جمے نہ رہتے تو وہ ہم کو ہمارے دین سے ہٹا دیتا" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اپنے دین پر قائم رہنے کی وجہ ان کا تعصب تھا نہ کہ کوئی دلیل۔ دلیل کے میدان میں وہ بے ہتھیار ہو چکے تھے۔ مگر تعصب کے بل پر وہ اپنے آبائی دین پر جمے رہے۔ یہی اکثر انسانوں کا حال ہوتا ہے۔ بیشتر انسان محض تعصب کی زمین پر کھڑے ہوتے ہیں۔ اگرچہ زبان سے وہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ دلیل کی زمین پر کھڑے ہوئے ہیں۔

کسی دعوت کا مقابلہ کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک ہے اس کو دلیل سے رد کرنا۔ دوسرا ہے اس کا مذاق اڑانا۔ پہلا طریقہ جائز ہے اور دوسرا طریقہ سراسر ناجائز۔ جو لوگ کسی دعوت کا مذاق اڑائیں وہ صرف یہ ثابت کرتے ہیں کہ دلیل کے میدان میں وہ اپنی بازی ہار چکے ہیں۔ اور اب مذاق اور استہزاء کی باتوں سے اپنی ہار پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں۔

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۙ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۠ ع

کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ پس کیا تم اس کا ذمہ لے سکتے ہو۔ یا تم خیال کرتے ہو کہ ان میں سے اکثر سنتے اور سمجھتے ہیں۔ وہ تو محض جانوروں کی طرح ہیں بلکہ وہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں۔ ۴۳ - ۴۴

---

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمان کے سایہ کے نیچے اللہ کے سوا پوجے جانے والے معبودوں میں سب سے زیادہ سنگین اللہ کے نزدیک وہ خواہش ہے جس کی پیروی کی جائے۔ (ما تحت ظل السماء من الٰہ یُعبد من دون اللہ تعالیٰ اعظم عند اللہ عزوجل من ھوی یتبع، طبرانی عن ابی امامہ)

یہ ایک حقیقت ہے کہ سب سے بڑا بت آدمی کی خواہش نفس ہے۔ بلکہ یہی اصل بت ہے۔ بقیہ تمام بت صرف خواہش پرستی کے دین کو جائز ثابت کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔

خواہش کو اپنا رہبر بنانے کے بعد انسان اسی سطح پر آجاتا ہے جو جانوروں کی سطح ہے۔ جانور سوچ کر کوئی کام نہیں کرتے بلکہ صرف جبلی تقاضے کے تحت کرتے ہیں۔ اب اگر انسان بھی اپنے سوچنے کی صلاحیت کو کام میں نہ لائے اور صرف خواہش نفس کے تحت چلنے لگے تو اس میں اور جانور میں کیا فرق باقی رہا۔

أَلَمْ تَرَ إِلَىٰ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ
عَلَيْهِ دَلِيلًا ﴿٤٥﴾ ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا ﴿٤٦﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ
لِبَاسًا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا ﴿٤٧﴾ وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ
بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ﴿٤٨﴾ لِنُحْيِيَ بِهِ بَلْدَةً
مَيْتًا وَنُسْقِيَهُ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنَاسِيَّ كَثِيرًا ﴿٤٩﴾

کیا تم نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا کہ وہ کس طرح سائے کو پھیلا دیتا ہے۔ اور اگر وہ چاہتا تو وہ اس کو ٹھہرا دیتا۔ پھر ہم نے سورج کو اس پر دلیل بنایا۔ پھر ہم نے آہستہ آہستہ اس کو اپنی طرف سمیٹ لیا۔ اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پردہ اور نیند کو راحت بنایا اور دن کو جی اٹھنے کا وقت بنایا۔ اور وہی ہے جو اپنی رحمت سے پہلے ہواؤں کو خوش خبری بنا کر بھیجتا ہے۔ اور ہم آسمان سے پاک پانی اتارتے ہیں۔ تاکہ اس کے ذریعے مُردہ زمین میں جان ڈال دیں۔ اور اس کو پلائیں اپنی مخلوقات میں سے بہت سے جانوروں اور انسانوں کو۔ ۴۹ - ۴۵

---

یہاں عام مشاہدہ کی زبان میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کو موجودہ زمانہ میں زمین کی محوری گردش کہا جاتا ہے۔ زمین اپنے محور پر ہر ۲۴ گھنٹہ میں ایک بار گھوم جاتی ہے۔ اسی سے رات اور دن پیدا ہوتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک حیرت انگیز کرشمہ ہے۔ اگر زمین کی محوری گردش نہ ہو تو زمین کے نصف حصہ پر مسلسل تیز دھوپ رہے۔ اور دوسرے نصف حصہ پر مسلسل رات کی تاریکی چھائی رہے۔ اور اس طرح زمین پر زندگی گزارنا انتہائی حد تک دشوار ہو جائے۔

زمین کے اس نظام میں بہت سی معنوی نصیحتیں موجود ہیں۔ جس طرح رات کی تاریکی کے بعد لازماً

دن کی روشنی آتی ہے۔ اسی طرح ناحق کے بعد حق کا آنا بھی اس زمین پر لازمی ہے۔ رات کو سو کر دوبارہ صبح کو اٹھنا موت کے بعد دوبارہ آخرت کی دنیا میں اٹھنے کی تمثیل ہے، وغیرہ۔

اسی طرح بارش کے نظام میں اس کے مادی پہلو کے ساتھ عظیم معنوی سبق کا پہلو بھی چھپا ہوا ہے۔ جس طرح بارش سے مردہ زمین سرسبز ہو جاتی ہے اسی طرح خدا کی ہدایت اس سینہ کو ایمان اور تقویٰ کا چمنستان بنا دیتی ہے جس کے اندر واقعی صلاحیت ہو، جو بنجر زمین کی طرح بے جان نہ ہو چکا ہو۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰىٓ اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ۝ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝

اور ہم نے اس کو ان کے درمیان طرح طرح سے بیان کیا ہے تاکہ وہ سوچیں۔ پھر بھی اکثر لوگ ناشکری کئے بغیر نہیں رہتے۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج دیتے۔ پس تم منکروں کی بات نہ مانو اور اس کے ذریعہ سے ان کے ساتھ جہاد کبیر کرو۔ ۵۲ - ۵۰

---

قرآن میں توحید اور آخرت کے مضامین مختلف انداز اور مختلف اسلوب سے بار بار بیان ہوتے ہیں۔ آدمی اگر سنجیدہ ہو تو یہ مضامین اس کو تڑپا دینے کے لئے کافی ہیں۔ مگر غافل انسان کسی دلیل سے کوئی اثر نہیں لیتا۔

"اس کے ذریعہ جہاد کبیر کرو" سے مراد قرآن کے ذریعہ جہاد کبیر کرنا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن کے ذریعہ جہاد، بالفاظ دیگر، پُرامن دعوتی جدوجہد ہی اصل جہاد ہے۔ بلکہ یہی سب سے بڑا جہاد ہے۔ منکر لوگ اگر یہ کوشش کریں کہ اہل ایمان کو دعوت کے میدان سے ہٹا کر دوسرے میدان میں الجھائیں تب بھی اہل ایمان کی ساری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ وہ اپنے عمل کو قرآنی دعوت کے میدان میں مرتکز رکھیں۔ اور اگر مخالفین کے ہنگاموں کی وجہ سے کسی وقت عمل کا میدان بدلتا ہوا نظر آئے تو ہر ممکن تدبیر کر کے دوبارہ اس کو دعوت کے میدان میں لے آئیں۔

وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۭ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ۝

اور وہی ہے جس نے دو سمندروں کو ملایا۔ یہ میٹھا ہے پیاس بجھانے والا اور یہ کھاری ہے کڑوا۔ اور اس نے ان کے درمیان ایک پردہ رکھ دیا اور ایک مضبوط آڑ۔ اور وہی ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا۔ پھر اس کو خاندان والا اور سسرال والا بنایا۔ اور تمہارا رب بڑی قدرت والا ہے۔ ۵۳-۵۴

---

جب کسی سنگم پر دو دریا ملتے ہیں یا کوئی بڑا دریا سمندر میں جا گرتا ہے تو ایسے مقام پر باہم ملنے کے باوجود دونوں پانی الگ الگ رہتا ہے۔ دونوں کے بیچ میں ایک دھاری دور تک جاتی ہوئی نظر آتی ہے۔ راقم الحروف نے یہ منظر الٰہ آباد میں گنگا اور جمنا کے سنگم پر دیکھا ہے۔ یہ واقعہ اس قدرتی قانون کے تحت ہوتا ہے جس کو موجودہ زمانہ میں سطحی تناؤ (Surface tension) کہا جاتا ہے۔ اسی طرح جب سمندر میں جوار بھاٹا آتا ہے تو سمندر کا کھاری پانی ساحلی دریا کے میٹھے پانی کے اوپر چڑھ جاتا ہے۔ مگر سطحی تناؤ دونوں پانی کو بالکل الگ رکھتا ہے۔ اور جب سمندر کا پانی دوبارہ اترتا ہے تو اس کا کھاری پانی اوپر اوپر سے واپس چلا جاتا ہے اور نیچے کا میٹھا پانی بدستور اپنی سابقہ حالت پر باقی رہتا ہے۔ حتی کہ اسی سطحی تناؤ کے قانون کی وجہ سے یہ ممکن ہوا ہے کہ کھاری سمندروں کے عین بیچ میں میٹھے پانی کے ذخیرے موجود ہیں اور بحری مسافروں کو میٹھا پانی فراہم کر سکیں۔

انسانی جسم کی اصل پانی ہے۔ پانی سے انسان جیسی حیرت انگیز نوع بنی۔ پھر نسبی تعلقات اور سسرالی روابط کے ذریعہ اس کی نسل چلتی رہی ـــــ اس طرح کے مختلف واقعات جو زمین پر پائے جاتے ہیں ان پر غور کیا جائے تو ان میں خدا کی قدرت کی نشانیاں چھپی ہوئی نظر آئیں گی۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۗ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿۵۵﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾

اور وہ اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ نقصان۔ اور کافر تو اپنے رب کے خلاف مددگار بنا ہوا ہے۔ اور ہم نے تم کو صرف خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تم کہو کہ میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا، مگر یہ کہ جو چاہے وہ اپنے رب کا راستہ پکڑ لے۔ ۵۵-۵۷

---

خدا نے انسان کو ایسی دنیا میں رکھا ہے جہاں کی ہر چیز اور اس کا پورا ماحول توحید کی گواہی دیتا ہے۔

مگر انسان اس سے روشنی حاصل نہیں کرتا۔ وہ اپنی گمراہی میں اس حد تک جاتا ہے کہ وہ توحید کے بجائے شرک کی بنیاد پر اپنی زندگی کا نظام بناتا ہے۔ اور جب کوئی خدا کا بندہ انسانوں کو توحید کی طرف پکارنے کے لئے اٹھے تو وہ دعوت توحید کا مخالف بن کر کھڑا ہوجاتا ہے۔

تاہم حق کے داعی کو جارحیت کی حد تک جانے کی اجازت نہیں۔ اس کو صرف تلقین اور نصیحت کے دائرہ میں اپنا کام جاری رکھنا ہے۔ اگر دعوت کارگر نہ ہورہی ہو تو اس کا یہ کام نہیں کہ وہ دعوت پر جارحیت کا اضافہ کرے۔ اسے جس چیز کا اضافہ کرنا ہے وہ ہے —— خدا سے دعا، ہر قسم کے مادی جھگڑوں کو یک طرفہ طور پر ختم کرنا، بے غرضی اور اخلاق کے ذریعہ مخاطب کے دل کو متاثر کرنا۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ ۚ وَكَفَىٰ بِهِ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ
مع خَبِيرًا ﴿٥٨﴾ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى
الْعَرْشِ ۚ الرَّحْمَٰنُ فَاسْأَلْ بِهِ خَبِيرًا ﴿٥٩﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَٰنِ قَالُوا وَمَا
ع الرَّحْمَٰنُ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا ﴿٦٠﴾

اور زندہ خدا پر، جو کبھی مرنے والا نہیں، بھروسہ رکھو اور اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو۔ اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے باخبر رہنے کے لئے کافی ہے۔ جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، چھ دن میں۔ پھر وہ تخت پر متمکن ہوا۔ رحمٰن، پس اس کو کسی جاننے والے سے پوچھو۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا ہے۔ کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس کو تو ہم سے کہے۔ اور ان کا بدکنا اور بڑھ جاتا ہے۔ ۶۰ - ۵۸

---

"رحمان کی بابت جاننے والے سے پوچھو" اس میں پوچھے جانے والی بات پر زور ہے نہ کہ پوچھے جانے والے شخص پر۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص خدائے رحمان کے کرشموں کو جانے تو وہ تم کو بتائے گا کہ رحمٰن کی ذات کتنی بلند و برتر ہے۔ موجودہ زمانہ میں سائنس دانوں نے کائنات میں جو تحقیق کی ہے وہ جزئی طور پر اس آیت کی مصداق ہے۔ سائنس دانوں کی تحقیقات سے کائنات کے جو بھید سامنے آئے ہیں وہ اتنے حیرت ناک ہیں کہ ان کو پڑھ کر آدمی کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں اور اس کا دل بے اختیار خالق کی عظمتوں کے آگے جھک جائے۔

"چھ دن" سے مراد خدا کے چھ دن ہیں۔ انسان کی زبان میں اس کو چھ ادوار کہا جاسکتا ہے۔ چھ دوروں میں پیدا کرنا ظاہر کرتا ہے کہ کائنات کی تخلیق منصوبہ بند طور پر ہوئی ہے۔ اور جو چیز منصوبہ اور اہتمام کے ساتھ وجود میں لائی جائے وہ کبھی عبث نہیں ہوسکتی۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿٦١﴾ وَهُوَ
الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿٦٢﴾

بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں ایک چراغ (سورج) اور ایک چمکتا چاند رکھا۔ اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو یکے بعد دیگرے آنے والا بنایا، اس شخص کے لئے جو سبق لینا چاہے اور شکر گزار بننا چاہے۔ ۶۲-۶۱

---

برج کے لفظی معنی قلعہ کے ہیں۔ آسمانی برج سے کیا مراد ہے، اس کی کوئی متفقہ تفسیر ابھی تک نہیں کی جاسکی ہے۔ ممکن ہے کہ اس سے مراد وہ چیز ہو جس کو موجودہ زمانہ میں شمسی نظام کہا جاتا ہے۔ کائنات میں کروڑوں کی تعداد میں شمسی نظام پائے جاتے ہیں۔ انھیں میں سے ایک وہ ہے جو ہم سے قریب ہے اور جس کے اندر ہماری زمین اور سورج اور چاند واقع ہیں۔

شمسی نظام کی بے شمار نشانیوں میں سے ایک نشانی زمین کا سورج کے گرد مسلسل گھومنا ہے۔ اس کی ایک گردش مدار پر ہوتی ہے۔ یہ گردش سال میں پوری ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے موسم واقع ہوتے ہیں۔ اس کی دوسری گردش اس کے محور پر ہوتی ہے۔ یہ ۲۴ گھنٹہ میں پوری ہوجاتی ہے اور اس سے رات اور دن پیدا ہوتے ہیں۔

انتہائی خلا میں حد درجہ صحت کے ساتھ زمین کی گردش اور اس کا انسانی مصلحتوں کے اتنا زیادہ موافق ہونا اتنے حیرت ناک واقعات ہیں کہ جو شخص ان پر غور کرے گا وہ شکر خداوندی کے جذبہ میں غرق ہوکر رہ جائے گا۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ
قَالُوْا سَلٰمًا ﴿٦٣﴾ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿٦٤﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ
رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ

مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۶۶﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں۔ اور جب جاہل لوگ ان سے بات کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ تم کو سلام۔ اور جو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں۔ اور جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب جہنم کے عذاب کو ہم سے دور رکھ۔ بے شک اس کا عذاب پوری تباہی ہے۔ بے شک وہ برا ٹھکانا ہے اور برا مقام ہے۔ اور وہ لوگ کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں۔ اور ان کا خرچ اس کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔ ۶۳-۶۷

---

"چلنا" پوری شخصیت کی علامت ہے۔ جن لوگوں کے دل میں اللہ کا یقین اتر جائے وہ سراپا عجز و تواضع بن جاتے ہیں۔ خدا کا خوف ان سے بڑائی کا احساس چھین لیتا ہے۔ ان کا چلنا پھرنا اور رہنا سہنا ایسا ہو جاتا ہے جس میں عبدیت کی روح پوری طرح سمائی ہوتی ہو۔

رحمٰن کے بندوں کا معاملہ اگر صرف اتنا ہی ہو تو کوئی بھی ان سے نہ الجھے۔ مگر خدا کی معرفت انھیں خدا کا داعی بھی بنا دیتی ہے۔ بس یہیں سے ان کا ٹکراؤ دوسروں سے شروع ہو جاتا ہے۔ ان کا اعلانِ حق باطل پرستوں کے لئے ناقابل برداشت ہو جاتا ہے۔ اور وہ ان سے ٹکرانے کے لئے آ جاتے ہیں۔ مگر یہاں بھی خدا کا خوف انھیں جوابی ٹکراؤ سے روک دیتا ہے۔ وہ ان کے حق میں ہدایت کی دعا کرتے ہوئے ان سے الگ ہو جاتے ہیں۔

خدا کی معرفت ہی کا یہ نتیجہ بھی ہے کہ ان کی زندگی میں ایک کبھی نہ ختم ہونے والی بے چینی شامل ہو جاتی ہے۔ وہ نہ صرف دن کے وقت خدا کو بے تابانہ پکارتے رہتے ہیں بلکہ ان کی راتوں کی تنہائیاں بھی خدا کی یاد میں بسر ہونے لگتی ہیں۔

اسی طرح خدا کا احساس انھیں حد درجہ محتاط بنا دیتا ہے۔ وہ ذمہ دارانہ طور پر کماتے ہیں اور ذمہ دارانہ طور پر خرچ کرتے ہیں۔ خدا کے آگے جواب دہی کا احساس انھیں اپنے آمد و خرچ کے معاملہ میں معتدل اور محتاط بنا دیتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ یہ آدمی کی دانائی میں سے ہے کہ وہ اپنی معیشت میں بیچ کی راہ اختیار کرے (مِنْ فِقْهِ الرَّجُلِ قَصْدُهُ فِي مَعِيشَتِهِ)

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ
إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا
فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٠﴾ وَمَن تَابَ وَعَمِلَ
صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾

اور جو اللہ کے سوا کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے۔ اور وہ اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو قتل نہیں کرتے مگر حق پر۔ اور وہ بدکاری نہیں کرتے۔ اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو وہ سزا سے دوچار ہوگا۔ قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھتا چلا جائے گا۔ اور وہ اس میں ہمیشہ ذلیل ہو کر رہے گا۔ مگر جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک کام کرے تو اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور جو شخص توبہ کرے اور نیک کام کرے تو وہ درحقیقت اللہ کی طرف رجوع کر رہا ہے۔ ۷۱ - ۶۸

---

اس آیت میں تین گناہوں کا ذکر ہے۔ شرک اور قتل ناحق اور زنا۔ یہ تینوں گناہ خدا اور بندوں کے حق میں سب سے بڑے گناہ ہیں۔ اللہ پر حقیقی ایمان کی علامت یہ ہے کہ آدمی ان تینوں گناہوں سے دور ہو جائے۔ جو لوگ ان گناہوں میں ملوث ہوں وہ توبہ کرکے ان کے انجام سے بچ سکتے ہیں۔ جو لوگ توبہ اور رجوع کے بغیر مر جائیں ان کے لئے خدا کے یہاں نہایت سخت سزا ہے جس سے وہ کسی حال میں بچ نہ سکیں گے۔

خدا کے نزدیک اصل نیکی یہ ہے کہ آدمی خدا سے ڈرنے والا بن جائے۔ جو نیکی آدمی کو خدا سے بے خوف کرے وہ بدی ہے۔ اور جو بدی آدمی کو خدا سے ڈرائے وہ اپنے انجام کے اعتبار سے نیکی۔

اگر ایک آدمی سے برائی ہو جائے۔ اس کے بعد اس کو خدا کی یاد آئے۔ وہ خدا کی بازپرس کو سوچ کر تڑپ اٹھے اور توبہ اور استغفار کرتے ہوئے خدا کی طرف دوڑ پڑے تو خدا اپنی رحمت سے ایسی برائی کو نیکی کے خانہ میں لکھ دے گا۔ کیونکہ وہ آدمی کو خدا کی طرف رجوع کرنے کا سبب بن گئی۔

وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ﴿٧٢﴾ وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا
بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا ﴿٧٣﴾ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ

لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾

اور جو لوگ جھوٹے کام میں شامل نہیں ہوتے۔ اور جب کسی بیہودہ چیز سے ان کا گزر ہوتا ہے تو سنجیدگی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔ اور وہ ایسے ہیں کہ جب ان کو ان کے رب کی آیتوں کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے۔ اور جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب، ہم کو ہماری بیوی اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام بنا۔ ۷۲-۷۴

---

موجودہ دنیا میں جو غلط کام ہیں ان سب کا معاملہ یہ ہے کہ شیطان نے ان کو ظاہری طور پر خوبصورت بنا رکھا ہے۔ ہر باطل پرست اپنے نظریہ کو خوش نما الفاظ میں پیش کرتا ہے۔ اسی ظاہر فریبی کی وجہ سے لوگ ان چیزوں کی طرف کھنچتے ہیں۔ اگر ان کے اس ظاہری غلاف کو ہٹا دیا جائے تو ہر چیز اتنی مکروہ دکھائی دینے لگے کہ کوئی شخص اس کے قریب جانے کے لئے تیار نہ ہو۔

اس اعتبار سے ہر برائی ایک قسم کا جھوٹ ہے جس میں آدمی مبتلا ہوتا ہے۔ موجودہ دنیا میں آدمی کا امتحان یہ ہے کہ وہ جھوٹ کو پہچانے۔ وہ ظاہری پردہ کو پھاڑ کر چیزوں کو ان کی اصل حقیقت کے اعتبار سے دیکھ سکے۔

جب کسی کو ایک ایسی نصیحت کی جائے جس میں اس کی ذات پر زد پڑتی ہو تو وہ فوراً بپھر اٹھتا ہے۔ ایسا شخص خدا کی نظر میں اندھا بہرا ہے۔ کیونکہ اس نے اپنی آنکھ سے یہ کام نہ لیا کہ وہ حقیقت کو دیکھے۔ اس نے اپنے کان سے یہ کام نہ لیا کہ وہ سچائی کی آواز کو سنے۔ اس نے نصیحت کا استقبال سننے اور دیکھنے والے آدمی کی حیثیت سے نہیں کیا۔ اس نے نصیحت کا استقبال ایک ایسے آدمی کی حیثیت سے کیا جو سننے اور دیکھنے کی صلاحیت سے محروم ہو۔ خدا کی نظر میں دیکھنے اور سننے والا وہ ہے جو لغو کو دیکھے تو اس سے اعراض کرے اور جب اس کے سامنے سچی نصیحت آئے تو فوراً اس کو قبول کر لے۔

ہر آدمی جو کنبہ والا ہے وہ اپنے کنبہ کا "امام" ہے۔ اگر اس کے کنبہ والے متقی ہیں تو وہ متقیوں کا امام ہے۔ اور اگر اس کے کنبہ والے خدا فراموش ہیں تو خدا فراموشوں کا امام۔

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاۗؤُكُمْ ۚ فَقَدْ

كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ﴿٧٧﴾

یہ لوگ ہیں کہ ان کو بالاخانے ملیں گے اس لئے کہ انھوں نے صبر کیا۔ اور ان میں ان کا استقبال دعا اور سلام کے ساتھ ہوگا۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ خوب جگہ ہے ٹھہرنے کی اور خوب جگہ ہے رہنے کی۔ کہو کہ میرا رب تمہاری پروا نہیں رکھتا۔ اگر تم اس کو نہ پکارو۔ پس تم جھٹلا چکے تو وہ چیز عنقریب ہو کر رہے گی۔

۷۷-۷۵

جنت کے اونچے بالاخانوں میں وہ لوگ جگہ پائیں گے جنھوں نے دنیا میں اپنے آپ کو حق کی خاطر نیچا کر لیا تھا۔ انھوں نے دنیا میں تواضع اختیار کی تھی اس لئے آخرت میں ان کا خدا انھیں سرفرازی عطا فرمائے گا۔ یہی وہ بات ہے جس کو حضرت مسیح نے ان لفظوں میں ادا فرمایا: مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں۔ آسمان کی بادشاہی میں وہی داخل ہوں گے۔

وہ اوصاف جو کسی آدمی کو جنت میں لے جانے والے ہیں ان کو حاصل کرنا اس شخص کے لئے ممکن ہوتا ہے جو صبر کرنے کے لئے تیار ہو۔ جنت وہ اعلیٰ مقام ہے جہاں آدمی کی تمام خواہشیں کامل طور پر پوری ہوں گی۔ مگر جنت اسی صابر انسان کے حصہ میں آئے گی جس نے دنیا میں اپنی خواہشوں پر کامل روک لگائی ہو جنت صبر کی قیمت ہے۔ اور جہنم اس کے لئے ہے جو دنیا کی زندگی میں صبر کی مطلوبہ قیمت دینے کے لئے تیار نہیں ہوا تھا۔

سورۃ الشعراء مکیۃ ... بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ...

طسٓمٓ ﴿١﴾ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ﴿٢﴾ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٣﴾
إِن نَّشَأْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ آيَةً فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِينَ ﴿٤﴾ وَمَا
يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ مُحْدَثٍ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ ﴿٥﴾ فَقَدْ كَذَّبُوا
فَسَيَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٦﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

ط۔ س۔ م۔ یہ واضح کتاب کی آیتیں ہیں۔ شاید تم اپنے کو ہلاک کر ڈالو گے اس پر کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے نشانی اتار دیں۔ پھر ان کی گردنیں اس کے آگے جھک جائیں۔ ان کے پاس رحمان

کی طرف سے کوئی بھی نئی نصیحت ایسی نہیں آتی جس سے وہ بے رخی نہ کرتے ہوں۔ پس انھوں نے جھٹلادیا۔ تو اب عنقریب ان کو اس چیز کی حقیقت معلوم ہوجائے گی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ ۶-۱

---

حق کی دعوت جب ظاہر ہوتی ہے تو وہ ہمیشہ کلام مبین میں ظاہر ہوتی ہے۔ کسی دعوت کے خدائی دعوت ہونے کی یہ بھی ایک علامت ہے کہ اس کی ہر بات واضح ہو۔ اس کی ہر بات کھلے ہوئے دلائل پر مبنی ہو ایک شخص اس کا انکار تو کرسکے مگر کوئی شخص واقعی طور پر یہ کہنے کی پوزیشن میں نہ ہو کہ اس کا پیغام میری سمجھ میں نہیں آیا۔

"شاید تم اپنے آپ کو ہلاک کرلوگے" کا جملہ اس کامل خیر خواہی کو بتارہا ہے جو داعی کو مدعو کے حق میں ہوتی ہے۔ دعوتی عمل خالص خیر خواہی کے جذبہ سے ابلتا ہے۔ اس لئے داعی جب دیکھتا ہے کہ مدعو اس کے پیغام کو نہیں مان رہا ہے تو وہ اس کے غم میں اس طرح ہلکان ہونے لگتا ہے جس طرح ماں اپنے بچہ کی بھلائی کے لئے ہلکان ہوتی ہے۔ قرآن کا یہ جملہ داعیِ قرآن کی خیر خواہانہ کیفیت کی تصدیق ہے نہ کہ اس پر تنقید۔

حق کی دعوت خدا کی دعوت ہوتی ہے۔ خدا وہ طاقت ور ہستی ہے جس کے مقابلہ میں کسی کے لئے انکار وسرکشی کی گنجائش نہ ہو۔ مگر یہ صورت حال خود خدا کے اپنے منصوبہ کی بنا پر ہے۔ خدا کو اپنی جنت میں بسانے کے لئے وہ قیمتی انسان درکار ہیں جو فریب سے بھری ہوئی دنیا میں حق کو پہچانیں اور کسی دباؤ کے بغیر اس کے آگے جھک جائیں۔ ایسے انسانوں کا چناؤ ایسے ہی حالات میں کیا جاسکتا تھا جہاں ہر انسان کو فکر وعمل کی پوری آزادی دی گئی ہو۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿۷﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۹﴾ ع ۵

کیا انھوں نے زمین کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کس قدر طرح طرح کی عمدہ چیزیں اگائی ہیں۔ بے شک اس میں نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ اور بے شک تمہارا رب غالب ہے، رحم کرنے والا ہے۔ ۹-۷

---

مٹی کے اندر سے ہرے بھرے درخت کا نکلنا اتنا ہی عجیب ہے جتنا یہ واقعہ کہ مٹی کے اندر سے اچانک ایک زندہ اونٹ نکل آئے اور زمین پر چلنے پھرنے لگے۔ لوگ دوسری قسم کے واقعہ کو دیکھ کر حیران ہوتے ہیں۔

حالانکہ اس سے زیادہ بڑا واقعہ ہر وقت زمین پر ہو رہا ہے۔ مگر اس میں انھیں کوئی سبق نہیں ملتا۔

اللہ تعالیٰ کو انسان سے جو چیز مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ وہ معمولی واقعات میں چھپے ہوئے غیر معمولی پہلوؤں کو دیکھے۔ وہ اسباب کے تحت پیش آنے والے واقعہ میں خدا کی براہ راست کارفرمائی کا مشاہدہ کرلے۔ جو لوگ اس اعلیٰ بصیرت کا ثبوت دیں وہی وہ لوگ ہیں جو خدا پر ایمان لانے والے ہیں۔ اور وہی وہ لوگ ہیں جو خدا کی ابدی رحمتوں میں داخل کئے جائیں گے۔

وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰ أَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۰﴾ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۚ أَلَا يَتَّقُونَ ﴿۱۱﴾
قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ ﴿۱۲﴾ وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي
فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هَارُونَ ﴿۱۳﴾ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ﴿۱۴﴾

اور جب تمہارے رب نے موسیٰ کو پکارا کہ تم ظالم قوم کے پاس جاؤ، فرعون کی قوم کے پاس، کیا وہ نہیں ڈرتے۔ موسیٰ نے کہا اے میرے رب، مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔ اور میرا سینہ تنگ ہوتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی۔ پس تو ہارون کے پاس پیغام بھیج دے۔ اور میرے اوپر ان کا ایک جرم بھی ہے پس میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ ۱۴ - ۱۰

---

حضرت موسیٰ کو مصر کے فرعون پر دین توحید کی تبلیغ کرنی تھی جو اپنے زمانہ میں دنیا کی سب سے بڑی اور سب سے متمدن سلطنت کا بادشاہ تھا۔ دوسری طرف حضرت موسیٰ کا معاملہ یہ تھا کہ وہ بنی اسرائیل کے فرزند تھے جن کی حیثیت اس وقت کے مصر میں غلاموں اور مزدوروں جیسی تھی۔ قوم فرعون کا ایک شخص حضرت موسیٰ کے ہاتھ سے بلا ارادہ ہلاک ہو گیا تھا۔ مزید یہ کہ حضرت موسیٰ اپنے اندر قوت بیان کی کمی محسوس فرماتے تھے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغام کی پیغام رسانی کے لئے حضرت موسیٰ کا انتخاب فرمایا۔

حقیقت یہ ہے کہ خدا ظاہر سے زیادہ آدمی کے باطن کو دیکھتا ہے۔ اور اگر کسی کے اندر باطنی جوہر موجود ہو تو اسی باطنی جوہر کی بنیاد پر اس کو اپنے دین کے لئے منتخب فرما لیتا ہے۔ باطنی جوہر آدمی کو خود پیش کرنا پڑتا ہے۔ اس کے بعد اگر باعتبار ظاہر کچھ کمی ہو تو وہ خدا کی طرف سے پوری کر دی جاتی ہے۔

قَالَ كَلَّا ۖ فَاذْهَبَا بِآيَاتِنَا ۖ إِنَّا مَعَكُمْ مُسْتَمِعُونَ ﴿۱۵﴾ فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا

رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾

فرمایا کبھی نہیں۔ پس تم دونوں ہماری نشانیوں کے ساتھ جاؤ، ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیں۔ پس تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم خداوند عالم کے رسول ہیں۔ کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے۔ فرعون نے کہا، کیا ہم نے تم کو بچپن میں اپنے اندر نہیں پالا۔ اور تم نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے یہاں گزارے۔ اور تم نے اپنا وہ فعل کیا جو کیا۔ اور تم ناشکروں میں سے ہو۔ ۱۹ - ۱۵

---

خدا جس شخص کو اپنی نمائندگی کے لئے منتخب کرے وہ ہر اعتبار سے خدا کی حفاظت میں ہوتا ہے اسی کے ساتھ اس کے لئے مزید اہتمام یہ کیا جاتا ہے کہ اس کو خصوصی نشانیاں دی جاتی ہیں جو اس بات کی صریح علامت ہوتی ہیں کہ اس کا معاملہ خدا کا معاملہ ہے۔ مگر انسان اتنا ظالم ہے کہ اس کے باوجود وہ اعتراف نہیں کرتا۔

حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کے سلسلہ میں فرعون سے جو مطالبہ کیا اس کا تفصیلی مطلب کیا تھا، اس کے بارے میں قرآن میں کوئی وضاحت موجود نہیں ہے۔ تورات کا بیان اس سلسلہ میں حسب ذیل ہے:

(موسیٰ نے فرعون سے کہا) اب تو ہم کو تین دن کی منزل تک بیابان میں جانے دے۔ تاکہ ہم خداوند اپنے خدا کے لئے قربانی کریں (۴ : ۱۸) میرے لوگوں کو جانے دے تاکہ وہ بیابان میں میرے لئے عید کریں (۵ : ۱) تب فرعون نے موسیٰ اور ہارون کو بلوا کر کہا کہ تم جاؤ اور اپنے خدا کے لئے اسی ملک میں قربانی کرو۔ موسیٰ نے کہا ایسا کرنا مناسب نہیں کیوں کہ ہم خداوند اپنے خدا کے لئے اس چیز کی قربانی کریں گے جس سے مصری نفرت رکھتے ہیں۔ سو اگر ہم مصریوں کی آنکھوں کے آگے اس چیز کی قربانی کریں جس سے وہ نفرت رکھتے ہیں تو کیا وہ ہم کو سنگسار نہ کر ڈالیں گے۔ پس ہم تین دن کی راہ بیابان میں جا کر خداوند اپنے خدا کے لئے جیسا وہ ہم کو حکم دے گا قربانی کریں گے (۸ : ۲۵ - ۲۷)

بائبل کے بیان سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کا یہ سفر ہجرت کے لئے نہیں بلکہ تربیت

کے لئے تھا۔ مصر میں گائے مقدس مانی جاتی تھی۔ صدیوں کے عمل سے بنی اسرائیل بھی اس سے متاثر ہو گئے تھے۔
اب حضرت موسیٰ نے چاہا کہ بنی اسرائیل کو کچھ دنوں کے لئے مصر کے مشرکانہ ماحول سے باہر لے جائیں اور ان کو آزاد فضا میں رکھ کر ان کی تربیت کریں۔

قَالَ فَعَلْتُهَآ إِذًا وَّأَنَا مِنَ الضَّآلِّينَ ﴿٢٠﴾ فَفَرَرْتُ مِنكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِى رَبِّى حُكْمًا وَجَعَلَنِى مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٢١﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَىَّ أَنْ عَبَّدتَّ بَنِىٓ إِسْرَآءِيلَ ﴿٢٢﴾

موسیٰ نے کہا۔ اس وقت میں نے کیا تھا اور مجھ سے غلطی ہوگئی۔ پھر مجھے تم لوگوں سے ڈر لگا تو میں تم سے بھاگ گیا پھر مجھ کو میرے رب نے دانش مندی عطا فرمائی اور مجھ کو رسولوں میں سے بنا دیا۔ اور یہ احسان ہے جو تم مجھ کو جتا رہے ہو کہ تم نے بنی اسرائیل کو غلام بنا لیا۔ ۲۲-۲۰

---

حضرت موسیٰ نے فرعون کے سامنے توحید کی دعوت پیش کی اور عصا اور ید بیضا کا معجزہ دکھایا۔ فرعون نے آپ کی اہمیت گھٹانے کے لئے اس وقت آپ کی سابقہ زندگی کی دو باتیں یاد دلائیں۔ ایک، بچپن میں حضرت موسیٰ کا فرعون کے گھر میں پرورش پانا۔ دوسرے، ایک قبطی کا قتل۔ حضرت موسیٰ نے جواب میں فرمایا کہ تمہارے گھر میں میری پرورش کی نوبت خود تمہارے ظلم کی وجہ سے آئی۔ تم چونکہ بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کر رہے تھے اس لئے میری ماں نے یہ کیا کہ مجھ کو ٹوکری میں رکھ کر بہتے دریا میں ڈال دیا۔ اور اس کے بعد خود تم نے مجھے دریا سے نکالا اور مجھ کو اپنے گھر میں رکھا۔ جہاں تک قبطی کے قتل کا معاملہ ہے تو وہ میں نے ارادۃً نہیں کیا۔ میں نے اپنے اسرائیلی بھائی کی طرف سے قبطی کی جارحیت کا دفاع کیا تھا اور وہ اتفاقاً مر گیا۔

حضرت موسیٰ قبطی کے قتل کے بعد مصر کو چھوڑ کر مدین چلے گئے تھے۔ وہاں وہ کئی برس تک رہے۔ شہری مصنوعی فضا سے نکل کر دیہات کی فطری فضا میں چند سال گزارنا شاید آپ کی تربیت کے لئے ضروری تھا۔ چنانچہ مدین سے نکل کر جب آپ دوبارہ مصر جانے لگے تو راستہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا فرمائی۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَٰلَمِينَ ﴿٢٣﴾ قَالَ رَبُّ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَآ إِن كُنتُم مُّوقِنِينَ ﴿٢٤﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُۥٓ أَلَا تَسْتَمِعُونَ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ ءَابَآئِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٦﴾ قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمُ الَّذِىٓ أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ﴿٢٧﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ

وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢٨﴾ قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلَٰهًا غَيْرِي
لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ ﴿٢٩﴾ قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُبِينٍ ﴿٣٠﴾ قَالَ فَأْتِ
بِهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٣١﴾ فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُبِينٌ ﴿٣٢﴾
ع ۲ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ﴿٣٣﴾ قَالَ لِلْمَلَإِ حَوْلَهُ إِنَّ هَٰذَا
لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿٣٥﴾

فرعون نے کہا کہ رب العالمین کیا ہے۔ موسیٰ نے کہا، آسمانوں اور زمین کا رب اور ان سب کا جو ان کے درمیان ہیں، اگر تم یقین لانے والے ہو۔ فرعون نے اپنے اردگرد والوں سے کہا، کیا تم سنتے نہیں ہو۔ موسیٰ نے کہا وہ تمہارا بھی رب ہے۔ اور تمہارے اگلے بزرگوں کا بھی۔ فرعون نے کہا تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے مجنون ہے۔ موسیٰ نے کہا، مشرق و مغرب کا رب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اگر تم عقل رکھتے ہو۔ فرعون نے کہا، اگر تم نے میرے سوا کسی کو معبود بنایا تو میں تم کو قید کردوں گا۔ موسیٰ نے کہا کیا اگر میں کوئی واضح دلیل پیش کروں تب بھی۔ فرعون نے کہا پھر اس کو پیش کرو اگر تم سچے ہو۔ پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو یکایک وہ ایک صریح اژدھا تھا۔ اور اس نے اپنا ہاتھ کھینچا تو یکایک وہ دیکھنے والوں کے لئے چمک رہا تھا۔ فرعون نے اپنے اردگرد کے سرداروں سے کہا، یقیناً یہ شخص ایک ماہر جادوگر ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو سے تم کو تمہارے ملک سے نکال دے۔ پس تم کیا مشورہ دیتے ہو۔ ۲۳ - ۳۵

---

تمہارا رب العٰلمین کیا ہے —— فرعون کا یہ جملہ دراصل استہزاء تھا نہ کہ سوال۔ مگر حضرت موسیٰ نے کسی جھنجھلاہٹ کے بغیر بالکل معتدل انداز میں اس کا جواب دیا۔ فرعون نے دوبارہ اپنے درباریوں سے یہ کہہ کر حضرت موسیٰ کی تحقیر کی کہ "سنتے ہو، یہ کیا کہہ رہے ہیں"۔ حضرت موسیٰ نے اس کو بھی نظر انداز کیا اور اپنا سلسلہ کلام بدستور جاری رکھا۔ فرعون نے مشتعل ہو کر حضرت موسیٰ کو دیوانہ قرار دیا۔ مگر اب بھی حضرت موسیٰ نے اپنے اعتدال کو نہیں کھویا۔ فرعون نے قید کی دھمکی دی تو حضرت موسیٰ نے اپنی آخری دلیل (معجزہ) کو اس کے سامنے رکھ دیا۔ اب فرعون کے لئے مزید کچھ کہنے کی گنجائش نہ تھی۔ مگر اس نے ہار نہ مانی۔ اس نے حضرت موسیٰ کی اہمیت گھٹانے کے لئے کہا کہ یہ کوئی خدائی واقعہ نہیں۔ یہ تو محض ایک ساحرانہ واقعہ ہے۔ اور ہر جادوگر ایسا کرشمہ دکھا سکتا ہے۔

حضرت موسیٰ کی دعوت سراسر پرامن دعوت تھی۔ اس کا سیاست اور حکومت سے بھی براہ راست کوئی تعلق نہ تھا۔ مگر فرعون نے اپنی قوم کو آپ کے خلاف بھڑکانے کے لئے یہ کہہ دیا کہ وہ ہم کو ہمارے ملک سے نکال دینا چاہتے ہیں۔ فرعون کی غیر سنجیدگی اسی سے واضح ہے کہ حضرت موسیٰ نے تو خود اپنی قوم کو ساتھ لے کر مصر سے باہر جانے کی بات کی تھی۔ مگر فرعون نے اس کو الٹ کر یہ کہہ دیا کہ موسیٰ ہم لوگوں کو مصر سے باہر نکال دینا چاہتے ہیں۔

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾

درباریوں نے کہا کہ اس کو اور اس کے بھائی کو مہلت دیجئے۔ اور شہروں میں ہرکارے بھیجئے کہ وہ آپ کے پاس تمام ماہر جادوگروں کو لائیں۔ پس جادوگر ایک دن مقرر وقت پر اکٹھا کئے گئے اور لوگوں سے کہا گیا کہ کیا تم لوگ جمع ہوگے۔ تاکہ ہم جادوگروں کا ساتھ دیں اگر وہ غالب رہنے والے ہوں۔ پھر جب جادوگر آئے تو انہوں نے فرعون سے کہا، کیا ہمارے لئے کوئی انعام ہے اگر ہم غالب رہے۔ اس نے کہا ہاں، اور تم اس صورت میں مقرب لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے۔

---------- ۴۲-۳۶

فرعون اور اس کے درباریوں نے حضرت موسیٰ کے معاملہ کو صرف جادو کا معاملہ سمجھا۔ اس لئے جادو کے ذریعہ ان کا مقابلہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ان کی سوچ جہاں تک پہنچی وہ صرف یہ تھا کہ ـــــ موسیٰ اگر لکڑی کو سانپ بنا سکتے ہیں تو ہمارے جادوگر بھی لکڑی کو سانپ بنا سکتے ہیں۔ اس سے آگے کی انھیں خبر نہ تھی۔ وہ موسیٰ کے معاملہ کو انسان کا معاملہ سمجھتے تھے اس لئے انسان کے ذریعے اس کا توڑ کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے اس راز کو نہیں جانا کہ موسیٰ کا معاملہ خدا کا معاملہ ہے اور کون انسان ہے جو خدا سے ٹکر لے سکے۔

حضرت موسیٰ اور جادوگروں کے درمیان مقابلہ کے لئے مصریوں کے سالانہ قومی تہوار کا دن مقرر ہوا۔ اور اس کے لئے ایک بہت بڑے میدان کا انتخاب ہوا تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ جمع ہوں اور

زیادہ سے زیادہ جادوگروں کی حوصلہ افزائی کرسکیں۔

قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنتُم مُّلْقُونَ ﴿٤٣﴾ فَأَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا
بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ﴿٤٤﴾ فَأَلْقَىٰ مُوسَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا
يَأْفِكُونَ ﴿٤٥﴾ فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ ﴿٤٦﴾ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٧﴾ رَبِّ
مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿٤٨﴾

موسیٰ نے ان سے کہا کہ تم کو جو کچھ ڈالنا ہو ڈالو۔ پس انھوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں۔ اور کہا کہ فرعون کے اقبال کی قسم ہم ہی غالب رہیں گے۔ پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا تو اچانک وہ اس سوانگ کو نگلنے لگا جو انھوں نے بنایا تھا۔ پھر جادوگر سجدے میں گر پڑے۔ انھوں نے کہا ہم ایمان لائے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ ۴۸-۴۳

---

جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں میدان میں ڈالیں تو دیکھنے والوں کو ایسا محسوس ہوا گویا وہ سانپ بن کر میدان میں دوڑ رہی ہیں۔ مگر یہ کوئی حقیقی تغیر نہ تھا، یہ صرف نظر بندی کا معاملہ تھا۔ اس کے برعکس حضرت موسیٰ کے عصا کا سانپ بننا عصا کا معجزہ خداوندی میں ڈھل جانا تھا۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ کا عصا سانپ بن کر میدان میں چلا تو اچانک اس نے جادوگروں کے سارے طلسم کو باطل کر دیا۔ اس کے بعد جادوگروں کی رسیاں اور لاٹھیاں صرف رسیاں اور لاٹھیاں ہو کر رہ گئیں جیسا کہ وہ حقیقۃً تھیں۔

جادوگروں نے پہلے حضرت موسیٰ کو اپنی طرح کا ایک جادوگر سمجھا تھا۔ مگر تجربہ نے ان کی آنکھیں کھول دیں۔ وہ جادو کے فن کو بخوبی جانتے تھے اس لئے وہ فوراً سمجھ گئے کہ یہ جادوگری نہیں ہے بلکہ پیغمبری ہے۔ تاہم ان کے لئے ممکن تھا کہ اب بھی وہ اعتراف نہ کریں اور حضرت موسیٰ کو رد کرنے کے لئے فرعون کی طرح کچھ جھوٹے الفاظ بول دیں۔ مگر ایک زندہ انسان کے لئے یہ ناممکن ہوتا ہے کہ حق کے پوری طرح کھل جانے کے بعد وہ حق کا اعتراف نہ کرے۔ جادوگر اسی قسم کے زندہ انسان تھے۔ چنانچہ انھوں نے فوراً حضرت موسیٰ کی صداقت کا اعتراف کر لیا۔

قَالَ اٰمَنۡتُمۡ لَهٗ قَبۡلَ اَنۡ اٰذَنَ لَكُمۡ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيۡرُكُمُ الَّذِىۡ عَلَّمَكُمُ السِّحۡرَ ۚ فَلَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ؕ لَاُقَطِّعَنَّ اَيۡدِيَكُمۡ وَاَرۡجُلَكُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۚ قَالُوۡا لَا ضَيۡرَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنۡقَلِبُوۡنَ ۚ اِنَّا نَطۡمَعُ اَنۡ يَّغۡفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَاۤ اَنۡ كُنَّاۤ اَوَّلَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ؕ

فرعون نے کہا، تم نے اس کو مان لیا اس سے پہلے کہ میں تم کو اجازت دوں۔ بے شک وہی تمہارا استاد ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔ پس اب تم کو معلوم ہو جائے گا۔ میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا اور تم سب کو سولی پر چڑھاؤں گا۔ انھوں نے کہا کہ کچھ حرج نہیں۔ ہم اپنے مالک کے پاس پہنچ جائیں گے۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہماری خطاؤں کو معاف کر دے گا۔ اس لئے کہ ہم پہلے ایمان لانے والے بنے۔ ۵۱ - ۴۹

---

جادوگروں کا حضرت موسیٰ پر ایمان لانا فرعون کے لئے زبردست رسوائی کا باعث تھا۔ اس نے اس کے ازالہ کے لئے یہ کیا کہ اس پورے واقعہ کو سازش قرار دے دیا۔ اس نے کہا کہ تم لوگ موسیٰ کے ساتھ ملے ہوئے ہو۔ اور تم نے جان بوجھ کر ان کے مقابلہ میں اپنی شکست کا مظاہرہ کیا ہے تاکہ موسیٰ کی بڑائی لوگوں کے دلوں پر قائم ہو اور تمہارے لئے اپنا مقصد حاصل کرنا آسان ہو جائے۔ فرعون نے جادوگروں کو اپنا یہ فیصلہ سنایا کہ تم لوگوں کو بغاوت کی سزا دی جائے گی۔ تمہارے ہاتھ پاؤں بے ترتیب کاٹ کر تم کو برسرعام سولی پر چڑھا یا جائے گا۔ اس شدید حکم کے باوجود جادوگر بے ہمت نہیں ہوئے۔ وہی جادوگر جو پہلے (آیت ۴۱) فرعون کے اقبال کی قسم کھا رہے تھے اور اس سے انعام واکرام کی درخواست کر رہے تھے انھوں نے بالکل بے خوف ہو کر کہا کہ تم جو چاہے کر و اب ہم موسیٰ کے دین سے ہٹنے والے نہیں ہیں۔ اس عالی ہمتی کا سبب ایمانی دریافت تھی۔ آدمی کسی چیز کا کھونا اس وقت برداشت کرتا ہے جب کہ اس کو کھو کر وہ زیادہ بڑی چیز پا رہا ہو۔ ایمان سے پہلے جادوگروں کے پاس سب سے بڑی چیز فرعون اور اس کا انعام تھا۔ مگر ایمان کے بعد ان کو خدا اور اس کی جنت سب سے بڑی چیز نظر آنے لگی۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان سے پہلے جس چیز کی قربانی وہ برداشت نہیں کرسکتے تھے ایمان کے بعد نہایت خوشی سے وہ اس کی قربانی دینے پر راضی ہو گئے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿٥٢﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي
الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿٥٣﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿٥٤﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا
لَغَآئِظُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿٥٦﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿٥٧﴾ وَّ
كُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿٥٨﴾ كَذٰلِكَ ۭ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿٥٩﴾

اور ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو لے کر رات کو نکل جاؤ۔ بے شک تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ پس فرعون نے شہروں میں ہرکارے بھیجے۔ یہ لوگ تھوڑی سی جماعت ہیں۔ اور انھوں نے ہم کو غصہ دلایا ہے۔ اور ہم ایک مستعد جماعت ہیں۔ پس ہم نے ان کو باغوں اور چشموں سے نکالا، اور خزانوں اور عمدہ مکانات سے۔ یہ ہوا، اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان چیزوں کا وارث بنا دیا۔ ۵۹-۵۲

---

برسوں کی دعوتی جدوجہد کے باوجود فرعون حضرت موسیٰ پر ایمان نہ لایا۔ آخر کار اتمام حجت کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے باہر چلے جائیں۔ فرعون کو جب معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل اجتماعی طور پر مصر سے روانہ ہو گئے ہیں۔ تو اس نے اپنے لشکر اور اپنے اعیان سلطنت کے ساتھ ان کا پیچھا کیا۔ بظاہر فرعون کا یہ اقدام بنی اسرائیل کے خلاف تھا۔ مگر عملاً وہ خود اس کے اپنے خلاف اقدام بن گیا۔ اس طرح فرعون اور اس کے ساتھی اپنی شاندار آبادیوں کو چھوڑ کر وہاں پہنچ گئے جہاں انھیں یکجائی طور پر سمندر میں غرق ہونا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ایک طرف فرعون اور اس کے ساتھیوں کو ان کے ظلم کے نتیجے میں اپنی نعمتوں سے محروم کیا جو انھیں مصر میں حاصل تھیں۔ دوسری طرف بنی اسرائیل کے صالحین کے ساتھ یہ معاملہ فرمایا کہ ان کو ایک مدت کے بعد فلسطین پہنچایا۔ اور وہاں ان کو یہ تمام نعمتیں مزید اضافہ کے ساتھ دے دیں۔

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا
لَمُدْرَكُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿٦٢﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى
اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۭ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿٦٣﴾ وَ
اَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿٦٥﴾ ثُمَّ

اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۶۸﴾

پس انھوں نے سورج نکلنے کے وقت ان کا پیچھا کیا۔ پھر جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا کہ ہم تو پکڑے گئے۔ موسیٰ نے کہا کہ ہرگز نہیں، بے شک میرا رب میرے ساتھ ہے۔ وہ مجھ کو راہ بتلائے گا۔ پھر ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ اپنا عصا دریا پر مارو۔ پس وہ پھٹ گیا اور ہر حصہ ایسا ہو گیا جیسے بڑا پہاڑ۔ اور ہم نے دوسرے فریق کو بھی اس کے قریب پہنچا دیا۔ اور ہم نے موسیٰ کو اور ان سب کو جو اس کے ساتھ تھے بچا لیا۔ پھر دوسروں کو غرق کر دیا۔ بے شک اس کے اندر نشانی ہے۔ اور ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں ہیں۔ اور بے شک تیرا رب زبردست ہے رحمت والا ہے۔ ۶۸ - ۶۰

---

فرعون بنی اسرائیل کا پیچھا کرتے ہوئے وہاں پہنچ گیا جہاں بنی اسرائیل کے آگے سمندر تھا اور پیچھے فرعون اور اس کا لشکر۔ بنی اسرائیل اس نازک صورت حال کو دیکھ کر گھبرا اٹھے۔ بائبل کے بیان کے مطابق وہ موسیٰ سے کہنے لگے "کیا مصر میں قبریں نہ تھیں کہ تو ہم کو وہاں سے مرنے کے لئے بیابان میں لے آیا ہے۔"

مگر حضرت موسیٰ کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر حضرت موسیٰ نے اپنا عصا سمندر کے پانی پر مارا۔ پانی بیچ سے پھٹ گیا۔ دونوں طرف اونچی دیواروں کی مانند پانی کھڑا ہو گیا۔ اور درمیان میں خشک راستہ نکل آیا۔ بنی اسرائیل اس راستہ سے پار ہو کر اگلے کنارہ پر پہنچ گئے۔

یہ منظر دیکھ کر فرعون نے سمجھا کہ وہ بھی اس کھلے ہوئے راستہ سے پار ہو سکتا ہے۔ اس کو معلوم نہ تھا کہ یہ راستہ نہیں ہے بلکہ خدا کا حکم ہے۔ فرعون اپنے پورے لشکر کے ساتھ اس کے اندر داخل ہو گیا۔ جیسے ہی وہ لوگ بیچ میں پہنچے خدا کے حکم سے سمندر کا کھڑا ہوا پانی دونوں طرف سے مل کر برابر ہو گیا۔ فرعون اپنے تمام لشکر کے ساتھ دفعۃً غرق ہو گیا۔ ایک ہی نقشہ میں ایک گروہ کے لئے نجات چھپی ہوئی تھی اور دوسرے گروہ کے لئے ہلاکت۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ

اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿٧١﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿٧٢﴾ اَوْ
يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿٧٣﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٤﴾

اور ان کو ابراہیم کا قصہ سناؤ۔ جب کہ اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو۔ انھوں نے کہا کہ ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور برابر اس پر جمے رہیں گے۔ ابراہیم نے کہا، کیا یہ تمہاری سنتے ہیں جب تم ان کو پکارتے ہو۔ یا وہ تم کو نفع نقصان پہنچاتے ہیں۔ انھوں نے کہا، بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے ہوئے پایا ہے۔ ۶۹-۷۴

---

ایک طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم تھی کہ اس نے باپ دادا کو جو کچھ کرتے ہوئے دیکھا وہی خود بھی کرنے لگی۔ دوسری طرف حضرت ابراہیم تھے جنھوں نے خود اپنی عقل سے سوچا۔ انھوں نے ماحول سے اوپر اٹھ کر سچائی کو معلوم کرنے کی کوشش کی۔ یہی وہ صفت خاص ہے جو آدمی کو خدا کی معرفت تک پہنچاتی ہے۔ اور اسی صفت میں جو کمال درجہ پر ہو اس کو خدا اپنے دین کی پیغام بری کے لئے منتخب فرماتا ہے۔

"ہم اپنے بتوں پر جمے رہیں گے" کا لفظ بتاتا ہے کہ حضرت ابراہیم سے گفتگو میں انھوں نے اپنے آپ کو بے دلیل پایا۔ اس کے باوجود وہ ماننے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ دلیل کی سطح پر شکست کھانے کے باوجود وہ تعصب کی سطح پر اپنے آبائی دین پر قائم رہے۔

قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٥﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ
لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٧﴾ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿٧٨﴾ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَ
يَسْقِيْنِ ﴿٧٩﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿٨٠﴾ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿٨١﴾
وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٨٢﴾

ابراہیم نے کہا، کیا تم نے ان چیزوں کو دیکھا بھی جن کی عبادت کرتے ہو، تم بھی اور تمہارے بڑے بھی۔ یہ سب میرے دشمن ہیں سوا ایک خداوند عالم کے جس نے مجھے پیدا کیا، پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے۔ اور جو مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔ اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے۔ اور جو مجھ کو موت دے گا پھر مجھ کو زندہ کرے گا۔ اور وہ جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ بدلے کے دن میری خطا معاف کرے گا۔ ۷۵-۸۲

پارہ ۱۹

انسان ایک مستقل ہستی کے طور پر دنیا میں آتا ہے۔ اس کے اندر عقل ہے جو خیر اور شر میں فرق کرتی ہے، جو جزئیات سے کلیات اخذ کرتی ہے اور محسوسات سے معقولات تک پہنچ جاتی ہے۔ آدمی کے لئے یہاں نہایت اعلیٰ درجہ پر وہ چیزیں موجود ہیں جو اس کو مسلسل رزق فراہم کرتی ہیں۔ آدمی بیمار ہوتا ہے تو وہ پاتا ہے کہ یہاں وہ اسباب بھی مکمل طور پر موجود ہیں جن سے فن علاج وجود میں آسکے۔ پھر آدمی دیکھتا ہے کہ بظاہر ساری آزادی کے باوجود وہ موت کے سامنے بے بس ہے۔ وہ ایک خاص عمر کو پہنچ کر مرجاتا ہے۔

ان واقعات کا تعلق ایک خدا کے سوا کسی اور سے نہیں ہو سکتا، پھر کیسے جائز ہے کہ ایک خدا کے سوا کسی اور کی عبادت کی جائے۔ مزید یہ کہ اس معاملہ میں آدمی کو حد درجہ سنجیدہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ یہی واقعات یہ اشارہ بھی کر رہے ہیں کہ جو خدا یہ سب کر رہا ہے وہ انسان سے حساب لینے کے لئے اس کو ایک روز اپنے یہاں بلائے گا۔ موت اسی بلاوے کے عمل کا آغاز ہے۔

رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ﴿٨٣﴾ وَاجْعَل لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ﴿٨٤﴾ وَاجْعَلْنِي مِن وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ﴿٨٥﴾ وَاغْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ ﴿٨٦﴾ وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ﴿٨٧﴾ يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٨٩﴾

اے میرے رب، مجھ کو حکمت عطا فرما اور مجھ کو نیک لوگوں میں شامل فرما۔ اور میرا بول سچا رکھ بعد کے آنے والوں میں۔ اور مجھے باغ نعمت کے وارثوں میں سے بنا۔ اور میرے باپ کو معاف فرما بے شک وہ گمراہوں میں سے ہے۔ اور مجھ کو اس دن رسوا نہ کر جب کہ لوگ اٹھائے جائیں گے۔ جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد۔ مگر وہ جو اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر آئے۔ ۸۹-۸۳

---

اس آیت میں "حکم" سے مراد فہم صحیح ہے۔ یعنی چیزوں کو ویسا ہی دیکھنا جیسا کہ وہ فی الواقع ہیں۔ نبوت کے بعد کسی بندۂ خدا کے لئے یہ سب سے بڑی نعمت ہے۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ —— من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین (اللہ جس شخص کے لئے خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی سمجھ دے دیتا ہے)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعائیں جو باتیں کہیں وہ سب قبول ہوگئیں۔ مگر اپنے باپ (آزر) کی مغفرت کی دعا قبول نہیں ہوئی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دعا تمام تر خدا اور بندے کے درمیان کا معاملہ ہے۔ کسی شخص کی دعا کسی دوسرے شخص کو مغفرت نہیں دلا سکتی۔

اللہ تعالیٰ کے یہاں اصل قیمت "قلب سلیم" کی ہے۔ قلب سلیم سے مراد قلب صحیح یا پاک دل ہے یعنی وہ دل جو شرک اور نفاق اور حسد اور بغض کے جذبات سے پاک ہو۔ بالفاظ دیگر خدا نے پیدائشی طور پر جو دل آدمی کو دیا تھا وہی دل لے کر وہ خدا کے یہاں پہنچے۔ کوئی دوسرا دل لے کر وہ خدا کے یہاں حاضر نہ ہو۔

وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٩٠﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ ﴿٩١﴾ وَقِيلَ لَهُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ
تَعْبُدُونَ ﴿٩٢﴾ مِنْ دُونِ اللَّهِ هَلْ يَنْصُرُونَكُمْ أَوْ يَنْتَصِرُونَ ﴿٩٣﴾ فَكُبْكِبُوا فِيهَا هُمْ
وَالْغَاوُونَ ﴿٩٤﴾ وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ ﴿٩٥﴾ قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ﴿٩٦﴾ تَاللَّهِ
إِنْ كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٩٧﴾ إِذْ نُسَوِّيكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٩٨﴾ وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا
الْمُجْرِمُونَ ﴿٩٩﴾ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِينَ ﴿١٠٠﴾ وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً
فَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٢﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٠٣﴾
وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٠٤﴾ ع

اور جنت ڈرنے والوں کے قریب لائی جائے گی۔ اور جہنم گمراہوں کے لئے ظاہر کی جائے گی۔ اور ان سے کہا جائے گا کہاں ہیں وہ جن کی تم عبادت کرتے تھے، اللہ کے سوا۔ کیا وہ تمہاری مدد کریں گے۔ یا وہ اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں۔ پھر اس میں اوندھے منھ ڈال دئے جائیں گے، وہ اور گمراہ لوگ اور ابلیس کا لشکر، سب کے سب۔ وہ اس میں باہم جھگڑتے ہوئے کہیں گے۔ خدا کی قسم، ہم کھلی ہوئی گمراہی میں تھے جب کہ ہم تم کو خداوند عالم کے برابر کرتے تھے۔ اور ہم کو تو بس مجرموں نے راستہ سے بھٹکایا۔ پس اب ہمارا کوئی سفارشی نہیں۔ اور نہ کوئی مخلص دوست۔ پس کاش ہم کو پھر واپس جانا ہو کہ ہم ایمان والوں میں سے بنیں۔ بے شک اس میں نشانی ہے۔ اور ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔ اور بے شک تیرا رب زبردست ہے، رحمت والا ہے ۹۰-۱۰۴

آدمی کی جنت اور جہنم آدمی سے دور نہیں۔ دونوں کے درمیان صرف ایک پردہ حائل ہے۔ قیامت جب اس پردہ کو ہٹائے گی تو ہر آدمی دیکھے گا کہ وہ عین اپنی جنت یا عین اپنی جہنم کے کنارے کھڑا ہوا تھا۔ اگرچہ غافل انسان اس کو بہت دور کی چیز سمجھ رہا تھا۔

"مجرمین" سے مراد یہاں جھوٹے لیڈر ہیں۔ یہ لوگ اپنے وقت کے سماج میں بڑائی کا مقام حاصل کئے ہوئے تھے۔ انھوں نے دعوت حق کو صرف اس لئے قبول نہیں کیا کہ اس کے بعد ان کی بڑائی ختم ہو جائے گی۔ ان کا کبران کے لئے حق کے اعتراف میں رکاوٹ بن گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے پیرو بھی دعوت حق کو قابل لحاظ چیز نہ سمجھ سکے۔

" لیڈروں کو خداوند عالم کے برابر کرنا " یہ ہے کہ ان کی بات کو وہ درجہ دیا جائے جو خداوند عالم کی بات کا درجہ ہوتا ہے۔ مفسر ابن کثیر نے اس کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے: ای نجعل امرکم مطاعاً کما یطاع امر رب العٰلمین (یعنی ہم تمہارے حکم کی اطاعت اس طرح کرتے رہے جس طرح رب العٰلمین کے حکم کی اطاعت کی جاتی ہے) وہ لوگ جو دنیا میں اپنے لیڈروں کی بات کو خدا کی بات کی طرح مانتے تھے وہ آخرت میں اپنے لیڈروں کو خود اپنی زبان سے مجرم کہیں گے۔ مگر اس کا انھیں کوئی فائدہ نہیں ملے گا۔ کیونکہ مجرم اور حق پرست کو پہچاننے کی جگہ دنیا تھی نہ کہ آخرت۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٠٥﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٠٦﴾ إِنِّي لَكُمْ
رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٠٧﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٠٨﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ
إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١١٠﴾ قَالُوا أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ
الْأَرْذَلُونَ ﴿١١١﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِي بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١١٢﴾ إِنْ حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّي
لَوْ تَشْعُرُونَ ﴿١١٣﴾ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٤﴾ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿١١٥﴾

نوح کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔ جب کہ ان کے بھائی نوح نے ان سے کہا، کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔ میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں۔ پس تم لوگ اللہ سے ڈرو۔ اور میری بات مانو۔ اور میں اس پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو صرف اللہ رب العٰلمین کے ذمہ ہے۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ انھوں نے کہا کیا ہم تم کو مان لیں۔ حالاں کہ تمہاری پیروی رذیل لوگوں نے کی ہے۔ نوح نے کہا کہ مجھ کو کیا خبر جو وہ کرتے رہے ہیں۔ ان کا حساب

تو میرے رب کے ذمہ ہے، اگر تم سمجھو۔ اور میں مومنوں کو دور کرنے والا نہیں ہوں۔ میں تو بس ایک کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں۔ ۱۱۵ - ۱۰۵

---

حضرت نوح کی قوم نے ان کو جھٹلایا۔ حالانکہ ان کی دعوت میں دلیل کا وزن پوری طرح موجود تھا۔ اسی کے ساتھ ان کی سیرت ان کی صداقت کی تصدیق کر رہی تھی۔ حضرت نوح کے بارے میں ان کی قوم کے لوگ جانتے تھے کہ وہ ایک سچے اور امانت دار آدمی ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ حضرت نوح جو دعوت دے رہے ہیں اس سے ان کا کوئی ذاتی مفاد وابستہ نہیں۔ یہ خصوصیات حضرت نوح کو سنجیدہ ثابت کرنے کے لئے کافی تھیں۔ اور جو آدمی مخلوق کے بارہ میں سنجیدہ ہو، وہ خالق کے بارہ میں غیر سنجیدہ نہیں ہو سکتا۔

حضرت نوح کی قوم نے آپ کی دعوت کو ماننے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ اس انکار کے لئے ان کے پاس غیر متعلق باتوں کے سوا کوئی چیز موجود نہ تھی۔ کسی دعوت کو رد کرنے کے لئے یہ کہنا کہ اس کا ساتھ دینے والے معمولی لوگ ہیں۔ یہ دعوت کی تردید نہیں بلکہ خود اپنی تردید ہے۔ کیوں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی دلیل کے اعتبار سے اس دعوت کے حق میں کچھ کہنے کی گنجائش نہیں پاتا۔ تاہم وہ صرف اس لئے اس کا ساتھ دینا نہیں چاہتا کہ اس میں معمولی قسم کے لوگ جمع ہیں۔ اس کو یہ امید نہیں کہ اس کے حلقہ میں شامل ہونے کے بعد اس کو کوئی بڑا مقام حاصل ہو سکے گا۔

قَالُوا لَئِن لَّمْ تَنتَهِ يَا نُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ﴿١١٦﴾ قَالَ رَبِّ إِنَّ قَوْمِي
كَذَّبُونِ ﴿١١٧﴾ فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي وَمَن مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٨﴾
فَأَنجَيْنَاهُ وَمَن مَّعَهُ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿١١٩﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبَاقِينَ ﴿١٢٠﴾ إِنَّ
فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٢١﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ
الرَّحِيمُ ﴿١٢٢﴾ ع ۱۸/۱۰

انھوں نے کہا کہ اے نوح اگر تم باز نہ آئے تو ضرور سنگسار کر دئے جاؤ گے۔ نوح نے کہا کہ اے میرے رب، میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا۔ پس تو میرے اور ان کے درمیان واضح فیصلہ فرما دے۔ اور مجھ کو اور جو مومن میرے ساتھ ہیں ان کو نجات دے۔ پھر ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو ایک بھری ہوئی کشتی میں بچا لیا۔ پھر اس کے بعد ہم نے باقی لوگوں کو غرق کر دیا۔ یقیناً اس کے اندر نشانی ہے، اور ان میں سے اکثر لوگ ماننے والے

نہیں۔ اور بے شک تیرا رب وہی زبردست ہے، رحمت والا ہے۔ ۱۲۲-۱۱۶

---

حضرت نوح صدیوں تک اپنی قوم کے لوگوں کو حق کی طرف بلاتے رہے۔ مگر انھوں نے آپ کی بات نہ مانی۔ حتیٰ کہ آخر کار انھوں نے فیصلہ کیا کہ سب لوگ مل کر نوح کو پتھر ماریں، یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو جائیں اور پھر صبح و شام ان کی بات سننے سے نجات مل جائے۔ جب قوم اس حد کو پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوا کہ اب اس قوم کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا یہی فیصلہ ہے جو حضرت نوح کی دعا کی شکل میں ظاہر ہوا۔

اللہ کے حکم سے حضرت نوح نے ایک بڑی کشتی بنائی۔ اس میں حضرت نوح کے تمام ساتھی اور ہر قسم کے جانوروں کا ایک ایک جوڑا رکھ لیا گیا۔ اس کے بعد اللہ نے شدید طوفان بھیجا۔ زمین سے پانی ابلنے لگا اور اوپر سے مسلسل بارش ہونے لگی۔ یہاں تک کہ کشتی کے سوا ساری زندہ مخلوق فنا ہو گئی۔ یہ ایک تاریخی مثال ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دنیا میں نجات صرف اہل ایمان کے لئے ہے اور باقی لوگوں کے لئے یہاں ہلاکت کے سوا کچھ اور مقدر نہیں۔

كَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٢٣﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٢٤﴾ إِنِّي لَكُمْ
رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٢٥﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٢٦﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ
إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٢٧﴾ أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ﴿١٢٨﴾ وَتَتَّخِذُونَ
مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ﴿١٢٩﴾ وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ ﴿١٣٠﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ
وَأَطِيعُونِ ﴿١٣١﴾ وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ ﴿١٣٢﴾ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ ﴿١٣٣﴾
وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٣٤﴾ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٣٥﴾

عاد نے رسولوں کو جھٹلایا۔ جب کہ ان کے بھائی ہود نے ان سے کہا کہ کیا تم لوگ ڈرتے نہیں۔ میں تمہارے لئے ایک معتبر رسول ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ اور میں اس پر تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا۔ میرا بدلہ صرف خداوند عالم کے ذمہ ہے۔ کیا تم ہر اونچی زمین پر لاحاصل ایک یادگار عمارت بناتے ہو اور بڑے بڑے محل تعمیر کرتے ہو۔ گویا تمہیں ہمیشہ رہنا ہے۔ اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو تو جبار بن کر ڈالتے ہو۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ اور اس اللہ سے ڈرو جس نے ان چیزوں سے تمہیں مدد پہنچائی جن کو تم جانتے ہو۔ اس نے تمہاری

مدد کی چوپایوں اور اولاد سے اور باغوں اور چشموں سے۔ میں تمہارے اوپر ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ ۱۳۵-۱۲۳

---

عاد وہ قوم ہے جس کو قوم نوح کی تباہی کے بعد دنیا میں عروج ملا (الاعراف ۶۹) اس قوم کو اللہ تعالیٰ نے صحت، فارغ البالی اور اقتدار ہر چیز عطا فرمائی۔ ان چیزوں پر اگر وہ شکر کرتے تو ان کے اندر تواضع کا جذبہ ابھرتا۔ مگر انھوں نے اس پر فخر کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے لئے اپنے وسائل کا سب سے زیادہ پسندیدہ مصرف یہ بن گیا کہ وہ اپنے معیار زندگی کو بڑھائیں۔ وہ اپنے نام کو اونچا کریں۔ وہ اپنی عظمت کے سنگی نشانات قائم کرنے کو سب سے بڑا کام سمجھنے لگیں۔

ایسے لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب انھیں کسی سے اختلاف یا شکایت ہو جائے تو ان کی متکبرانہ نفسیات انھیں کسی حد پر رکنے نہیں دیتی۔ وہ اس کے خلاف ہر بے انصافی کو اپنے لئے جائز کر لیتے ہیں۔ وہ اس کو اپنی پوری طاقت سے پیس ڈالنا چاہتے ہیں۔ دنیا کی درستگی انھیں آخرت کی پکڑ سے بے خوف کر دیتی ہے۔ اور جو شخص اپنے آپ کو آخرت کی پکڑ سے محفوظ سمجھ لے، دوسرے لوگ اس کی پکڑ سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔

جن لوگوں کو خوش حالی اور برتری حاصل ہو جائے ان کے اندر اپنے بارہ میں جھوٹا اعتماد پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ جھوٹا اعتماد ان کے لئے اپنے سے باہر کی صداقت کو سمجھنے میں مانع بن جاتا ہے۔ وہ ناصح کی بات کو اہمیت نہیں دیتے، خواہ وہ کتنا ہی قابل اعتبار کیوں نہ ہو، خواہ وہ خدا کا رسول ہی کیوں نہ ہو۔ ایسے لوگ اسی وقت مانتے ہیں جب کہ خدا کا عذاب انھیں ماننے پر مجبور کر دے۔

قَالُوا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ أَوَعَظْتَ أَمْ لَمْ تَكُن مِّنَ ٱلْوَٰعِظِينَ ﴿١٣٦﴾ إِنْ هَٰذَآ إِلَّا خُلُقُ
ٱلْأَوَّلِينَ ﴿١٣٧﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿١٣٨﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَٰهُمْ ۗ إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَءَايَةً ۖ وَمَا
كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلرَّحِيمُ ﴿١٤٠﴾ ع

انھوں نے کہا۔ ہمارے لئے برابر ہے، خواہ تم نصیحت کرو یا نصیحت کرنے والوں میں سے نہ بنو۔ یہ تو بس اگلے لوگوں کی ایک عادت ہے۔ اور ہم پر ہرگز عذاب آنے والا نہیں ہے۔ پس انھوں نے اس کو جھٹلا دیا، پھر ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ بے شک اس کے اندر نشانی ہے۔ اور ان میں سے اکثر لوگ ماننے والے نہیں ہیں۔ اور بے شک تمہارا رب وہ زبردست ہے رحمت والا ہے۔ ۱۴۰-۱۳۶

قوم عاد کا جھوٹا اعتماد اس کے لئے پیغمبر کی بات کو ماننے میں رکاوٹ بن گیا حتی کہ وہ اس کے پیغام کا مذاق اڑاتی رہی۔ وہ دنیا میں اپنی خوش حالی کو اس بات کی علامت سمجھتی رہی کہ وہ خدا کی انعام یافتہ ہے وہ لوگ اس راز کو نہ سمجھ سکے کہ دنیا کا اثاثہ آدمی کو بطور امتحان ملتا ہے نہ کہ بطور استحقاق۔

جب آخری طور پر ثابت ہوگیا کہ وہ حق کو ماننے والے نہیں ہیں تو خدا نے طوفانی ہوا اور شدید بارش بھیجی جو ایک ہفتہ تک مسلسل اپنی تمام خوفناکیوں کے ساتھ سات دن جاری رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پوری قوم اپنے شاندار تمدن سمیت برباد ہو کر رہ گئی۔ اس قوم کا نشان اب صرف وہ ریگستان ہے جو موجودہ عمان اور یمن کے درمیان دور تک پھیلا ہوا ہے۔ قدیم زمانہ میں یہ علاقہ نہایت شاداب اور آباد تھا۔ مگر اب وہاں کسی قسم کی زندگی نہیں پائی جاتی۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٤١﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٤٢﴾ إِنِّي لَكُمْ
رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٤٣﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٤٤﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ
أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٤٥﴾ أَتُتْرَكُونَ فِي مَا هَاهُنَا آمِنِينَ ﴿١٤٦﴾ فِي جَنَّاتٍ
وَعُيُونٍ ﴿١٤٧﴾ وَزُرُوعٍ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ ﴿١٤٨﴾ وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا
فَارِهِينَ ﴿١٤٩﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٥٠﴾ وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ﴿١٥١﴾ الَّذِينَ
يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿١٥٢﴾

ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا۔ جب ان کے بھائی صالح نے ان سے کہا، کیا تم ڈرتے نہیں۔ میں تمہارے لئے ایک معتبر رسول ہوں۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ اور میں تم سے اس پر کوئی بدلہ نہیں مانگتا۔ میرا بدلہ صرف خداوند عالم کے ذمہ ہے۔ کیا تم کو ان چیزوں میں بے فکری سے رہنے دیا جائے گا جو یہاں ہیں، باغوں اور چشموں میں۔ اور کھیتوں اور رس بھرے خوشوں والے کھجوروں میں۔ اور تم پہاڑ کھود کر فخر کرتے ہوئے مکان بناتے ہو۔ پس اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو اور حد سے گزر جانے والوں کی بات نہ مانو جو زمین میں خرابی کرتے ہیں۔ اور اصلاح نہیں کرتے۔ ۱۵۲ - ۱۴۱

---

عاد کے بعد دوسری قوم جس کو عروج ملا وہ ثمود کی قوم تھی (الاعراف ۷۴) اس قوم کی آبادیاں خیبر اور تبوک کے درمیان اس علاقہ میں تھیں جس کو الحجر کہا جاتا ہے۔ اس قوم کو بھی زبردست خوش حالی اور غلبہ حاصل ہوا۔

مگر اس کے افراد کی بھی ساری توجہ دوبارہ صرف مادی ترقی کی طرف لگ گئی۔ پہاڑوں کو کاٹ کر بڑے بڑے مکان بنانے کا فن غالباً اسی قوم نے شروع کیا۔ جس کی زیادہ ترقی یافتہ صورت ایجنٹا اور ایلورا کے غاروں کی شکل میں پائی جاتی ہے۔

ہر شخص اور ہر گروہ جس کو دنیا کا سازوسامان ملتا ہے وہ اس غلط فہمی میں پڑ جاتا ہے کہ یہ سب اس کا حق ہے اور وہ جس طرح چاہے اسے استعمال کرے۔ مگر یہ سب سے بڑی بھول ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کا اسباب صرف امتحان کی مدت تک کے لئے ہے۔ اس کے بعد وہ اس طرح چھین لیا جائے گا کہ آدمی کے پاس ان میں سے کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔

حد سے گزرنے والا (مسرف) وہ شخص ہے جس کے پاس دولت آئے تو وہ شکر کے بجائے فخر کی نفسیات میں مبتلا ہو جائے۔ وہ اقتدار پائے تو تواضع کے بجائے گھمنڈ کرنے لگے۔ اس کو عہدہ دیا جائے تو وہ اس کو خدمت کے بجائے اپنا نام بلند کرنے کے لئے استعمال کرے۔ مواقع کے یہی غلط استعمالات ہیں جو معاشرہ میں بگاڑ پیدا کرتے ہیں۔ قوم ثمود کے بڑے لوگ اسی قسم کے اسراف میں مبتلا تھے۔ اور ان کے عوام ان کی پیروی کر رہے تھے۔ پیغمبر نے انھیں متنبہ کیا کہ یہ لوگ جن کو تم بڑا سمجھتے ہو وہ تو خود بے راہ ہیں پھر وہ تم کو کیسے راستہ دکھائیں گے۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰیَةٍ اِنْ كُنْتَ
مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا
بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابُ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِیْنَ ﴿۱۵۷﴾
فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ
لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۵۹﴾ ع ۸ ۱۹ ۱۲

انھوں نے کہا، تم پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے۔ تم صرف ہمارے جیسے ایک آدمی ہو، پس تم کوئی نشانی لاؤ اگر تم سچے ہو، صالح نے کہا یہ ایک اونٹنی ہے۔ اس کے لئے پانی پینے کی ایک باری ہے۔ اور ایک مقرر دن کی باری تمہارے لئے ہے۔ اور اس کو برائی کے ساتھ مت چھیڑنا ورنہ ایک بڑے دن کا عذاب تم کو پکڑ لے گا۔ پھر انھوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا پھر پشیماں ہو کر رہ گئے۔ پھر ان کو عذاب نے پکڑ لیا۔ بیشک اس میں نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں۔ اور بے شک تمہارا رب وہ زبردست ہے، رحمت والا ہے۔ ۱۵۳-۱۵۹

پیغمبر جس قوم میں اٹھتا ہے وہ کوئی لا مذہب قوم نہیں ہوتی۔ وہ پورے معنوں میں ایک مذہبی قوم ہوتی ہے۔ مگر یہ مذہب اس کے بزرگوں کا مذہب ہوتا ہے اور پیغمبر خدا کا مذہب پیش کرتا ہے۔ جو لوگ اپنے بزرگوں کے طریقے کو مقدس سمجھ کر اس پر قائم ہوں وہ کبھی کسی دوسرے طریقے کی اہمیت نہیں سمجھ پاتے، خواہ وہ ان کے پیغمبر کی زبان سے کیوں نہ پیش کیا جائے۔ بزرگوں کے طریقے سے انحراف قوم کی نظر میں اتنا سخت تھا کہ اس نے حضرت صالح کو دیوانہ قرار دے دیا۔ یہ کشمکش لمبی مدت تک جاری رہی۔ آخر انھوں نے مطالبہ کیا کہ کوئی معجزہ دکھاؤ۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک معجزہ ظاہر ہوا۔ جو بیک وقت معجزہ بھی تھا اور قوم کے حق میں خدا کی عدالت بھی۔ یہ ایک اونٹنی تھی جو خرق عادت کے طور پر ظہور میں آئی۔ حضرت صالح نے کہا کہ یہ خدا کی اونٹنی ہے۔ یہ تمہارے کھیتوں اور باغوں میں آزادانہ طور پر گھومے گی اور پانی کا گھاٹ ایک دن صرف اس کے لئے خاص ہوگا۔ قوم نے کچھ دن تک اس اونٹنی کو برداشت کیا اس کے بعد اس کے ایک سرکش آدمی نے اس کو مار ڈالا۔ اس کے صرف تین دن کے بعد پوری قوم شدید زلزلہ سے ہلاک کر دی گئی۔

اونٹنی کو ہلاک کرنے کا جرم قوم کے ایک شخص نے کیا تھا مگر جمع کے صیغہ میں فرمایا کہ انھوں نے اس کو ہلاک کر ڈالا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہلاک کرنے کے وقت نہ تو قوم کے لوگوں نے اسے روکا اور نہ بعد کو اپنے اس آدمی کو برا کہا۔ سارے لوگ اس کی حمایت میں حضرت صالح کے خلاف بولتے رہے۔ ہلاک کرنے والے نے اگر اپنے ہاتھ سے جرم کیا تھا تو بقیہ لوگ دل اور زبان سے اس کے ساتھ شریک جرم تھے۔ اس لئے خدا کی نظر میں سب کے سب مجرم قرار پائے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٦٠﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٦١﴾ إِنِّي لَكُمْ
رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٦٣﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ
إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٤﴾ أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٥﴾ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ
مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ﴿١٦٦﴾

لوط کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔ جب ان کے بھائی لوط نے ان سے کہا، کیا تم ڈرتے نہیں۔ میں تمہارے لئے ایک معتبر رسول ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ میں اس پر تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا، میرا بدلہ تو خداوند عالم کے ذمہ ہے۔ کیا تم دنیا والوں میں سے مردوں کے پاس جاتے ہو۔ اور تمہارے رب نے تمہارے لئے جو بیویاں پیدا کی ہیں ان کو چھوڑتے ہو، بلکہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو۔ ۱۶۶ - ۱۶۰

حضرت لوط جس قوم میں آئے وہ شہوت پرستی میں حد کو پار کر گئی تھی۔ ان کے لئے ان کی بیویاں کافی نہ تھیں وہ نوجوان لڑکوں سے مباشرت کا فعل کرنے لگے تھے۔ حضرت لوط نے انھیں خدا پرستی اور تقویٰ کی تعلیم دی اور برے افعال سے انھیں منع کیا۔

حضرت لوط ان کے درمیان ایک ایسے داعی کی حیثیت سے اٹھے جس کی شخصیت جھوٹ اور فضول گوئی سے صدفی صد پاک تھی۔ قوم سے مادی مفاد کا جھگڑا چھیڑنے سے بھی انھوں نے مکمل پرہیز کیا۔ یہ واقعات یہ ثابت کرنے کے لئے کافی تھے کہ حضرت لوط جو کچھ کہہ رہے ہیں پوری سنجیدگی کے ساتھ کہہ رہے ہیں۔ مگر چونکہ آپ کی بات قوم کی روش کے خلاف تھی وہ آپ کے دشمن ہوگئے۔ حضرت لوط کی بات کو وزن دینے کے لئے ضروری تھا کہ لوگوں کے اندر خدا کا خوف ہو۔ مگر یہی وہ چیز تھی جس سے ان کی قوم کے لوگ پوری طرح خالی ہوچکے تھے۔ پھر وہ پیغمبر کی بات پر دھیان دیتے تو کس طرح دیتے۔

قَالُوا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾ قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾
رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي
الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ
الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾ ع ۹ / ۱۲

انھوں نے کہا کہ اے لوط، اگر تم باز نہ آئے تو ضرور تم نکال دئے جاؤ گے۔ اس نے کہا میں تمہارے عمل سے سخت بیزار ہوں۔ اے میرے رب، تو مجھ کو اور میرے گھر والوں کو ان کے عمل سے نجات دے۔ پس ہم نے اس کو اور اس کے سب گھر والوں کو بچا لیا۔ مگر ایک بڑھیا کہ وہ رہنے والوں میں رہ گئی۔ پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا۔ اور ہم نے ان پر برسایا ایک مینہ۔ پس کیسا برا مینہ تھا جو ان پر برسا جن کو ڈرایا گیا تھا۔ بے شک اس میں نشانی ہے۔ اور ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں۔ اور بے شک تیرا رب وہ زبردست ہے، رحمت والا ہے۔

۱۶۷ - ۱۷۵

بحیرۂ مردار (Dead Sea) کے جنوب اور مشرق کا علاقہ آج ویران حالت میں نظر آتا ہے۔ مگر ۱۹۰۰ - ۲۳۰۰ ق م کے زمانہ میں وہ نہایت سرسبز علاقہ تھا۔ قوم لوط اسی علاقہ میں آباد تھی۔ حضرت لوط کی مسلسل تبلیغ کے باوجود انھوں نے اپنی اصلاح نہیں کی حتیٰ کہ وہ آپ کو قتل کرنے کے درپے ہوگئے۔ اس

وقت انھیں زبردست زلزلہ کے ذریعہ ہلاک کر دیا گیا۔ اس برباد شدہ علاقہ کا ایک حصہ بحر مردار کے نیچے دفن ہے اور ایک حصہ کھنڈر بنا ہوا پڑا ہے۔ یہ واقعہ اب سے چار ہزار سال پہلے پیش آیا۔

حضرت لوطؑ کی بیوی اپنے آپ کو قومی روایات سے اوپر نہ اٹھا سکی۔ وہ پیغمبر کی بیوی ہونے کے باوجود اپنے قومی مذہب کی وفادار بنی رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب خدا کا عذاب آیا تو وہ بھی عام منکرین کے ساتھ ہلاک کر دی گئی۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧٦﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٧٧﴾ اِنِّیْ لَكُمْ
رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٧٨﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٧٩﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ
اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٨٠﴾ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿١٨١﴾ وَزِنُوْا
بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿١٨٢﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ
مُفْسِدِيْنَ ﴿١٨٣﴾ وَاتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٨٤﴾

اصحاب ایکہ نے رسولوں کو جھٹلایا۔ جب شعیب نے ان سے کہا کیا تم ڈرتے نہیں۔ میں تمہارے لئے ایک معتبر رسول ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ اور میں اس پر تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا۔ میرا بدلہ خداوند عالم کے ذمہ ہے۔ تم لوگ پورا پورا ناپو اور نقصان دینے والوں میں سے نہ بنو۔ اور سیدھی ترازو سے تولو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔ اور اس ذات سے ڈرو جس نے تم کو پیدا کیا ہے اور گزشتہ نسلوں کو بھی۔ ١٧٦-١٨٤

---

"ایکہ" کے لفظی معنی جنگل کے ہیں۔ یہ تبوک کا پرانا نام ہے۔ قوم شعیب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھی۔ وہ جس علاقہ میں آباد ہوئی، اس کا مرکزی شہر تبوک تھا۔ اسی لئے قرآن میں اس کو اصحاب ایکہ کہا گیا ہے۔

تمام اخلاقی اور معاشرتی خرابیوں کی جڑ "میزان" میں فرق کرنا ہے۔ صحیح میزان (ترازو) یہ ہے کہ آدمی دوسروں کو وہ دے جو از روئے حق انھیں دینا چاہئے۔ اور اپنے لئے وہ لے جو از روئے حق اسے لینا چاہئے۔ یہی خدائی میزان ہے۔ جب اس میزان میں فرق کیا جاتا ہے تو اسی وقت اجتماعی زندگی میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ تاہم اس میزان پر قائم ہونے کا راز اللہ کا خوف ہے۔ اگر اللہ کا ڈر دل سے نکل جائے تو کوئی چیز

آدمی کو میزان پر قائم نہیں رکھ سکتی۔

خدا کی طرف سے جتنے رسول آئے سب نے اپنی مخاطب قوموں سے کہا کہ انی لکم رسول امین (میں تمہارے لئے ایک معتبر رسول ہوں) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ داعی کے اندر اعتباریت کی صفت لازمی طور پر موجود ہونا چاہئے۔ اسی اعتباریت کا ایک پہلو یہ ہے کہ داعی اپنی مدعو قوم سے معاشی اور مادی جھگڑا نہ چھیڑے تاکہ اس کی بے غرض مقصدیت مشتبہ نہ ہو۔ یہ اعتباریت اتنی اہم ہے کہ اس کو ہر حال میں حاصل کرنا ضروری ہے۔ خواہ اس کی خاطر داعی کو اپنے مادی حقوق سے یک طرفہ طور پر دست بر دار ہونا پڑے۔

قَالُوٓا۟ إِنَّمَآ أَنتَ مِنَ ٱلْمُسَحَّرِينَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَآ أَنتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَإِن نَّظُنُّكَ لَمِنَ
ٱلْكَٰذِبِينَ ﴿۱۸۶﴾ فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ ٱلسَّمَآءِ إِن كُنتَ مِنَ ٱلصَّٰدِقِينَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ
رَبِّىٓ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ ٱلظُّلَّةِ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ عَذَابَ
يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۸۹﴾ إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَءَايَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۹۰﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ
لَهُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلرَّحِيمُ ﴿۱۹۱﴾ ع ۱۶/۱۰ ۱۴

انھوں نے کہا تم پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے۔ اور تم ہمارے ہی جیسے ایک آدمی ہو۔ اور ہم تو تم کو جھوٹے لوگوں میں سے خیال کرتے ہیں۔ پس ہمارے اوپر آسمان سے کوئی ٹکڑا گرا دو اگر تم سچے ہو۔ شعیب نے کہا، میرا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔ پس انھوں نے اس کو جھٹلا دیا۔ پھر ان کو بادل والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا۔ بے شک وہ ایک بڑے دن کا عذاب تھا۔ بے شک اس میں نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں اور بے شک تمہارا رب زبردست ہے، رحمت والا ہے۔ ۱۹۱-۱۸۵

---

حضرت شعیب کی قوم کو اپنے آبائی طریقہ کی صداقت پر اس قدر یقین تھا کہ پیغمبر کی بات اس کو الٹی اور بے جوڑ معلوم ہوئی۔ اس نے کہا کہ تم پر شاید کسی نے سخت عمل کر دیا ہے۔ اس لئے تم ایسی باتیں کر رہے ہو۔

ان کا یہ کہنا کہ ہمارے اوپر آسمانی عذاب لاؤ، اس کا رخ خدا کی طرف نہیں بلکہ حضرت شعیب کی طرف تھا۔ وہ حضرت شعیب کو بے حقیقت ثابت کرنے کے لئے ایسا کہتے تھے۔ کیونکہ وہ حضرت شعیب کو ایسا نہیں سمجھتے تھے کہ ان کے کہنے سے آسمانی عذاب آجائے گا۔

آخر کار قوم کی سرکشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ سائبان کی طرح ایک بادل نے ان کے اوپر سایہ کر لیا۔ پھر خدا کے حکم سے اس کے اندر سے ایسی آگ برسی جس نے پوری قوم کو مٹا کر رکھ دیا۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿١٩٣﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ
مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿١٩٤﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿١٩٥﴾ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٩٦﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ
لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٩٧﴾

اور بے شک یہ خداوند عالم کا اتارا ہوا کلام ہے۔ اس کو امانت دار فرشتہ لے کر اترا ہے تمہارے دل پر تاکہ تم ڈرانے والوں میں سے بنو۔ صاف عربی زبان میں اور اس کا ذکر اگلے لوگوں کی کتابوں میں ہے اور کیا ان کے لئے یہ نشانی نہیں ہے کہ اس کو بنی اسرائیل کے علماء جانتے ہیں۔ ۱۹۲-۱۹۷

---

قرآن اگرچہ بظاہر ایک انسانی زبان میں ہے۔ مگر اس کی ادبی عظمت اتنی غیر معمولی ہے کہ وہ خود اپنی زبان کے اعتبار سے ایک برتر خدائی کلام ہونے کی شہادت دے رہا ہے۔ قرآن کی صداقت کا مزید ثبوت یہ ہے کہ قرآن کے نزول سے بہت پہلے پیدا ہونے والے پیغمبروں نے اس کی پیشین گوئی کی۔ یہ پیشین گوئی آج بھی تورات اور زبور اور انجیل میں موجود ہے۔ انھیں پیشین گوئیوں کی بنا پر اس زمانہ کے متعدد مسیحی اور یہودی علماء (مثلاً عبداللہ بن سلام) اس پر ایمان لائے۔ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

خدا کے کلام کا اس طرح خصوصی اہتمام کے ساتھ اترنا کسی بہت خصوصی مقصد کے تحت ہی ہو سکتا ہے۔ اور وہ مقصد یہ ہے کہ انسان کو آنے والے سخت دن سے آگاہ کیا جائے۔ انذار آخرت پچھلی تمام آسمانی کتابوں کا بھی خاص مقصد تھا اور یہی قرآن کا بھی خاص مقصد ہے۔

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿١٩٨﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿١٩٩﴾
كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٢٠٠﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٢٠١﴾
فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٠٢﴾ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿٢٠٣﴾

اور اگر ہم اس کو کسی عجمی پر اتارتے پھر وہ ان کو پڑھ کر سناتا تو وہ اس پر ایمان لانے والے نہ بنتے۔ اسی طرح ہم نے ایمان نہ لانے کو مجرموں کے دلوں میں ڈال رکھا ہے۔ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے جب تک سخت عذاب نہ دیکھ

لیں۔ پس وہ ان پر اچانک آجائے گا اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔ پھر وہ کہیں گے کہ کیا ہم کو کچھ مہلت مل سکتی ہے۔

۱۹۸ - ۲۰۳

قرآن عربی زبان میں آیا اور جس پیغمبر نے اسے پیش کیا اس کی بھی مادری زبان عربی تھی۔ اس بنا پر منکرین کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ یہ تو خود ان کا اپنا کلام ہے۔ وہ ایک عرب ہیں اس لئے انھوں نے عربی میں ایک قرآن تصنیف کرلیا۔

مگر اعتراض کا یہ انداز خود بتا رہا ہے کہ یہ کوئی سنجیدہ اعتراض نہیں ہے۔ اور جو لوگ کسی معاملہ میں سنجیدہ نہ ہوں وہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی شوشہ نکال لیتے ہیں۔ مثلاً اگر ایسا کیا جاتا کہ کسی غیر عربی پر یہ عربی قرآن اتار دیا جاتا اور وہ شخص عربی زبان سے ناواقف ہونے کے باوجود عربی قرآن انھیں پڑھ کر سناتا تو وہ فوراً یہ کہہ دیتے کہ "کوئی عرب اس کو سکھا جاتا ہے"۔

جو لوگ ناحق کی بنیاد پر اپنی زندگی کی عمارت کھڑی کئے ہوئے ہوں ان کے لئے حق کا اعتراف کرنا خود اپنی نفی کے ہم معنی ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کے سامنے جب حق آئے اور وہ ذاتی مصالح کو اہمیت دیتے ہوئے حق کا اعتراف نہ کریں تو انکار کا مزاج ان کی نفسیات میں اس طرح شامل ہو جاتا ہے کہ انھیں دوبارہ اس سے نکلنا نصیب نہیں ہوتا۔

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٢٠٤﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿٢٠٥﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا
يُوْعَدُوْنَ ﴿٢٠٦﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿٢٠٧﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا
مُنْذِرُوْنَ ﴿٢٠٨﴾ ذِكْرٰى وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٢٠٩﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿٢١٠﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ
لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٢١١﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿٢١٢﴾

کیا وہ ہمارے عذاب کو جلد مانگ رہے ہیں۔ بتاؤ کہ اگر ہم ان کو چند سال تک فائدہ پہنچاتے رہیں پھر ان پر وہ چیز آجائے جس سے انھیں ڈرایا جارہا ہے تو یہ فائدہ مندی ان کے کس کام آئے گی۔ اور ہم نے کسی بستی کو بھی ہلاک نہیں کیا مگر اس کے لئے ڈرانے والے تھے یاد دلانے کے لئے، اور ہم ظالم نہیں ہیں۔ اور اس کو شیطان لیکر نہیں اترے ہیں۔ نہ یہ ان کے لئے لائق ہے۔ اور نہ وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ وہ اس کو سننے سے روک دئے گئے ہیں۔

۲۰۴ - ۲۱۲

پیغمبر کی سطح پر جب خدا کی دعوت ظاہر ہوتی ہے تو وہ اپنی آخری کامل صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہی وجہ

ہے کہ پیغمبر کا انکار کرنے والی قوم پر خدا کا عذاب آنا لازمی ہو جاتا ہے۔ تاہم جب تک عذاب عملاً نہ آجائے آدمی اپنے کو محفوظ سمجھتا ہے۔ وہ دعوتِ حق کو بے حقیقت ثابت کرنے کے لئے طرح طرح کی باتیں کرتا ہے۔ کبھی پیغمبر کی شخصیت کی تحقیر کرتا ہے۔ کبھی پیغمبر کے لائے ہوئے کلام کو بناوٹی کلام بتاتا ہے۔ کبھی یہ کہتا ہے کہ تمہارے بیان کے مطابق اگر خدا ہمارے ساتھ نہیں تو وہ ہم کو سزا کیوں نہیں دیتا۔

پیغمبر کی ذمہ داری یا پیغمبر کی تبعیت میں داعی کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ وہ لوگوں کو امرِ حق سے آگاہ کر دے۔ اس سے آگے کے تمام معاملات خدا کے ذمہ ہیں اور وہی جب چاہتا ہے انھیں ظاہر کرتا ہے۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾

پس تم اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو کہ تم بھی سزا پانے والوں میں سے ہو جاؤ۔ اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔ اور ان لوگوں کے لئے اپنے بازو جھکائے رکھو جو مومنین میں داخل ہو کر تمہاری پیروی کریں۔ پس اگر وہ تمہاری نافرمانی کریں تو کہو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو میں اس سے بری ہوں۔ اور زبردست اور مہربان خدا پر بھروسہ رکھو۔ جو دیکھتا ہے تم کو جب کہ تم اٹھتے ہو اور تمہاری نقل و حرکت نمازیوں کے ساتھ، بیشک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ ۲۲۰-۲۱۳

---

اللہ کے سوا کسی اور کو معبود بنانا اللہ کی نظر میں بہت بڑا جرم ہے۔ اس کے ارتکاب کے بعد کوئی شخص سزا سے بچ نہیں سکتا، حتی کہ وہ شخص بھی نہیں جو زبان و قلم سے توحید کا علم بردار بنا ہوا ہو۔ داعی کا کام یہ ہے کہ اپنے آپ کو پوری طرح شرک سے بچاتے ہوئے لوگوں کو حق کی طرف بلائے، جن میں اس کے قریبی لوگ بدرجہ اولیٰ شامل ہیں۔

حق کا ساتھ دینے کے لئے اپنی بڑائی کے بت کو توڑنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے لوگوں میں بہت کم ایسے افراد نکلتے ہیں جو حق کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہوں۔ زیادہ تر ایسا ہوتا ہے کہ حق کا ساتھ دینے کے لئے وہ لوگ اٹھتے ہیں جو سماج میں کمتر حیثیت رکھتے ہوں۔ یہ واقعہ داعی کے لئے سخت امتحان ہوتا ہے۔

داعی کو اس سے بچنا پڑتا ہے کہ دوسروں کی طرح وہ بھی انھیں حقیر سمجھے، جو لوگ غیر اسلامی سماج میں حقیر بنے ہوئے تھے وہ اسلامی حلقہ میں آکر بھی بدستور حقیر بنے رہیں۔

داعی وہ ہے جس کا خدا سے تعلق اتنا بڑھا ہوا ہو کہ رات کی تنہائیوں میں وہ بے قرار ہو کر اپنے بستر سے اٹھ کھڑا ہو۔ اپنے سجدہ گزار ساتھیوں کی قیمت اس کی نظر میں اتنی زیادہ ہو کہ وہ انھیں کو اپنی دلچسپیوں کا مرکز بنالے۔

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ۝٢٢١ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيْمٍ ۝٢٢٢ يُلْقُوْنَ
السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ۝٢٢٣ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝٢٢٤ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ
يَهِيْمُوْنَ ۝٢٢٥ وَأَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۝٢٢٦ إِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ
ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۗ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا أَيَّ مُنْقَلَبٍ
يَّنْقَلِبُوْنَ ۝٢٢٧ ع ۱۱ ۱۵

کیا میں تمھیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں۔ وہ ہر جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں۔ وہ کان لگاتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں۔ اور شاعروں کے پیچھے بے راہ لوگ چلتے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور وہ کہتے ہیں جو وہ کرتے نہیں۔ مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور انھوں نے اللہ کو بہت یاد کیا اور انھوں نے بدلہ لیا بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہوا۔ اور ظلم کرنے والوں کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ ان کو کیسی جگہ لوٹ کر جانا ہے۔ ۲۲۷ - ۲۲۱

---

پیغمبر کے کلام میں غیر معمولی پن اتنا نمایاں تھا کہ پیغمبر کے منکرین بھی اس کی تردید نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ وہ اپنے لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے کہہ دیتے کہ یہ کاہن اور عامل ہیں۔ اور ان کے کلام میں جو غیر معمولی پن ہے وہ کاہن اور عامل ہونے کی بنا پر ہے نہ کہ پیغمبر ہونے کی بنا پر۔ اسی طرح وہ قرآن کو شاعر کا کلام بتاتے تھے۔ فرمایا کہ اس بات کی تردید کے لئے یہی کافی ہے کہ پیغمبر کا اور کاہنوں اور شاعروں کا مقابلہ کرکے دیکھا جائے۔ دونوں کی زندگیوں میں اتنا زیادہ فرق ملے گا کہ کوئی سنجیدہ آدمی ہرگز ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کر سکتا۔

شاعری کی بنیاد تخیل پر ہے نہ کہ حقائق و واقعات پر۔ یہی وجہ ہے کہ شاعر لوگ ہمیشہ خیالات کی دنیا

میں پرواز کرتے ہیں۔ وہ کبھی ایک قسم کی باتیں کرتے ہیں اور کبھی دوسرے قسم کی۔ اس کے برعکس پیغمبر اور آپ کے ساتھیوں کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ کی بنیاد پر کھڑے ہوئے ہیں جو سب سے بڑی حقیقت ہے۔ ان کی زندگیاں قول و عمل کی یکسانیت کی مثالیں ہیں۔ اللہ کی گہری معرفت نے ان کو اللہ کی یاد کرنے والا بنا دیا ہے۔ ان کی احتیاط اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ وہ اگر کسی کے خلاف کارروائی کرتے ہیں تو صرف اس وقت کرتے ہیں جب کہ اس نے ان کے اوپر صریح ظلم کیا ہو۔ مستقبل کی نزاکت آدمی کو اس کے حال کے بارہ میں سنجیدہ بنا دیتی ہے۔ جو شخص مستقبل کے بارہ میں حساس نہ ہو وہ حال کے بارہ میں بھی حساس نہیں ہو سکتا۔

---

سُورَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثٌ وَتِسْعُونَ آيَةً وَسَبْعُ رُكُوعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝۱ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲
الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۳ اِنَّ
الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۴ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝۵ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ
مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝۶

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

ط۔ س۔ یہ آیتیں ہیں قرآن کی اور ایک واضح کتاب کی۔ رہنمائی اور خوش خبری ایمان والوں کے لئے۔ جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے کاموں کو ہم نے ان کے لئے خوشنما بنا دیا ہے، پس وہ بھٹک رہے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جن کے لئے بری سزا ہے اور وہ آخرت میں سخت خسارے میں ہوں گے۔ اور بے شک قرآن تم کو ایک حکیم اور علیم کی طرف سے دیا جا رہا ہے۔ ۶-۱

---

جب آدمی کے سامنے حق آئے اور وہ کسی تحفظ کے بغیر اس کا اعتراف کر لے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ فوراً صحیح رخ پر چل پڑتا ہے۔ اس کی زندگی ہر اعتبار سے درست ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس کے برعکس جو شخص اپنے آپ کو حق کے مطابق ڈھالنے کے لئے تیار نہ ہو وہ مجبور ہوتا ہے کہ خود حق کو اپنے مطابق ڈھالے۔

اسی نفسیاتی کیفیت کا دوسرا نام تزئین اعمال ہے۔

ایسا آدمی اپنی روش کو جائز ثابت کرنے کے لئے خودساختہ دلیلیں تلاش کرتا ہے۔ یہ دلیلیں دھیرے دھیرے اس کے ذہن پر اس طرح چھا جاتی ہیں کہ وہ اس کو عین درست معلوم ہوتی ہیں۔ اپنا غلط عمل اس کو اپنی جھوٹی توجیہات کی روشنی میں صحیح نظر آنے لگتا ہے۔

جو لوگ دعوت حق کے بارہ میں سنجیدہ نہ ہوں وہ ہمیشہ تزئین اعمال کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ عین اپنی نفسیات کے نتیجہ میں اپنی اصلاح کی طرف سے بالکل غافل ہو جاتے ہیں۔ اپنے غلط کو صحیح سمجھنے کی انہیں یہ بھاری قیمت دینی پڑتی ہے کہ وہ ایسے راستہ پر چلتے رہیں جس کی آخری منزل جہنم کے سوا اور کچھ نہیں۔

إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا سَآتِيكُم مِّنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ آتِيكُم بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ۞ فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَن بُورِكَ مَن فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۞

جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔ میں وہاں سے کوئی خبر لاتا ہوں یا آگ کا کوئی انگارا لاتا ہوں تاکہ تم تاپو۔ پھر جب وہ اس کے پاس پہنچا تو آواز دی گئی کہ مبارک ہے وہ جو آگ میں ہے اور جو اس کے پاس ہے۔ اور پاک ہے اللہ جو رب ہے سارے جہان کا۔ ۸-۷

---

قبطی کی موت کے واقعہ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین چلے گئے تھے۔ مدین کا علاقہ بحر احمر کی اس شاخ کے مشرقی ساحل پر تھا جس کو خلیج عقبہ کہا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ نے یہاں تقریباً آٹھ سال گزارنے اس کے بعد وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ مصر واپس جانے کے لئے روانہ ہوئے۔ اس سفر میں وہ بحر احمر کی دونوں شاخوں کے درمیان اس پہاڑ کے کنارے پہنچے جس کا قدیم نام طور تھا اور اب اس کو جبل موسیٰ (Gebel Musa) کہا جاتا ہے۔

یہ غالباً سردیوں کی رات تھی۔ حضرت موسیٰ کو دور پہاڑ پر ایک آگ سی چیز نظر آئی۔ وہ اس کی طرف روانہ ہوئے۔ مگر قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ خدا کی تجلی تھی نہ کہ کوئی انسانی آگ۔

پہاڑ کے اوپر جہاں حضرت موسیٰ نے روشنی دیکھی تھی وہاں آج بھی ایک قدیم درخت موجود ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہی وہ درخت ہے جس کے اوپر سے حضرت موسیٰ کو خدا کی آواز سنائی دی تھی۔ یہاں بعد

کو عیسائی حضرات نے گرجا اور خانقاہ تعمیر کر دیا جو آج بھی لوگوں کے لئے زیارت گاہ بنا ہوا ہے۔

يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۹ وَاَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا
جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۣ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۱۰ اِلَّا
مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْۗءٍ فَاِنِّىْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۱ وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ
جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ مِنْ غَيْرِ سُوْۗءٍ ۣ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا
قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝۱۲ فَلَمَّا جَاۗءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۳ وَجَحَدُوْا بِهَا
وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۱۴ ع ۱۴

اے موسیٰ یہ میں ہوں اللہ، زبردست حکیم۔ اور تم اپنا عصا ڈال دو۔ پھر جب اس نے اس کو اس طرح حرکت کرتے دیکھا جیسے وہ سانپ ہو تو وہ پیچھے کو مڑا اور پلٹ کر نہ دیکھا۔ اے موسیٰ، ڈرو نہیں میرے حضور پیغمبر ڈرا نہیں کرتے۔ مگر جس نے زیادتی کی۔ پھر اس نے برائی کے بعد اس کو بھلائی سے بدل دیا۔ تو میں بخشنے والا مہربان ہوں۔ اور تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو، وہ کسی عیب کے بغیر سفید نکلے گا۔ یہ دونوں مل کر نو نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کے پاس جاؤ۔ بے شک وہ نافرمان لوگ ہیں۔ پس جب ان کے پاس ہماری واضح نشانیاں آئیں، انھوں نے کہا یہ کھلا ہوا جادو ہے۔ اور انھوں نے ان کا انکار کیا حالاں کہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا، ظلم اور گھمنڈ کی وجہ سے۔ پس دیکھو کیسا برا انجام ہوا مفسدوں کا۔ ۱۴-۹

---

حضرت موسیٰ پہاڑ پر آگ کے لئے گئے تھے۔ مگر وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ پیغمبری کے لئے بلائے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے کو خصوصی عطیہ دیتا ہے تو اچانک اور غیر متوقع طور پر دیتا ہے تاکہ وہ اس کو براہ راست اللہ کی طرف سے سمجھے اور اس کے اندر زیادہ سے زیادہ شکر کا جذبہ پیدا ہو۔

حضرت موسیٰ کی قوم (بنی اسرائیل) اگرچہ اس وقت کے لحاظ سے ایک مسلم قوم تھی۔ مگر اب وہ بالکل بے جان ہو چکی تھی۔ دوسری طرف انھیں فرعون جیسے جابر حکمراں کے سامنے توحید کی دعوت پیش کرنا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آغاز ہی میں آپ کو عصا کا معجزہ عطا فرما دیا۔ یہ عصا حضرت موسیٰ کے لئے ایک مستقل خدائی طاقت تھا۔ اس کے ذریعہ سے فرعون کے مقابلہ میں ۹ معجزات ظاہر ہوئے۔ بنی اسرائیل کے لئے

ظاہر ہونے والے معجزات ان کے علاوہ تھے۔

حضرت موسیٰ کے معجزات نے آخری حد تک آپ کی صداقت ثابت کر دی تھی۔ اس کے باوجود فرعون اور اس کے ساتھیوں نے آپ کا اعتراف نہیں کیا۔ اس کی وجہ ان کا ظلم اور علو تھا۔ فرعون اور اس کے ساتھی اپنی آزادی پر قید لگانے کے لئے تیار نہ تھے۔ مزید یہ کہ وہ جانتے تھے کہ موسیٰ کی بات ماننا اپنی بڑائی کی نفی کرنا ہے۔ اور کون ہے جو اپنی بڑائی کی نفی کی قیمت پر سچائی کو مانے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی کَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵﴾ وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَاُوْتِیْنَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۶﴾

اور ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا کیا۔ اور ان دونوں نے کہا کہ شکر ہے اللہ کے لئے جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ اور داؤد کا وارث سلیمان ہوا۔ اور کہا کہ اے لوگو، ہم کو پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے، اور ہم کو ہر قسم کی چیز دی گئی۔ بے شک یہ کھلا ہوا فضل ہے۔ ۱۶-۱۵

---

حضرت داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل کے پیغمبر اور بادشاہ تھے۔ آپ کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام بھی پیغمبر اور بادشاہ ہوئے۔ آپ کی سلطنت فلسطین اور شرق اردن سے لے کر شام تک پھیلی ہوئی تھی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کی صنعتی معلومات دی تھیں۔ نیز آپ کو معجزاتی طور پر کئی چیزیں عطا ہوئی تھیں۔ مثلاً چڑیوں کی بولیاں سمجھنا۔ اور ان کو تربیت دے کر انھیں خبر رسانی وغیرہ کے لئے استعمال کرنا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اپنے ہم زمانہ لوگوں پر غیر معمولی برتری حاصل تھی۔ مگر اس برتری نے ان کے اندر صرف تواضع کا جذبہ پیدا کیا۔ انھیں جو کچھ حاصل تھا اس کو انھوں نے براہ راست خدا کا عطیہ قرار دیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا زمانہ سلطنت ۹۶۵ ق م سے لے کر ۹۲۶ ق م تک ہے۔ اس لحاظ سے آپ تقریباً چالیس سال حکمراں رہے۔

وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّیْرِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ حَتّٰۤی

اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ
سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ
اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا
تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾

اور سلیمان کے لئے اس کا لشکر جمع کیا گیا، جن اور انسان اور پرندے، پھر ان کی جماعتیں بنائی جاتیں۔ یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی پر پہنچے۔ ایک چیونٹی نے کہا، اے چیونٹیو، اپنے سوراخوں میں داخل ہو جاؤ، کہیں سلیمان اور اس کا لشکر تم کو کچل ڈالیں اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔ پس سلیمان اس کی بات پر مسکراتے ہوئے ہنس پڑا اور کہا، اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیری نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیا ہے اور یہ کہ میں نیک کام کروں جو تجھ کو پسند ہو اور اپنی رحمت سے تو مجھ کو اپنے نیک بندوں میں داخل کر۔ ۱۹-۱۷

---

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں نہ صرف انسان تھے۔ بلکہ جنات اور پرندے بھی آپ کی فوج میں شامل تھے۔ حضرت سلیمان کا لشکر ایک بار کسی وادی سے گزرا جہاں چیونٹیاں بہت زیادہ تھیں۔ چیونٹیوں نے غیر معمولی طور پر آپ کے لشکر کی عظمت کا اعتراف کیا۔ چیونٹیوں نے اس موقع پر جو گفتگو کی اس کو حضرت سلیمان نے بھی سمجھ لیا۔

اس طرح کا کوئی واقعہ ایک عام انسان کو فخر وغرور میں مبتلا کرنے کے لئے کافی ہے۔ مگر حضرت سلیمان اپنے اس حال کو دیکھ کر سراپا شکر بن گئے۔ جو کچھ بظاہر خود انھیں حاصل تھا اس کو انھوں نے پورے طور پر خدا کے خانہ میں ڈال دیا ـــــ یہی ہے صالح انسان کا طریقہ۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿۲۰﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ
عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۱﴾ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ
اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً
تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا

يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ﴿٢٤﴾ أَلَّا يَسْجُدُوا لِلّٰهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿٢٥﴾ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿٢٦﴾

اور سلیمان نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہا، کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ کیا وہ کہیں غائب ہوگیا ہے۔ میں اس کو سخت سزا دوں گا۔ یا اس کو ذبح کردوں گا، یا وہ میرے سامنے کوئی صاف حجت لائے۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اس نے آکر کہا، کہ میں ایک چیز کی خبر لایا ہوں جس کی آپ کو خبر نہ تھی۔ اور میں سبا سے ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں۔ میں نے پایا کہ ایک عورت ان پر بادشاہی کرتی ہے اور اس کو سب چیز ملی ہے۔ اور اس کا ایک بڑا تخت ہے۔ میں نے اس کو اور اس کی قوم کو پایا کہ سورج کو سجدہ کرتے ہیں اللہ کے سوا۔ اور شیطان نے ان کے اعمال ان کے لئے خوشنما بنا دئے، پھر ان کو راستے سے روک دیا، پس وہ راہ نہیں پاتے، کہ وہ اللہ کو سجدہ نہ کریں جو آسمانوں اور زمین کی چھپی چیز کو نکالتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو۔ اللہ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، مالک عرش عظیم کا۔ ۲۶-۲۰

سبا (Sabaeans) قدیم زمانہ کی ایک دولت مند قوم تھی۔ اس کا زمانہ ۱۱۰۰ ق م سے لے کر ۱۱۵ ق م تک ہے۔ اس کا مرکز مارب (یمن) تھا۔ اس علاقہ میں آج بھی اس کے شاندار کھنڈر پائے جاتے ہیں۔ حضرت سلیمان کے زمانہ میں یہاں ایک عورت (بلقیس) کی حکومت تھی۔ یہ لوگ سورج کی پرستش کرتے تھے۔ شیطان نے انھیں سکھایا کہ معبود وہی ہوسکتا ہے جو سب سے زیادہ نمایاں ہو۔ سورج چونکہ تمام دکھائی دینے والی چیزوں میں سب سے زیادہ نمایاں ہے اس لئے وہی اس قابل ہے کہ اس کو معبود سمجھا جائے اور اس کی پرستش کی جائے۔

ہدہد کے ذریعہ حضرت سلیمان کو قوم سبا کے بارہ میں مفصل معلومات حاصل ہوئیں۔ یہ ہدہد غالباً آپ کی پرندوں کی فوج سے تعلق رکھتا تھا اور باقاعدہ تربیت یافتہ تھا۔

قَالَ سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِينَ ﴿٢٧﴾ اِذْهَبْ بِكِتٰبِي هٰذَا فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ

ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٨﴾ قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٩﴾
اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿٣٠﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿٣١﴾ ع ۲ ۱۷ ۱۷
قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿٣٢﴾ قَالُوْا
نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿٣٣﴾ قَالَتْ
اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٤﴾
وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٣٥﴾

سلیمان نے کہا، ہم دیکھیں گے کہ تم نے سچ کہا یا تم جھوٹوں میں سے ہو۔ میرا یہ خط لے کر جاؤ۔ پھر اس کو ان لوگوں کی طرف ڈال دو۔ پھر ان سے ہٹ جانا۔ پھر دیکھنا کہ وہ کیا رد عمل ظاہر کرتے ہیں۔ ملکہ سبا نے کہا کہ اے دربار والو، میری طرف ایک باوقعت خط ڈالا گیا ہے۔ وہ سلیمان کی طرف سے ہے۔ اور وہ ہے —— شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے کہ تم میرے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو۔ اور مطیع ہو کر میرے پاس آجاؤ۔ ملکہ نے کہا کہ اے درباریو، میرے معاملہ میں مجھے رائے دو۔ میں کسی معاملہ کا فیصلہ نہیں کرتی جب تک تم لوگ موجود نہ ہو۔ انھوں نے کہا، ہم لوگ زور آور ہیں۔ اور سخت لڑائی والے ہیں۔ اور فیصلہ آپ کے اختیار میں ہے۔ پس آپ دیکھ لیں کہ آپ کیا حکم دیتی ہیں۔ ملکہ نے کہا کہ بادشاہ لوگ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو خراب کر دیتے ہیں اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ اور یہی یہ لوگ کریں گے۔ اور میں ان کی طرف ایک ہدیہ بھیجتی ہوں، پھر دیکھتی ہوں کہ سفیر کیا جواب لاتے ہیں۔ ۳۵-۲۷

---

حضرت سلیمان کی قوت و سلطنت ایک خدائی عطیہ تھی۔ اسی طرح آپ نے سبا کی حکومت کے ساتھ جو معاملہ کیا وہ بھی ایک خدائی معاملہ تھا۔ شاہ عبد القادر دہلوی آیت ۳۷ کے ذیل میں لکھتے ہیں:
"اور کسی پیغمبر نے اس طرح کی بات نہیں فرمائی۔ سلیمان کو حق تعالیٰ کی سلطنت کا زور تھا جو یہ فرمایا"

ملکہ سبا (بلقیس) نے معاملہ کو خالص حقیقت پسندانہ انداز سے دیکھا۔ اس نے یہ رائے قائم کی کہ اگر ہم سلیمان کی طاقت سے ٹکرائیں تو زیادہ امکان یہ ہے کہ ہم ہاریں گے اور پھر ہمارے ساتھ وہی کیا جائے گا جو ہر غالب قوم مغلوب قوم کے ساتھ کرتی ہے۔ اس کے برعکس اگر ہم اطاعت قبول کر لیں تو ہم تباہی

سے بچ جائیں گے۔ تاہم ملکہ نے ابتدائی اندازہ کے لئے تحفے بھیجنے کا طریقہ اختیار کیا۔ تاکہ معلوم ہوجائے کہ سلیمان ہماری دولت کے خواہش مند ہیں۔ یا اس سے آگے ان کا ہم سے کوئی اصولی مطالبہ ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

پھر جب سفیر سلیمان کے پاس پہنچا، اس نے کہا کیا تم لوگ مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو۔ پس اللہ نے جو کچھ مجھے دیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو اس نے تم کو دیا ہے۔ بلکہ تم ہی اپنے تحفہ سے خوش ہو۔ ان کے پاس واپس جاؤ۔ ہم ان پر ایسے لشکر لے کر آئیں گے جن کا مقابلہ وہ نہ کرسکیں گے اور ہم ان کو وہاں سے بے عزت کرکے نکال دیں گے۔ اور وہ خوار ہوں گے۔ ۳۷-۳۶

---

حضرت سلیمان کو نبوت اور خدا کی معرفت کی شکل میں جو قیمتی دولت ملی تھی، اس کے مقابلہ میں ہر دوسری دولت ان کی نظر میں ہیچ ہوچکی تھی۔ چنانچہ ملکہ سبا کی طرف سے جب ان کے پاس سونے چاندی کے تحفے پہنچے تو انھوں نے ان کی طرف نگاہ بھی نہ کی۔

حضرت سلیمان نے اپنے عمل سے ملکہ سبا کے سفیروں کو یہ تاثر دیا کہ میرا معاملہ اصولی معاملہ ہے نہ کہ مفاد کا معاملہ۔ مفسر ابن کثیر اس کی تشریح میں یہ الفاظ لکھتے ہیں: ای أتصانعوننی بمال لِاَترکَکُم علی شرککم و ملککم (یعنی کیا تم مال دے کر مجھ کو متاثر کرنا چاہتے ہو کہ میں تم کو تمہارے شرک پر چھوڑ دوں اور تمہاری حکومت تمہارے پاس رہنے دوں)

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۣ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۭ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا

يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿۴۰﴾

سلیمان نے کہا کہ اے دربار والو، تم میں سے کون اس کا تخت میرے پاس لاتا ہے اس سے پہلے کہ وہ لوگ مطیع ہو کر میرے پاس آئیں۔ جنوں میں سے ایک دیو نے کہا، میں اس کو آپ کے پاس لے آؤں گا اس سے پہلے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں، اور میں اس پر قدرت رکھنے والا، امانت دار ہوں۔ جس کے پاس کتاب کا ایک علم تھا اس نے کہا، میں آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے اس کو لا دوں گا۔ پھر جب اس نے تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو اس نے کہا، یہ میرے رب کا فضل ہے۔ تاکہ وہ مجھے جانچے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔ اور جو شخص شکر کرے تو اپنے ہی لئے شکر کرتا ہے۔ اور جو شخص ناشکری کرے تو میرا رب بے نیاز ہے کرم کرنے والا ہے۔ ۴۰ ۔ ۳۸

---

حضرت سلیمان کے پاس اگرچہ غیر معمولی طاقت تھی۔ مگر انھوں نے استعمال طاقت کے بجائے مظاہرہ طاقت کے ذریعہ قوم سبا کو زیر کرنے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ آپ نے اپنے خصوصی کارندہ کے ذریعہ ملکہ کے تخت کو مارب (Marib) کے محل سے یروشلم (فلسطین) منگوالیا۔ تخت کو منگانے کا واقعہ غالباً اس وقت پیش آیا جب کہ تحفہ کی واپسی کے بعد ملکہ سبا یمن سے فلسطین کے لئے روانہ ہوئی۔ تاکہ وہ حضرت سلیمان کے دربار میں پہنچ کر براہ راست آپ سے گفتگو کرے۔ ملکہ سبا کا اپنے خدم وحشم کے ساتھ یہ سفر یقیناً اس وقت ہوا ہوگا جب کہ اس کے سفارتی وفد نے واپس جا کر حضرت سلیمان کی حکمت کی باتیں اور آپ کے غیر معمولی کردار کی شہادت دی اور آپ کی غیر معمولی عظمت کا حال بیان کیا۔

مارب سے یروشلم کا فاصلہ تقریباً ڈیڑھ ہزار میل ہے۔ یہ لمبا فاصلہ اس طرح طے ہوا کہ ادھر حضرت سلیمان کی زبان سے حکم کے الفاظ نکلے اور ادھر زر وجواہر سے جڑا ہوا تخت ان کے سامنے رکھا ہوا موجود تھا۔ اس غیر معمولی قوت کے باوجود حضرت سلیمان کے اندر فخر کا کوئی جذبہ پیدا نہیں ہوا۔ وہ سراپا تواضع بن کر خدا کے آگے جھکے رہے۔

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ۭ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾

قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۖ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَن سَاقَيْهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّن قَوَارِيرَ ۗ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٤﴾

ع ۳ ۱۸

سلیمان نے کہا کہ اس کے تخت کا روپ بدل دو ، دیکھیں وہ سمجھ پاتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہو جاتی ہے جن کو سمجھ نہیں۔ پس جب وہ آئی تو کہا گیا کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے۔ اس نے کہا ، گویا کہ یہ وہی ہے۔ اور ہم کو اس سے پہلے معلوم ہو چکا تھا۔ اور ہم فرماں برداروں میں تھے۔ اور اس کو روک رکھا تھا ان چیزوں نے جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتی تھی۔ وہ منکر لوگوں میں سے تھی۔ اس سے کہا گیا کہ محل میں داخل ہو۔ پس جب اس نے اس کو دیکھا تو اس کو خیال کیا کہ وہ گہرا پانی ہے اور اپنی دونوں پنڈلیاں کھول دیں ، سلیمان نے کہا ، یہ تو ایک محل ہے جو شیشوں سے بنایا گیا ہے۔ اس نے کہا کہ اے میرے رب ، میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ اور میں سلیمان کے ساتھ ہو کر اللہ رب العالمین پر ایمان لائی۔ ۴۴ - ۴۱

---

ملکہ سبا اپنے ملک سے روانہ ہو کر بیت المقدس پہنچی۔ یہاں وہ حضرت سلیمان کے محل میں داخل ہوئی تو بالکل انجان طور پر اس کے سامنے ایک تخت لایا گیا۔ اور کہا گیا کہ دیکھو، کیا یہ تمہارا تخت ہے۔ یہ دیکھ کر وہ خدا کی قدرت پر حیران رہ گئی کہ اپنے جس تخت کو وہ مارب کے محل میں محفوظ کر کے آئی تھی وہ پراسرار طور پر ڈیڑھ ہزار میل کا فاصلہ طے کر کے بیت المقدس پہنچ گیا ہے۔

حضرت سلیمان کے محل میں داخل ہو کر ملکہ سبا ایک ایسے مقام پر پہنچی جس کا فرش صاف شفاف شیشہ کی موٹی تختیوں سے بنایا گیا تھا اور اس کے نیچے پانی بہہ رہا تھا۔ ملکہ جب چلتے ہوئے یہاں پہنچی تو اس کو اچانک محسوس ہوا کہ اس کے آگے پانی کا حوض ہے۔ اس وقت اس نے وہی کیا جو پانی میں اترنے والا ہر آدمی کرتا ہے۔ یعنی اس نے غیر ارادی طور پر اپنے کپڑے اٹھا لئے۔

اس طرح گویا عملی تجربہ کی زبان میں اس کو بتایا گیا کہ انسان ظاہر کو دیکھ کر فریب کھا جاتا ہے۔ مگر اصل حقیقت اکثر اس سے مختلف ہوتی ہے جو ظاہری آنکھوں سے دکھائی دیتی ہے۔ آدمی ظاہری طور پر سورج اور چاند کو نمایاں دیکھ کر ان کی پرستش کرنے لگتا ہے۔ حالانکہ حقیقی خدا وہ ہے جو ان ظواہر سے آگے ہے۔

ملکہ سبا اب تک قومی روایات کے زیر اثر سورج کی پرستش کر رہی تھی۔ مگر حضرت سلیمان کے قریب

پہنچ کر اس نے جو کچھ سنا اور جو کچھ دیکھا اس نے اس کے ذہن سے غیر اللہ کی عظمت کا یکسر خاتمہ کر دیا۔ اس نے دین شرک کو چھوڑ دیا اور دین توحید کو دل وجان سے اختیار کر لیا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٤٥﴾
قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ
تُرْحَمُوْنَ ﴿٤٦﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۭ قَالَ طٰۗىِٕرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ
تُفْتَنُوْنَ ﴿٤٧﴾

اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا، کہ اللہ کی عبادت کرو، پھر وہ دو فریق بن کر آپس میں جھگڑنے لگے۔ اس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو، تم بھلائی سے پہلے برائی کے لئے کیوں جلدی کر رہے ہو۔ تم اللہ سے معافی کیوں نہیں چاہتے کہ تم پر رحم کیا جائے۔ انھوں نے کہا، ہم تو تم کو اور تمہارے ساتھ والوں کو منحوس سمجھتے ہیں۔ اس نے کہا کہ تمہاری بری قسمت اللہ کے پاس ہے بلکہ تم تو آزمائے جا رہے ہو۔ ۴۷ - ۴۵

---

حضرت صالح علیہ السلام نے توحید خالص کی دعوت شروع کی تو ان کی قوم دو طبقوں میں بٹ گئی۔ جو لوگ قوم کے بڑے تھے وہ اپنی بڑائی میں گم رہے اور حضرت صالح کے بے آمیز دین کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ البتہ چھوٹے لوگوں میں سے کچھ افراد نکلے جنھوں نے آپ کی پکار پر لبیک کہا۔

ان دونوں گروہوں میں اختلافی بحثیں شروع ہو گئیں۔ بڑے لوگ پر فخر انداز میں کہتے کہ ہم تمہارے منکر ہیں۔ پھر ہمارے انکار کی پاداش میں جو عذاب تم لاسکتے ہو لے آؤ۔ کبھی کوئی مصیبت پڑتی تو وہ کہہ دیتے کہ صالح اور ان کے ساتھیوں کی نحوست کی وجہ سے یہ بلا ہمارے اوپر آئی ہے۔ یہ باتیں وہ حضرت صالح اور آپ کی دعوت کی تحقیر کے طور پر کہتے تھے نہ کہ سنجیدہ خیال کے طور پر۔ ان کی اچھی حالت اور ان کی بری حالت دونوں خدا کی طرف سے تھی۔ مگر اچھی حالت سے انھوں نے جھوٹے فخر کی غذا لی اور بری حالت سے جھوٹی شکایت کی۔

ان کے درمیان حق کے داعی کا اٹھنا ان کے لئے خدا کا ایک امتحان تھا۔ وہ اس آزمائش کے میدان میں کھڑے کر دئے گئے تھے کہ وہ حق کو پہچان کر اس کا ساتھ دیتے ہیں یا اس کے مقابلہ میں اندھے بہرے بنے رہتے ہیں۔ مگر وہ دوسری دوسری باتوں میں الجھے رہے اور اصل معاملہ کو سمجھنے سے قاصر رہے۔

پارہ ۱۹

وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿٤٨﴾ قَالُوا تَقَاسَمُوا
بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿٤٩﴾
وَمَكَرُوا مَكْرًا وَمَكَرْنَا مَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٥٠﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَّا
دَمَّرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥١﴾ فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ
يَعْلَمُونَ ﴿٥٢﴾ وَأَنْجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٥٣﴾

اور شہر میں نو شخص تھے جو زمین میں فساد کرتے تھے اور اصلاح کا کام نہ کرتے تھے۔ انھوں نے کہا کہ تم لوگ اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم اس کو اور اس کے لوگوں کو چپکے سے ہلاک کر دیں گے۔ پھر اس کے ولی سے کہہ دیں گے کہ ہم اس کے گھر والوں کی ہلاکت کے وقت موجود نہ تھے۔ اور بے شک ہم سچے ہیں۔ اور انھوں نے ایک تدبیر کی اور ہم نے بھی ایک تدبیر کی اور ان کو خبر بھی نہ ہوئی۔ پس دیکھو کیسا ہوا ان کی تدبیر کا انجام۔ ہم نے ان کو اور ان کی پوری قوم کو ہلاک کر دیا۔ پس یہ ہیں ان کے گھر ویران پڑے ہوئے ان کے ظلم کے سبب سے۔ بے شک اس میں سبق ہے ان لوگوں کے لئے جو جانیں۔ اور ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو ایمان لائے اور جو ڈرتے تھے۔ ۴۸-۵۳

---

قوم میں نو بڑے سردار تھے۔ وہ اپنے کو بڑا باقی رکھنے کے لئے حق کو چھوٹا کرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ اور اس قسم کی کوشش بلاشبہہ خدا کی زمین میں سب سے بڑا فساد ہے۔

ان سرداروں نے آخری مرحلہ میں حضرت صالح کو ہلاک کرنے کی سازش کی۔ مگر قبل اس کے کہ وہ اپنے خفیہ منصوبہ کے مطابق حضرت صالح کے خلاف کوئی اقدام کریں، خدا نے خود ان کو پکڑ لیا۔ وہ اپنی ساری بڑائی کے باوجود اس طرح برباد کر دئے گئے کہ ان کی قدیم بستیوں میں اب صرف ان کے ٹوٹے ہوئے کھنڈر ان کی یادگار باقی رہ گئے ہیں۔

اس قسم کے تاریخی واقعات میں زبردست سبق چھپا ہوا ہے۔ مگر اس سبق کو وہی شخص پائے گا جو اس کو قانون الٰہی سے جوڑے۔ اس کے برعکس جو لوگ اس کو اسباب طبیعی سے جوڑیں وہ اس سے کوئی سبق حاصل نہیں کر سکتے۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝٥٤ اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ
شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝٥٥ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ
قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝٥٦ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ
اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۡ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝٥٧ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَاۗءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝٥٨ ع ۴ ۱۹
قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰي عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۭ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝٥٩

اور لوط کو جب اس نے اپنی قوم سے کہا، کیا تم بے حیائی کرتے ہو اور تم دیکھتے ہو۔ کیا تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو۔ عورتوں کو چھوڑ کر، بلکہ تم لوگ بے سمجھ ہو۔ پھر اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انھوں نے کہا، لوط کے گھر والوں کو اپنی بستی سے نکال دو، یہ لوگ پاک صاف بنتے ہیں۔ پھر ہم نے اس کو اور اس کے لوگوں کو نجات دی سوا اس کی بیوی کے، جس کا پیچھے رہ جانا ہم نے طے کر دیا تھا۔ اور ہم نے ان پر برسایا ایک ہولناک برسانا۔ پس کیسا برا برسا ؤ تھا ان پر جن کو آگاہ کیا جا چکا تھا، کہو حمد ہے اللہ کے لئے اور سلام اس کے ان بندوں پر جن کو اس نے منتخب فرمایا۔ کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جن کو وہ شریک کرتے ہیں۔ ۵۹-۵۴

---

قوم لوط اپنی لذتیت میں امرد پرستی کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ حضرت لوط نے قوم کے ضمیر کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا کہ خدا کے بندو، تم کو آنکھ دی گئی ہے کہ دیکھو اور بھلے برے کی تمیز دی گئی ہے کہ پہچانو۔ پھر کیسے تم وہ کام کرتے ہو جو کھلی ہوئی بے حیائی کا کام ہے۔

قوم کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ پیغمبر کی بات کو دلیل سے رد نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے وہ پیغمبر کے خلاف جارحیت پر آمادہ ہو گئے۔ مگر جب یہ نوبت آجائے تو پھر بلا تاخیر خدا کا فیصلہ آجاتا ہے۔ چنانچہ خدا نے آتش فشانی مادہ برسا کر انھیں ہلاک کر دیا۔ اس خدائی فیصلہ سے حضرت لوط کی بیوی بھی نہ بچی جو مشرکوں سے ملی ہوئی تھی۔ خدا کا معاملہ ہر شخص سے اس کے ذاتی عمل کی بنیاد پر ہوتا ہے نہ کہ رشتہ اور تعلق کی بنیاد پر۔

تاریخ کے مذکورہ واقعات پر جو شخص غور کرے گا وہ پکار اٹھے گا کہ اس خدا کا شکر ہے جس نے ہر دور میں انسان کی رہنمائی کا انتظام کیا اور پھر ان بندوں کی عقیدت سے اس کا سینہ لبریز ہو جائے گا

جنھوں نے اپنی زندگی کامل طور پر خدا کے حوالے کرکے خدا کے منصوبۂ ہدایت کی تکمیل کی۔



أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَأَنْۢبَتْنَا بِهٖ
حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَّا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ بَلْ هُمْ
قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ أَنْهٰرًا وَّجَعَلَ
لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾

بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اور تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا۔ پھر ہم نے اس سے رونق والے باغ اگائے۔ تمہارے بس میں نہ تھا کہ تم ان درختوں کو اگا سکتے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے۔ بلکہ وہ راہ سے انحراف کرنے والے لوگ ہیں۔ بھلا کس نے زمین کو ٹھہرنے کے لائق بنایا اور اس کے درمیان ندیاں جاری کیں۔ اور اس کے لئے اس نے پہاڑ بنائے۔ اور دو سمندروں کے درمیان پردہ ڈال دیا۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے۔ بلکہ ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ۶۱-۶۰

---

کائنات ناقابل قیاس حد تک عظیم ہے۔ اس کی عظمت کے آگے وہ الفاظ سراسر ناکافی ہو جاتے ہیں جو گمراہ کن انسان اس کی غیر خدائی توجیہہ کے لئے بولتا رہا ہے۔ خواہ وہ قدیم مشرک انسان کے بت ہوں یا جدید ملحد انسان کے وہ نظریات جو اسباب اور اتفاقات کی اصطلاحوں میں بیان کئے جاتے ہیں۔

بے شمار اجرام کو پیدا کرکے انھیں اتھاہ خلا میں متحرک کرنا، زمین کو نہایت اعلیٰ اہتمام کے ذریعہ زندگی کے موافق بنانا، پانی اور نباتات جیسی نادر چیزوں کو انتہائی افراط کے ساتھ وجود میں لانا، مسلسل حرکت کرتی ہوئی زمین پر کامل سکون کے حالات پیدا کرنا، دریاؤں اور پہاڑوں کے ذریعہ زمین کو جائے رہائش بنانا، پانی کے سطحی تناؤ (Surface tension) کے قانون کے ذریعہ کھاری پانی اور میٹھے پانی کو ایک دوسرے سے الگ رکھنا، یہ اور اس طرح کے دوسرے واقعات اس سے زیادہ عظیم ہیں کہ کوئی بت انھیں ذوقوع میں لائے یا کوئی اندھا طبیعی قانون ان کو وجود دے سکے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک اللہ کے سوا دوسری بنیادوں پر کائنات کی توجیہہ کرنا جھوٹی توجیہہ کو

توجیہہ کے قائم مقام بنا تا ہے۔ یہ انحراف ہے نہ کہ فی الواقع کوئی توجیہہ۔

أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ ۚ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾ أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ ۚ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٣﴾ أَمَّنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ ۚ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٦٤﴾

کون ہے جو بے بس کی پکار کو سنتا ہے اور اس کے دکھ کو دور کر دیتا ہے۔ اور تم کو زمین کا جانشین بناتا ہے۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے۔ تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو۔ کون ہے جو تم کو خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں راستہ دکھاتا ہے۔ اور کون اپنی رحمت کے آگے ہواؤں کو خوش خبری بنا کر بھیجتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے۔ اللہ بہت برتر ہے اس سے جن کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ کون ہے جو خلق کی ابتدا کرتا ہے اور پھر اس کا اعادہ کرتا ہے۔ اور کون تم کو آسمانوں اور زمین سے روزی دیتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے۔ کہو کہ اپنی دلیل لاؤ، اگر تم سچے ہو۔ ۶۴ - ۶۲

---

ایک حاجت مند کی حاجت پوری ہونا اس وقت ممکن ہوتا ہے جب کہ تمام کائناتی اسباب اس کے ساتھ موافقت کریں۔ پھر ایک قادر مطلق خدا کے سوا کون ہے جو اتنے بڑے پیمانہ پر تمام موافق اسباب کو جمع کر سکتا ہو۔

اسی طرح ایک قوم کا ہٹنا اور دوسری قوم کا اس کی جگہ لینا، سمندری جہاز اور موجودہ زمانہ میں ہوائی جہاز کا امکاناتِ فطرت سے فائدہ اٹھا کر اندھیرے اور اجالے میں سفر کرنا، سمندر سے بھاپ کا اٹھنا اور پھر بارش بن کر برسنا، چیزوں کو عدم سے وجود میں لانا اور پھران کو دوبارہ پیدا کرنا۔ انسان کے لئے وسیع پیمانہ پر ہر قسم کے رزق کا بندوبست کرنا، یہ سب خدائی سطح کے کام ہیں۔ اور ایک برتر خدا ہی ان کو انجام دے سکتا ہے۔

یہی زمین پر ظاہر ہونے والے تمام واقعات کا حال ہے۔ یہاں ایک واحد واقعہ کو ظہور میں لانے کے

لئے بھی اتنے بے شمار عوامل درکار ہوتے ہیں کہ اس کو وہی ہستی ظہور میں لاسکتی ہے جس کے قبضہ میں ساری کائنات ہو۔ پھر یہ کس قدر بے عقلی کی بات ہے کہ آدمی ایک خدا کے سوا کسی اور کو اپنے جذبات عبودیت کا مرکز بنائے۔ وہ ایک خدا کے سوا کسی اور کی پرستش کرے۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ
يُبْعَثُوْنَ ﴿٦٥﴾ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۣ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۣ
بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿٦٦﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَاۗؤُنَآ اَىِٕنَّا
لَمُخْرَجُوْنَ ﴿٦٧﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ
الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٦٩﴾

کہو کہ اللہ کے سوا، آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا۔ اور وہ نہیں جانتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔ بلکہ آخرت کے باب میں ان کا علم الجھ گیا ہے۔ بلکہ وہ اس کی طرف سے شک میں ہیں۔ بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں۔ اور انکار کرنے والوں نے کہا، کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے باپ دادا بھی، تو کیا ہم زمین سے نکالے جائیں گے۔ اس کا وعدہ ہمیں بھی دیا گیا اور اس سے پہلے ہمارے باپ دادا کو بھی۔ یہ محض اگلوں کی کہانیاں ہیں۔ کہو کہ زمین میں چلو پھرو، پس دیکھو کہ مجرموں کا انجام کیا ہوا۔ ۶۹-۶۵

---

کسی پیغمبر کے مخاطب آخرت کے مطلق منکر نہ تھے۔ بلکہ وہ اس تصور آخرت کے منکر تھے جس کو پیغمبر پیش کرتے تھے۔ لوگ یہ یقین کئے ہوئے تھے کہ آخرت کا مسئلہ ان کے اپنے لئے نہیں ہے بلکہ دوسروں کے لئے ہے پیغمبر نے بتایا کہ آخرت تمہارے لئے بھی ویسا ہی ایک سنگین مسئلہ ہے جیسا کہ وہ دوسروں کے لئے ہے۔ لوگ سمجھتے تھے کہ اپنے بزرگوں سے وابستگی آخرت میں ان کے لئے نجات کا ذریعہ بن جائے گی۔ پیغمبروں نے بتایا کہ آخرت میں صرف خدا کی رحمت آدمی کے کام آئے گی نہ کہ کسی بزرگ سے وابستگی۔

یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ آخرت کے بارہ میں ایک قسم کی ذہنی الجھن میں پڑے ہوئے تھے۔ ان کے بعض سرپھرے کبھی ایسے الفاظ بولتے جیسے کہ وہ آخرت کے منکر ہوں۔ مگر عام لوگوں کا حال یہ تھا کہ وہ نفس آخرت کا انکار نہیں کرتے تھے۔ البتہ پیغمبر کے تصور آخرت کو ماننے میں زندگی کی آزادیاں ختم ہوتی تھیں اس لئے ان کا نفس اس کو ماننے کے لئے تیار نہ تھا۔ چنانچہ اس کے جواب میں وہ ایسی باتیں کرتے تھے جیسے کہ وہ شک میں ہوں

اپنی اسی ذہنی کیفیت کی وجہ سے انہوں نے آخرت کے دلائل پر کبھی سنجیدگی کے ساتھ غور نہیں کیا۔ اس کے بارہ میں وہ اندھے بہرے بنے رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قوموں کا فیصلہ کرنے کے لئے جو طاقتیں درکار ہیں وہ صرف خدائے عالم الغیب کو حاصل ہیں۔ وہ جزئی طور پر موجودہ دنیا میں بھی اپنا فیصلہ نافذ کرتا ہے۔ اور وہی آخرت میں کلی طور پر تمام قوموں کے اوپر اپنا فیصلہ نافذ فرمائے گا۔

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ۝٧٠ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا
الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝٧١ قُلْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ رَدِفَ لَكُم بَعْضُ الَّذِي
تَسْتَعْجِلُونَ ۝٧٢ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ
لَا يَشْكُرُونَ ۝٧٣ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ۝٧٤
وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ۝٧٥

اور ان پر غم نہ کرو اور دل تنگ نہ ہو ان تدبیروں پر جو وہ کر رہے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہے اگر تم سچے ہو۔ کہو کہ جس چیز کی تم جلدی کر رہے ہو شاید اس میں سے کچھ تمہارے پاس آلگا ہو۔ اور بے شک تمہارا رب لوگوں پر بڑے فضل والا ہے۔ مگر ان میں سے اکثر شکر نہیں کرتے۔ اور بے شک تمہارا رب خوب جانتا ہے جو ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین کی کوئی پوشیدہ چیز نہیں ہے جو ایک واضح کتاب میں درج نہ ہو۔ ۷۰-۷۵

---

"غم نہ کرو" کا مطلب داعیٔ حق کو غم سے روکنا نہیں ہے۔ غم تو داعی کی غذا ہے۔ یہ دراصل حق کی بے بسی کی تردید ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سارے ناموافق حالات کے باوجود آخرکار بہر حال حق کو اور حق کا ساتھ دینے والوں کو کامیابی حاصل ہوگی۔

حق کے داعی کے مخالفین جب حق کے داعی کی مخالفت کرتے ہیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک شخص کی مخالفت کر رہے ہیں۔ وہ نہیں سمجھتے کہ یہ خود خدا کی مخالفت ہے نہ کہ محض ایک شخص کی مخالفت۔ یہ صورت حال صرف اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک امتحان کی مدت ختم نہ ہوئی ہو۔ امتحان کی مقررہ مدت ختم ہوتے ہی خدا کی طاقتیں ظاہر ہو جاتی ہیں اور وہ مخالفین کا اس طرح خاتمہ کر دیتی ہیں جیسے کہ کبھی ان کی کوئی حیثیت ہی نہ تھی۔ آدمی کے لئے

اس سے بڑی کوئی نادانی نہیں کہ وہ آزمائش کی فرصت کو اپنے لئے سرکشی کی فرصت کے ہم معنی بنالے۔

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ
يَخْتَلِفُونَ ۝٧٦ وَإِنَّهُ لَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝٧٧ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي
بَيْنَهُم بِحُكْمِهِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۝٧٨ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۖ إِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ
الْمُبِينِ ۝٧٩ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ۝٨٠
وَمَا أَنتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ ۖ إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا
فَهُم مُّسْلِمُونَ ۝٨١

بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر بہت سی چیزوں کو واضح کر رہا ہے جن میں وہ اختلاف رکھتے ہیں۔ اور وہ ہدایت اور رحمت ہے ایمان والوں کے لئے۔ بے شک تمہارا رب اپنے حکم کے ذریعہ ان کے درمیان فیصلہ کرے گا اور وہ زبردست ہے، جاننے والا ہے۔ پس اللہ پر بھروسہ کرو۔ بے شک تم صریح حق پر ہو۔ تم مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ تم بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہو جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر چلے جائیں۔ اور نہ تم اندھوں کو ان کی گمراہی سے بچا کر راستہ دکھانے والے ہو۔ تم تو صرف ان کو سنا سکتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں، پھر فرماں بردار بن جاتے ہیں۔ ۸۱-۷۶

---

انسان ایک ایسی مخلوق ہے جو آنکھ، کان اور دماغ کی صلاحیتیں رکھتا ہے۔ ان صلاحیتوں کو اگر کھلے طریقہ سے استعمال کیا جائے تو وہ بے خطا طور پر حقیقتوں کو دیکھنے اور پہچاننے کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنے آپ کو کسی مصنوعی تصور سے مغلوب کرلے تو اس کی ادراک کی صلاحیتیں معطل ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اس کے سامنے حقیقت بے نقاب صورت میں آتی ہے مگر وہ اس سے اس طرح بے خبر رہتا ہے جیسے کہ وہ اندھا بہرا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں اسی شخص کو راستہ دکھایا جا سکتا ہے جو راستہ دیکھنا چاہے۔ جس کے اندر خود راستہ کی تڑپ نہ ہو اس کے لئے کسی رہنما کی رہنمائی کام آنے والی نہیں۔

حق پرست بننے کے لئے سب سے زیادہ جو چیز درکار ہے وہ اعتراف ہے۔ اس دنیا میں اسی شخص کو ہدایت ملتی ہے جس کے اندر یہ مادہ ہو کہ جو بات دلائل سے واضح ہو جائے وہ فوراً اس کو مان لے اور اپنی زندگی کو اس کی ماتحتی میں دیدے۔

جو لوگ خدا کی دعوت کے آگے نہ جھکیں۔ انھیں آخر کار خدا کے فیصلہ کے آگے جھکنا پڑتا ہے۔ مگر اس وقت کا جھکنا کسی کے کچھ کام آنے والا نہیں۔

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ
النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿٨٢﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ ع
يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿٨٣﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَ
لَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا
فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿٨٥﴾ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٨٦﴾

اور جب ان پر بات آپڑے گی تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک دابہ نکالیں گے جو ان سے کلام کرے گا۔ کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ اور جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گروہ ان لوگوں کا جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے، پھر ان کی جماعت بندی کی جائے گی۔ یہاں تک کہ جب وہ آجائیں گے تو خدا کہے گا کہ تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا حالانکہ تمہارا علم ان کا احاطہ نہ کر سکا، یا بولو کہ تم کیا کرتے تھے۔ اور ان پر بات پوری ہو جائے گی اس سبب سے کہ انھوں نے ظلم کیا، پس وہ کچھ نہ بول سکیں گے کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے رات بنائی تاکہ لوگ اس میں آرام کریں۔ اور دن کہ اس میں دیکھیں بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو یقین کرتے ہیں۔ ۸۶ - ۸۲

---

جب اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہوگا کہ زمین کی موجودہ تاریخ ختم کردی جائے تو آخری طور پر کچھ غیر معمولی نشانیاں ظاہر ہوں گی۔ انھیں میں سے ایک دابّہ (جانور) کا ظہور ہے۔ انسانی داعیوں کی زبان سے جو بات لوگوں نے نہیں مانی اس کا اعلان ایک غیر انسانی مخلوق کے ذریعہ کرایا جائے گا۔ تاہم یہ امتحان کا وقت ختم ہونے کا گھنٹہ ہوگا نہ کہ امتحان کا وقت شروع ہونے کا اعلان۔

قیامت میں جب تمام لوگ حاضر ہوں گے تو ان کی جماعتیں بنائی جائیں گی۔ ماننے والے ایک طرف کردیے جائیں گے اور نہ ماننے والے دوسری طرف۔ اس کے بعد منکرین سے پوچھا جائے گا

کہ تمہارے پاس کون سی علمی دلیل تھی جس کی بنا پر تم نے صداقت کا انکار کیا۔ اس وقت ان کا لاجواب ہونا ثابت کرے گا کہ ان کا انکار محض ضد اور تعصب پر مبنی تھا۔ اگرچہ اپنے کو برحق ظاہر کرنے کے لئے وہ جھوٹے دلائل پیش کیا کرتے تھے۔ اس وقت ان پر کھلے گا کہ داعی کے ملفوظ کلام کے علاوہ رات اور دن بھی غیر ملفوظ زبان میں ان کو امر حق سے مطلع کر رہے تھے۔ رات کی نیند گویا موت کی تمثیل تھی۔ اور صبح کا جاگنا دوبارہ جی اٹھنے کی تمثیل۔ اعلان حق کے اتنے غیر معمولی اہتمام کے باوجود وہ حق کی دریافت سے محروم رہے۔

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا
مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ
مَرَّ السَّحَابِ ۭ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۭ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾
مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَىِٕذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ
جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

اور جس دن صور پھونکا جائے گا تو گھبرا اٹھیں گے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں مگر وہ جس کو اللہ چاہے۔ اور سب چلے آئیں گے اس کے آگے عاجزی سے۔ اور تم پہاڑوں کو دیکھ کر گمان کرتے ہو کہ وہ جمے ہوئے ہیں، اور وہ چلیں گے جیسے بادل چلیں۔ یہ اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو محکم کیا ہے۔ بے شک وہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ جو شخص بھلائی لے کر آئے گا تو اس کے لئے اس سے بہتر ہے، اور وہ اس دن گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے۔ اور جو شخص برائی لے کر آیا تو ایسے لوگ اوندھے منہ آگ میں ڈال دئے جائیں گے۔ تم وہی بدلہ پا رہے ہو جو تم کرتے تھے۔ ۹۰ - ۸۷

---

موجودہ دنیا میں انکار کا اصل سبب انسان کی بے خوفی ہے۔ یہ دراصل بے خوفی کی نفسیات ہے جس کی وجہ سے آدمی حق کو نظر انداز کرتا ہے اور اس کے مقابلہ میں سرکشی کا رویہ اختیار کرتا ہے۔ مگر جب امتحان کی مدت ختم ہوگی اور اس کی علامت کے طور پر صور پھونک دیا جائے گا تو اچانک لوگ محسوس کریں گے کہ ان کی بے خوفی محض بے خبری کی بنا پر تھی۔ اس دن تمام بڑائیاں ریت کی دیوار کی طرح ڈھ جائیں گی۔ یہ

ایسا سخت لمحہ ہوگا کہ انسان تو درکنار پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اس وقت سارا عجز ایک طرف ہو جائے گا اور ساری قدرت دوسری طرف۔

اس دن وہ تمام چیزیں بالکل غیر اہم ہو جائیں گی جن کو لوگ دنیا میں اہم سمجھے ہوئے تھے۔ اس دن سارا وزن صرف عمل صالح میں ہوگا۔ اس دن کھونے والے پائیں گے اور پانے والے ابدی طور پر محروم ہو کر رہ جائیں گے۔

إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِي حَرَّمَهَا وَلَهُ كُلُّ شَيْءٍ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٩١﴾ وَأَنْ أَتْلُوَ الْقُرْآنَ ۖ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۖ وَمَن ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿٩٢﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَتَعْرِفُونَهَا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾

مجھ کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر کے رب کی عبادت کروں جس نے اس کو محترم ٹھہرایا اور ہر چیز اسی کی ہے۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں برداری کرنے والوں میں سے بنوں۔ اور یہ کہ قرآن کو سناؤں۔ پھر جو شخص راہ پر آئے گا تو وہ اپنے لئے راہ پر آئے گا اور جو گمراہ ہوا تو کہہ دو کہ میں تو صرف ڈرانے والوں میں سے ہوں۔ اور کہو کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے، وہ تم کو اپنی نشانیاں دکھائے گا تو تم ان کو پہچان لوگے اور تمہارا رب اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو۔ ۹۳-۹۱

---

اس شہر (مکہ) کا حوالہ قرآن کے مخاطب اول کی رعایت سے ہے۔ تاہم یہ ایک اسلوب کلام کی بات ہے۔ آیت کا اصل مدعا انسان کو اس ابدی حقیقت کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ اُس کے لئے ایک ہی صحیح رویہ ہے۔ اور وہ یہ کہ وہ ایک خدا کا عبادت گزار بنے۔

داعی کا کام "سنانا" ہے۔ یعنی امر حق کا اعلان۔ آدمی کو داعی کی لفظی پکار میں معنوی حقیقت کا ادراک کرنا ہے۔ بے زور دعوت میں خدائی طاقت کا جلوہ دیکھنا ہے۔ جو لوگ اس صلاحیت کا ثبوت دیں وہی وہ لوگ ہیں جو خدا کے ابدی انعامات کے مستحق قرار دئے جائیں گے۔

"خدا اپنی نشانیاں دکھائے گا" اس پیشین گوئی کا ایک پہلو قرآن کے مخاطب اول (قریش مکہ) سے تعلق رکھتا ہے جن کو دور اول میں جنگ بدر اور فتح مکہ کی صورت میں خدا کی نشانیاں دکھائی گئیں۔

اس کا دوسرا پہلو وہ ہے جس کا تعلق قرآن کی ابدیت سے ہے۔ اس دوسرے اعتبار سے موجودہ زمانہ میں ظاہر ہونے والی سائنسی نشانیاں بھی اس غیر معمولی پیشین گوئی کے وسیع تر مصداق میں شامل ہیں۔

سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٍ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ
فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ③ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَ
جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ
نِسَآءَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ④ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا
فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ⑤ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ
فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ⑥

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

ط۔س۔م۔ یہ واضح کتاب کی آیتیں ہیں۔ ہم موسیٰ اور فرعون کا کچھ حال تم کو ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں، ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائیں۔ بے شک فرعون نے زمین میں سرکشی کی۔ اور اس نے اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ان میں سے ایک گروہ کو اس نے کمزور کر رکھا تھا۔ وہ ان کے لڑکوں کو ذبح کرتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا تھا۔ بے شک وہ فساد کرنے والوں میں سے تھا۔ اور ہم چاہتے تھے کہ ان لوگوں پر احسان کریں جو زمین میں کمزور کر دئے گئے تھے اور ان کو پیشوا بنائیں اور ان کو وارث بنا دیں اور ان کو زمین میں اقتدار عطا کریں۔ اور فرعون اور ہامان اور ان کی فوجوں کو ان سے وہی دکھا دیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔ ۱-۶

فرعون کو یہاں فساد فی الارض کا مجرم بتایا گیا ہے۔ فرعون کا فساد یہ تھا کہ اس نے مصر کی دو قوموں میں امتیاز کیا۔ قبطی قوم جو اس کی اپنی قوم تھی، اس کو اس نے ہر قسم کے مواقع دئے۔ اور بنی اسرائیل کو نہ صرف مواقع سے محروم کیا بلکہ ان کے نومولود لڑکوں کو قتل کرنا شروع کیا تاکہ دھیرے دھیرے ان کی نسل کا خاتمہ

ہو جائے۔ فرعون کا یہ عمل فطرت کے نظام میں مداخلت تھی۔ خدا کے قانون میں، نظام فطرت سے مطابقت کا نام اصلاح ہے اور نظام فطرت میں مداخلت کا نام فساد۔

عزت اور بے عزتی کا فیصلہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ خدا نے اس کے برعکس فیصلہ کیا جو فرعون نے فیصلہ کیا تھا۔ خدا نے فیصلہ کیا کہ وہ بنی اسرائیل کو عزت اور اقتدار دے اور فرعون کو اس کی فوجوں کے ساتھ ھلاک کر دے۔ حضرت موسیٰ کے ذریعہ اتمام حجت کے بعد فرعون نے اپنے کو مستحق عذاب ثابت کر دیا۔ چنانچہ خدا نے اس کو سمندر میں ڈبا کر ہمیشہ کے لئے اس کا خاتمہ کر دیا۔ اور بنی اسرائیل کو مصر سے لے جا کر شام و فلسطین کا حکمراں بنا دیا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۞ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۗ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ۞ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّىْ وَلَكَ ۭ لَا تَقْتُلُوْهُ ڰ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۞

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو الہام کیا کہ اس کو دودھ پلاؤ۔ پھر جب تم کو اس کی بابت ڈر ہو تو اس کو دریا میں ڈال دو۔ اور نہ اندیشہ کرو اور نہ غمگین ہو۔ ہم اس کو تمہارے پاس لوٹا کر لائیں گے۔ اور اس کو پیغمبروں میں سے بنائیں گے۔ پھر اس کو فرعون کے گھر والوں نے اٹھا لیا تاکہ وہ ان کے لئے دشمن ہو اور غم کا باعث بنے۔ بے شک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر خطاکار تھے۔ اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ آنکھ کی ٹھنڈک ہے، میرے لئے اور تمہارے لئے۔ اس کو قتل نہ کرو۔ کیا عجب کہ یہ ہم کو نفع دے یا ہم اس کو بیٹا بنا لیں۔ اور وہ سمجھتے نہ تھے۔ ۹-۷

---

حضرت موسیٰ کی پیدائش کے زمانہ میں بنی اسرائیل کے لڑکے ھلاک کئے جا رہے تھے۔ اس بنا پر حضرت موسیٰ کی والدہ پریشان ہوئیں۔ اس وقت غالباً خواب کے ذریعہ آپ کی والدہ کو یہ تدبیر بتائی گئی کہ وہ آپ کو ایک چھوٹی کشتی میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دیں۔ انھوں نے تین ماہ بعد ایسا ہی کیا۔ یہ چھوٹی کشتی بہتے ہوئے فرعون کے محل کے سامنے پہنچی۔ فرعون کی بیوی (آسیہ)، ایک نیک بخت خاتون تھیں۔

ان کو حضرت موسیٰ کے معصوم اور پرکشش حلیہ کو دیکھ کر رحم آگیا۔ چنانچہ ان کے مشورہ پر حضرت موسیٰ فرعون کے محل میں رکھ لئے گئے۔

روایات میں آتا ہے کہ فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ بچہ آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔ فرعون نے جواب دیا کہ تمہارے لئے ہے نہ کہ میرے لئے (لَكِ لَا لِي) یہ بات غالباً فرعون نے مرد اور عورت کے فرق پر کہی ہوگی مگر بعد کو وہ عین واقعہ بن گئی۔

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ۭ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا
عَلٰي قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝١٠ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۡ فَبَصُرَتْ
بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝١١ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ
فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓي اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ۝١٢
فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ
وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝١٣ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ ع ۲
عِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝١٤

اور موسیٰ کی ماں کا دل بے چین ہو گیا۔ قریب تھا کہ وہ اس کو ظاہر کر دے اگر ہم اس کے دل کو نہ سنبھالتے کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے رہے۔ اور اس نے اس کی بہن سے کہا کہ تو اس کے پیچھے پیچھے جا۔ تو وہ اس کو اجنبی بن کر دیکھتی رہی اور ان لوگوں کو خبر نہیں ہوئی۔ اور ہم نے پہلے ہی موسیٰ سے دائیوں کو روک رکھا تھا۔ تو لڑکی نے کہا، کیا میں تم کو ایسے گھر والوں کا پتہ دوں جو اس کو تمہارے لئے پالیں اور وہ اس کی خیر خواہی کریں۔ پس ہم نے اس کو اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اور وہ غمگین نہ ہو۔ اور تاکہ وہ جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور جب موسیٰ اپنی جوانی کو پہنچا اور پورا ہو گیا تو ہم نے اس کو حکمت اور علم عطا کیا اور ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو۔ ۱۴ - ۱۰

---

حضرت موسیٰ کی حفاظت کو اللہ تعالیٰ نے تمام تر اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ حالانکہ واقعہ کی تفصیلات بتاتی ہیں کہ پورا واقعہ اسباب کے تحت پیش آیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ امتحان کی دنیا میں اللہ

تعالیٰ کی مرضی کا ظہور عام طور پر اسباب کے انداز میں ہوتا ہے نہ کہ طلسمات اور خوارق کے انداز میں۔

حضرت موسیٰ بے بسی کی حالت میں دریا کی موجوں میں ڈالے گئے مگر وہ پوری طرح محفوظ رہ کر ساحل پر پہنچ گئے۔ بادشاہ وقت نے ان کے قتل کا منصوبہ بنایا مگر اللہ نے اسی بادشاہ کے ذریعہ آپ کی پرورش کا انتظام کیا۔ وہ ایک معمولی خاندان میں پیدا ہوئے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو شاہی محل سے وابستہ کرکے اعلیٰ ترین سطح پر ان کے لئے وقت کے علوم و آداب سیکھنے کا انتظام کیا۔ یہ ایک مثال ہے جو بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت لامحدود ہے۔ کوئی نہیں جو اس کے منصوبہ کو ظہور میں آنے سے روک سکے۔

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا
رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۤ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ
شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۤ قَالَ هٰذَا
مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ
فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ
فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۷﴾

اور شہر میں وہ ایسے وقت داخل ہوا جب کہ شہر والے غفلت میں تھے تو اس نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے پایا۔ ایک اس کی اپنی قوم کا تھا اور دوسرا دشمنوں میں سے تھا۔ تو جو اس کی قوم میں سے تھا اس نے اس کے خلاف مدد طلب کی جو اس کے دشمنوں میں سے تھا۔ پس موسیٰ نے اس کو گھونسہ مارا۔ پھر اس کا کام تمام کر دیا۔ موسیٰ نے کہا کہ یہ شیطان کے کام سے ہے۔ بے شک وہ دشمن ہے، کھلا گمراہ کرنے والا۔ اس نے کہا کہ اے میرے رب، میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے۔ پس تو مجھ کو بخش دے تو خدا نے اس کو بخش دیا۔ بے شک وہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ اس نے کہا کہ اے میرے رب، جیسا تو نے میرے اوپر فضل کیا تو میں کبھی مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا۔ ۱۷-۱۵

---

پیغمبری ملنے سے پہلے کا واقعہ ہے، حضرت موسیٰ مصر کے دار السلطنت میں تھے۔ ایک روز انھوں نے دیکھا کہ ایک قبطی اور ایک اسرائیلی لڑ رہے ہیں۔ اسرائیلی نے حضرت موسیٰ کو اپنا ہم قوم سمجھ کر پکارا کہ ظالم قبطی کے

مقابلہ میں میری مدد کیجئے۔ حضرت موسٰی نے دونوں کو الگ کرنا چاہا تو قبطی آپ سے الجھ گیا۔ آپ نے دفاع کے طور پر اس کو ایک گھونسا مارا۔ وہ اتفاقاً ایسی جگہ لگا کہ قبطی مر گیا۔

قبطی قوم اس وقت بنی اسرائیل پر سخت زیادتیاں کر رہی تھی۔ ایسی حالت میں حضرت موسٰی اگر اس واقعہ کو قومی نقطہ نظر سے دیکھتے تو وہ اس کو مجاہدانہ کارنامہ قرار دے کر فخر کرتے۔ مگر انھیں قبطی کی موت پر شدید افسوس ہوا۔ وہ فوراً اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اللہ سے معافی مانگنے لگے۔

"اب میں کسی مجرم کی حمایت نہیں کروں گا" اس کا مطلب یہ ہے کہ اب میں بلا تحقیق کسی کی حمایت نہیں کروں گا۔ ایک شخص کا بظاہر مظلوم فرقہ سے تعلق رکھنا یا کسی کو ظالم بتا کر اس کے خلاف مدد مانگنا یہ ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں کہ فی الواقع بھی دوسرا شخص ظالم ہے۔ اور فریاد کرنے والا مظلوم۔ اس لئے صحیح طریقہ یہ ہے کہ ایسے مواقع پر اصل معاملہ کی تحقیق کی جائے اور صرف اس وقت کسی کی حمایت کی جائے جب کہ غیر جانب دارانہ تحقیق میں اس کا مظلوم ہونا ثابت ہو جائے۔

فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ
يَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ اَنْ
يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰۤى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا
قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَ
مَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا
الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۫ قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ
فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۰﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۫ قَالَ رَبِّ
نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۱﴾

پھر صبح کو وہ شہر میں اٹھا ڈرتا ہوا، خبر لیتا ہوا۔ تو دیکھا ہے کہ وہی شخص جس نے کل مدد مانگی تھی، وہی آج پھر اس کو مدد کے لئے پکار رہا ہے۔ موسٰی نے اس سے کہا، بے شک تم صریح گمراہ ہو۔ پھر جب اس نے چاہا کہ اس کو پکڑے جو ان دونوں کا دشمن تھا تو اس نے کہا کہ اے موسٰی کیا تم مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہو جس طرح تم نے کل ایک شخص کو قتل کیا۔ تم تو زمین میں سرکش بن کر رہنا چاہتے ہو۔ تم صلح کرنے والوں میں سے بننا نہیں

چاہتے۔ اور ایک شخص شہر کے کنارے سے دوڑتا ہوا آیا۔ اس نے کہا اے موسیٰ، دربار والے مشورہ کر رہے ہیں کہ تم کو مار ڈالیں۔ پس تم نکل جاؤ، میں تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں۔ پھر وہ وہاں سے نکلا ڈرتا ہوا، خبر لیتا ہوا۔ اس نے کہا کہ اے میرے رب، مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے۔ ۲۱-۱۸

---

اگلے دن وہی اسرائیلی دوبارہ ایک قبطی سے لڑ رہا تھا۔ یہ اس بات کا واضح قرینہ تھا کہ یہ ایک جھگڑالو قسم کا آدمی ہے اور روزانہ کسی نہ کسی سے لڑتا رہتا ہے۔ چنانچہ اپنی قوم کا فرد ہونے کے باوجود حضرت موسیٰ نے اس کو مجرم ٹھہرایا۔ مذکورہ اسرائیلی کا مجرم ہونا اس واقعہ سے مزید ثابت ہوگیا کہ اس اسرائیلی نے جب دیکھا کہ حضرت موسیٰ آج اس کی مدد نہیں کر رہے ہیں اور اس کی امید کے خلاف خود اسی کو برا کہہ رہے ہیں تو وہ کمینہ پن پر اتر آیا۔ اس نے غیر ذمہ دارانہ طور پر کل کے قتل کا راز کھول دیا جو ابھی تک کسی کے علم میں نہ آیا تھا۔

اسرائیلی کی زبان سے قاتل کا نام نکلا تو بہت سے لوگوں نے سن لیا۔ چند دن میں اس کی خبر ہر طرف پھیل گئی۔ یہاں تک کہ حکمرانوں میں موسیٰ کے قتل کے مشورے ہونے لگے۔ ایک نیک بخت آدمی کو اس کا پتہ چل گیا۔ وہ خفیہ طور پر حضرت موسیٰ سے ملا اور کہا کہ اس وقت یہی بہتر ہے کہ آپ اس جگہ کو چھوڑ دیں چنانچہ آپ مصر سے نکل کر مدین کی طرف روانہ ہوگئے۔ مدین خلیج عقبہ کے مغربی ساحل پر تھا اور فرعون کی سلطنت کے حدود سے باہر تھا۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿٢٢﴾
وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِنَ النَّاسِ يَسْقُونَ وَوَجَدَ
مِنْ دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ ۖ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۖ قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّىٰ
يُصْدِرَ الرِّعَاءُ ۖ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ ﴿٢٣﴾ فَسَقَىٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّىٰ إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ
رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ﴿٢٤﴾

اور جب اس نے مدین کا رخ کیا تو اس نے کہا، امید ہے کہ میرا رب مجھ کو سیدھا راستہ دکھا دے۔ اور جب وہ مدین کے پانی پر پہنچا تو وہاں لوگوں کی ایک جماعت کو پانی پلاتے ہوئے پایا۔ اور ان سے الگ ایک طرف دو عورتوں کو دیکھا کہ وہ اپنی بکریوں کو روکے ہوئے کھڑی ہیں۔ موسیٰ نے ان سے پوچھا کہ تمہارا کیا ماجرا ہے۔

انھوں نے کہا کہ ہم پانی نہیں پلاتے جب تک چرواہے اپنی بکریاں ہٹا نہ لیں۔ اور ہمارا باپ بہت بوڑھا ہے تو اس نے ان کے جانوروں کو پانی پلا یا۔ پھر سائے کی طرف ہٹ گیا۔ پھر کہا کہ اے میرے رب، تو جو چیز میری طرف اتارے میں اس کا محتاج ہوں۔ ۲۴-۲۲

---

حضرت موسیٰ کا یہ سفر گویا نامعلوم منزل کی طرف سفر تھا۔ ایسے حالات میں مومن کے دل کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ پوری طرح آپ کے اوپر طاری تھی۔ آپ دعاؤں کے سایہ میں اپنا قدم آگے بڑھا رہے تھے۔ تقریباً دس دن کے سفر کے بعد مدین پہنچے۔ گمان غالب ہے کہ آپ بھوکے بھی ہوں گے۔

حضرت موسیٰ نے کمزوروں کی حمایت کے جذبہ کے تحت مدین کی دونوں لڑکیوں کی مدد کی۔ یہ واقعہ ان کے لئے لڑکیوں کے والد تک پہنچنے کا ذریعہ بنا۔ یہ بزرگ مدیان بن ابراہیم کی اولاد سے تھے اور حضرت موسیٰ اسحاق بن ابراہیم کی اولاد سے۔ اس اعتبار سے دونوں میں نسلی قربت بھی تھی۔

اس وقت حضرت موسیٰ کی زبان سے یہ دعا نکلی: رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر۔ یہ دعا بتاتی ہے کہ ایسے وقت میں مومن کا حال کیا ہوتا ہے۔ وہ اپنے معاملہ کو تمام تر اللہ پر ڈال دیتا ہے۔ اس کو یقین ہوتا ہے کہ بندہ کو جو کچھ ملتا ہے خدا سے ملتا ہے، اور خیر وہی ہے جو اس کو خدا کی طرف سے ملے۔

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ
مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٝ
نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ؗ اِنَّ خَيْرَ
مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ
هٰتَيْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَاۤ
اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ
ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى
مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾

پارہ ۲۰

پھر ان دونوں میں سے ایک آئی شرم سے چلتی ہوئی۔ اس نے کہا کہ میرا باپ آپ کو بلا رہا ہے کہ آپ نے ہماری خاطر جو پانی پلایا اس کا آپ کو بدلہ دے۔ پھر جب وہ اس کے پاس آیا اور اس سے سارا قصہ بیان کیا تو اس نے کہا کہ اندیشہ نہ کرو۔ تم نے ظالموں سے نجات پائی۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ اے باپ اس کو ملازم رکھ لیجئے۔ بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھیں وہی ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو۔ اس نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو لڑکیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ کردوں۔ اس شرط پر کہ تم آٹھ سال میری ملازمت کرو۔ پھر اگر تم دس سال پورے کردو تو وہ تمہاری طرف سے ہے۔ اور میں تم پر مشقت ڈالنا نہیں چاہتا۔ ان شاء اللہ تم مجھ کو بھلا آدمی پاؤ گے۔ موسیٰ نے کہا کہ یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہے۔ ان دونوں مدتوں میں سے جو بھی میں پوری کردوں تو مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا۔ اور اللہ ہمارے قول و قرار پر گواہ ہے۔ ۲۸-۲۵

---

لڑکیاں اس دن معمول سے کچھ پہلے گھر پہنچ گئیں۔ والد نے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ آج ایک مسافر نے ہماری بکریوں کو پہلے ہی پانی پلادیا۔ لڑکیوں کے والد نے کہا کہ پھر تم اس مسافر کو گھر کیوں نہ لائیں کہ وہ ہمارے ساتھ کھانا کھائے۔ چنانچہ ایک لڑکی دوبارہ کنویں پر گئی اور حضرت موسیٰ کو بلا کر لے آئی۔

چند دن کے تجربے نے بتایا کہ حضرت موسیٰ محنتی بھی ہیں اور امانت دار بھی۔ چنانچہ مذکورہ بزرگ نے اپنی بیٹی کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے حضرت موسیٰ کو اپنے یہاں مستقل خدمت کے لئے رکھ لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں صفات، امانت اور قوت (Honesty & hard working) تمام ضروری صفات کی جامع ہیں۔ آدمی کے انتخاب کے لئے معیار مقرر کرنا ہو تو ان دو لفظوں سے بہتر کوئی معیار نہیں ہوسکتا۔

بعد کو مذکورہ بزرگ نے اپنی ایک لڑکی کی شادی بھی حضرت موسیٰ سے کردی۔ تاہم چونکہ اس وقت انھیں اپنے گھر اور جائداد کی دیکھ بھال کے لئے ایک مرد کی شدید ضرورت تھی، انھوں نے حضرت موسیٰ کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ آٹھ سال یا دس سال تک ان کے یہاں قیام کریں۔ اس کے بعد وہ جہاں جانا چاہیں جاسکتے ہیں۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ

لِاَهۡلِهِ امۡكُثُوۡۤا اِنِّىۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا لَّعَلِّىۡۤ اٰتِيۡكُمۡ مِّنۡهَا بِخَبَرٍ اَوۡ جَذۡوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمۡ تَصۡطَلُوۡنَ ۝ فَلَمَّاۤ اَتٰٮهَا نُوۡدِىَ مِنۡ شَاطِیٴِ الۡوَادِ الۡاَيۡمَنِ فِى الۡبُقۡعَةِ الۡمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنۡ يّٰمُوۡسٰۤى اِنِّىۡۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝ وَاَنۡ اَلۡقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهۡتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدۡبِرًا وَّلَمۡ يُعَقِّبۡ ؕ يٰمُوۡسٰٓى اَقۡبِلۡ وَلَا تَخَفۡ اِنَّكَ مِنَ الۡاٰمِنِيۡنَ ۝ اُسۡلُكۡ يَدَكَ فِىۡ جَيۡبِكَ تَخۡرُجۡ بَيۡضَآءَ مِنۡ غَيۡرِ سُوۡٓءٍ وَّاضۡمُمۡ اِلَيۡكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهۡبِ فَذٰنِكَ بُرۡهَانٰنِ مِنۡ رَّبِّكَ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ٮِٕهٖ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِيۡنَ ۝

پھر جب موسیٰ نے مدت پوری کر دی اور وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ روانہ ہوا تو اس نے طور کی طرف سے ایک آگ دیکھی۔ اس نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم ٹھہرو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔ شاید میں وہاں سے کوئی خبر لے آؤں یا آگ کا انگارہ تاکہ تم تاپو۔ پھر جب وہ وہاں پہنچا تو وادی کے داہنے کنارے سے برکت والے خطہ میں درخت سے پکارا گیا کہ اے موسیٰ، میں اللہ ہوں، سارے جہان کا مالک۔ اور یہ کہ تم اپنا عصا ڈال دو۔ تو جب اس نے اس کو حرکت کرتے ہوئے دیکھا کہ گویا سانپ ہو، تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگا اور اس نے مڑ کر نہ دیکھا۔ اے موسیٰ آگے آؤ اور نہ ڈرو۔ تم بالکل محفوظ ہو۔ اپنا ہاتھ گریبان میں ڈالو، وہ چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی مرض کے، اور خوف کے واسطے اپنا بازو اپنی طرف ملا لو۔ پس یہ تمہارے رب کی طرف سے دو سندیں ہیں فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس جانے کے لئے۔ بے شک وہ نافرمان لوگ ہیں۔ ۳۲-۲۹

---

حضرت موسیٰ غالباً دس سال مدین میں رہے۔ اس مدت میں سابق فرعون مر گیا اور خاندان فرعون کا دوسرا شخص مصر کے تخت پر بیٹھا۔ اب آپ اپنی بیوی (اور تورات کے مطابق دو بچوں) کے ساتھ دوبارہ مصر کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں آپ پر طور کا تجربہ گزرا۔

جس خدا نے سینا کے پہاڑ پر ایک انسان سے براہ راست کلام کیا۔ وہ خدا تمام انسانوں کو بھی براہ راست آواز دے کر اپنی مرضی سے باخبر کر سکتا ہے۔ مگر یہ خدا کا طریقہ نہیں۔ براہ راست خطاب

کا مطلب پردہ کو ہٹا دینا ہے، جب کہ امتحان کی مصلحت چاہتی ہے کہ پردہ لازماً باقی رہے۔ چنانچہ خدا اپنا براہ راست کلام صرف کسی منتخب انسان کے اوپر اتارتا ہے اور بقیہ لوگوں کو اس کے ذریعہ سے بالواسطہ طور پر اپنا پیغام پہنچاتا ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ
اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْٓ ۡ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّکَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾
قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا ۚ ع
بِاٰیٰتِنَا ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾

موسیٰ نے کہا اے میرے رب میں نے ان میں سے ایک شخص کو قتل کیا ہے تو میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔ اور میرا بھائی ہارون وہ مجھ سے زیادہ فصیح ہے زبان میں، پس تو اس کو میرے ساتھ مددگار کی حیثیت سے بھیج کہ وہ میری تائید کرے۔ میں ڈرتا ہوں کہ وہ لوگ مجھے جھٹلا دیں گے۔ فرمایا کہ ہم تمہارے بھائی کے ذریعہ تمہارے بازو کو مضبوط کر دیں گے اور ہم تم دونوں کو غلبہ دیں گے تو وہ تم لوگوں تک نہ پہنچ سکیں گے۔ ہماری نشانیوں کے ساتھ، تم دونوں اور تمہاری پیروی کرنے والے ہی غالب رہیں گے۔

۳۳ - ۳۵

خدا جب کسی کو اپنی دعوت کے کام پر مامور کرتا ہے تو لازمی طور پر اس کو وہ تمام اسباب بھی دیتا ہے جو کار دعوت کی مؤثر ادائگی کے لئے ضروری ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کو ان کے حالات کے لحاظ سے متعدد چیزیں دی گئیں۔ آپ کو ماموریت کی سند کے طور پر خارق عادت معجزے عطا کئے گئے۔ آپ کو مددگار دیا گیا جو اعلان حق کے کام میں آپ کا معاون ہو۔ آپ کو شخصی ہیبت دی گئی تاکہ فرعون کی قوم آپ پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ کرے۔ خدا کی طرف سے یہ مقدر کر دیا گیا کہ حضرت موسیٰ اور آپ کے ساتھیوں (بنی اسرائیل) ہی کو آخری غلبہ حاصل ہو۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰی بِاٰیٰتِنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًی وَّ
مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰی رَبِّیْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ
جَآءَ بِالْهُدٰی مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ

الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ
فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤى اِلٰهِ
مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾

پھر جب موسیٰ ان لوگوں کے پاس ہماری واضح نشانیوں کے ساتھ پہنچا، انھوں نے کہا کہ یہ محض گھڑا ہوا جادو ہے۔ اور یہ بات ہم نے اپنے اگلے باپ دادا میں نہیں سنی۔ اور موسیٰ نے کہا میرا رب خوب جانتا ہے اس کو جو اس کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہے اور جس کو آخرت کا گھر ملے گا۔ بے شک ظالم فلاح نہ پائیں گے۔ اور فرعون نے کہا کہ اے درباروالو، میں تمہارے لئے اپنے سوا کسی معبود کو نہیں جانتا تو اے ہامان میرے لئے مٹی کو آگ دے، پھر میرے لئے ایک اونچی عمارت بنا تاکہ میں موسیٰ کے رب کو جھانک کر دیکھوں، اور میں تو اس کو ایک جھوٹا آدمی سمجھتا ہوں۔ ۳۶-۳۸

---

ایک شخص اپنے کو بڑا سمجھتا ہو، اس کے سامنے ایک بظاہر معمولی آدمی آئے اور اس پر براہ راست تنقید کرے تو وہ فوراً بپھر اٹھتا ہے۔ وہ اس کا استہزا کرتا ہے اور اس کا مذاق اڑانے کے لئے طرح طرح کی باتیں کرتا ہے۔ یہی اس وقت فرعون نے حضرت موسیٰ کے مقابلہ میں کیا۔

"میں اپنے سوا کوئی معبود نہیں جانتا" کوئی سنجیدہ جملہ نہیں ہے۔ ان الفاظ سے فرعون کا مقصود بیانِ حقیقت نہیں بلکہ تحقیرِ موسیٰ ہے۔ اسی طرح فرعون نے جب اپنے وزیر ہامان سے کہا کہ پختہ اینٹ تیار کر کے ایک اونچی عمارت بناؤ تاکہ میں آسمان میں جھانک کر موسیٰ کے خدا کو دیکھوں، تو یہ کوئی سنجیدہ حکم نہیں تھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ واقعۃً وہ اپنے وزیر کے نام ایک تعمیری فرمان جاری کر رہا ہے۔ یہ صرف حضرت موسیٰ کا استہزا تھا نہ کہ فی الواقع تعمیرِ مکان کا کوئی حکم۔

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا
لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ
لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ

ع مِنَ الْمَقْبُوحِينَ ﴿۴۲﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا
الْقُرُونَ الْأُولَىٰ بَصَائِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۴۳﴾

اور اس نے اور اس کی فوجوں نے زمین میں ناحق گھمنڈ کیا اور انھوں نے سمجھا کہ ان کو ہماری طرف لوٹ کر آنا نہیں ہے۔ تو ہم نے اس کو اور اس کی فوجوں کو پکڑا۔ پھر ان کو سمندر میں پھینک دیا۔ تو دیکھو کہ ظالموں کا انجام کیا ہوا۔ اور ہم نے ان کو سردار بنایا کہ آگ کی طرف بلاتے ہیں۔ اور قیامت کے دن ان کو مدد نہیں ملے گی۔ اور ہم نے اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی۔ اور قیامت کے دن وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے۔ اور ہم نے اگلی امتوں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی۔ لوگوں کے لئے بصیرت کا سامان، اور ہدایت اور رحمت تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔ ۴۳-۳۹

---

حضرت موسیٰ کی تحریک فرد انسانی میں ربانی انقلاب برپا کرنے کی تحریک تھی۔ آپ کا مدعا یہ تھا کہ آدمی اللہ سے ڈرے اور اللہ کا بندہ بن کر دنیا میں زندگی گزارے۔ آپ کا یہی پیغام دوسرے افراد کے لئے بھی تھا اور یہی اس فرد کے لئے بھی جو ملک کے تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔

یہ ایک عام بات ہے کہ اختیار و اقتدار پاکر آدمی گھمنڈ کی نفسیات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہی فرعون کا حال بھی تھا۔ حضرت موسیٰ نے فرعون کو ڈرایا کہ اگر تم متکبر بن کر دنیا میں رہو گے تو خدا کی پکڑ میں آجاؤ گے۔ مگر فرعون نے نصیحت قبول نہیں کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو ہلاک کر دیا گیا۔

فرعون قدیم مشرکانہ تہذیب کا امام تھا۔ مشرکانہ تہذیب میں فرعون کو اونچا مقام حاصل تھا۔ مگر مشرکانہ تہذیب نہ صرف مصر سے بلکہ ساری دنیا سے ختم ہو گئی۔ اب دنیا کی آبادی میں زیادہ تر یا تو مسلمان ہیں یا یہودی یا عیسائی۔ اور یہ سب کے سب متفقہ طور پر فرعون کو لعنت زدہ سمجھتے ہیں۔ اب دنیا میں کوئی بھی فرعون کی عظمت کو ماننے والا نہیں۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ
الشَّاهِدِينَ ﴿۴۴﴾ وَلَٰكِنَّا أَنْشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا
فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلَٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ﴿۴۵﴾ وَمَا كُنْتَ
بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَٰكِنْ رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا

مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

اور تم پہاڑ کے مغربی جانب موجود نہ تھے جب کہ ہم نے موسیٰ کو احکام دئے اور نہ تم شاہدین میں شامل تھے۔ لیکن ہم نے بہت سی نسلیں پیدا کیں پھر ان پر بہت زمانہ گذر گیا۔ اور تم مدین والوں میں بھی نہ رہتے تھے کہ ان کو ہماری آیتیں سناتے۔ مگر ہم ہیں پیغمبر بھیجنے والے۔ اور تم طور کے کنارے نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو پکارا، لیکن یہ تمہارے رب کا انعام ہے، تاکہ تم ایک ایسی قوم کو ڈرا دو جن کے پاس تم سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔ ۴۶-۴۴

---

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قرآن میں حضرت موسیٰ کے واقعات اس قدر تفصیل کے ساتھ بیان کر رہے تھے جیسے کہ آپ وہیں موقع پر کھڑے ہوں اور سب کچھ دیکھ اور سن رہے ہوں۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ آپ حضرت موسیٰ کے دو ہزار سال بعد مکہ میں پیدا ہوئے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل تھی کہ قرآن کا کلام خدا کا کلام ہے کیوں کہ کوئی انسان اس طرح کے بیان پر قادر نہیں ہوسکتا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آجکل کی طرح کتابیں نہیں ہوتی تھیں۔ اس وقت حضرت موسیٰ کے واقعات کا ذکر یہود کی غیر عربی کتابوں میں تھا جن کے صرف چند نسخے یہودی عبادت خانوں میں محفوظ تھے اور یقینی طور پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دسترس سے باہر تھے۔ مزید یہ کہ قرآن کے بیانات اور یہودی کتابوں کے بیانات میں بہت سے بامعنی فرق ہیں اور قرینہ بتاتا ہے کہ قرآن کا بیان ہی زیادہ صحیح ہے۔ مثال کے طور پر حضرت موسیٰ کے ہاتھ سے قبطی کی موت قرآن کے بیان کے مطابق بلا قصد ہوئی۔ جب کہ بائبل موسیٰ کے بارہ میں کہتی ہے :

"پھر اس نے اِدھر اُدھر نگاہ کی اور جب دیکھا کہ وہاں کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے تو اُس مصری کو جان سے مار کر اسے ریت میں چھپا دیا (خروج ۲ : ۱۲)

کھلی ہوئی بات ہے کہ حضرت موسیٰ جیسی مقدس شخصیت سے قرآن کا بیان مطابقت رکھتا ہے نہ کہ تورات کا بیان۔ پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کس طرح اس پر قادر ہوئے کہ کسی ظاہری وسیلہ کے بغیر حضرت موسیٰ کے واقعات اس قدر صحت کے ساتھ قرآن میں پیش کر سکیں۔ اس کا کوئی بھی جواب اس کے سوا نہیں ہوسکتا کہ خدائے عالم الغیب نے یہ باتیں آپ کے اوپر بذریعہ وحی نازل فرمائیں۔

وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ
اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا جَآءَ
هُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ
اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۟ وَقَالُوْٓا
اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ ان پر ان کے اعمال کے سبب سے کوئی آفت آئی تو وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب، تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے اور ہم ایمان والوں میں سے ہوتے۔ پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا تو انھوں نے کہا کہ کیوں نہ اس کو ویسا ملا جیسا موسیٰ کو ملا تھا۔ کیا لوگوں نے اس کا انکار نہیں کیا جو اس سے پہلے موسیٰ کو دیا گیا تھا، انھوں نے کہا کہ دونوں جادو ہیں ایک دوسرے کے مددگار، اور انھوں نے کہا کہ ہم دونوں کا انکار کرتے ہیں۔ ۴۸ - ۴۷

---

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قدیم مصریوں کے سامنے اپنا پیغام رسالت پیش کیا تو اسی کے ساتھ آپ نے معجزے بھی دکھائے۔ مگر ان لوگوں نے نہیں مانا اور کہہ دیا کہ یہ تو جادو ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قدیم عرب میں دلائل کی بنیاد پر حق کی دعوت پیش کی تو انھوں نے کہا کہ اگر یہ پیغمبر ہیں تو موسیٰ جیسے معجزے کیوں نہیں دکھاتے۔

یہ سب غیر سنجیدہ ذہن سے نکلی ہوئی باتیں ہیں۔ موجودہ دنیا میں حق کو ماننے کے لئے سب سے ضروری شرط یہ ہے کہ آدمی سنجیدہ ہو۔ جو شخص حق اور ناحق کے معاملہ میں سنجیدہ نہ ہو اس کو کوئی بھی چیز حق کے اعتراف پر مجبور نہیں کر سکتی۔ وہ ہر بار نئے عذر تلاش کر لے گا۔ وہ ہر بات کے جواب میں نئے الفاظ پا لے گا۔

قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾
فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ
ع ۸ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

کہو کہ تم اللہ کے پاس سے کوئی کتاب لے آؤ جو ہدایت کرنے میں ان دونوں سے بہتر ہو، میں اس کی پیروی کروں گا اگر تم سچے ہو۔ پس اگر یہ لوگ تمہارا کہا نہ کرسکیں تو جان لو کہ وہ صرف اپنی خواہش کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش کی پیروی کرے۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اور ہم نے ان لوگوں کے لئے پے در پے اپنا کلام بھیجا تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔ ۴۹-۵۱

---

حق کے پیغام کو ماننے یا نہ ماننے کا جو اصل معیار ہے وہ یہ ہے کہ پیغام کو خود اس کے جوہر ذاتی کی بنیاد پر جانچا جائے۔ اگر وہ اپنی ذات میں برتر صداقت ہونا ثابت کر رہا ہو تو یہی کافی ہے کہ اس کو مان لیا جائے۔ اس کے بعد اس کو ماننے کے لئے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔

صداقت کا جواب صداقت ہے۔ اگر آدمی صداقت کا انکار کرے اور اس کے جواب میں دوسری اعلیٰ تر صداقت نہ پیش کرسکے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خواہش پرستی کی وجہ سے اس کا انکار کر رہا ہے۔ جن لوگوں کا یہ حال ہو کہ وہ صداقت کو معقولیت کے ذریعہ رد نہ کرسکیں اور پھر بھی خواہش اور تعصب کے زیر اثر اس کو نہ مانیں وہ بدترین گمراہ لوگ ہیں۔ ایسے لوگ خدا کے یہاں ظالموں میں شمار ہوں گے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ۝ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝

جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی ہے وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جب وہ ان

کو سنایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ بے شک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے، ہم تو پہلے ہی سے اس کو ماننے والے ہیں۔ یہ لوگ ہیں کہ ان کو ان کا اجر دُہرا دیا جائے گا اس پر کہ انھوں نے صبر کیا۔ اور وہ برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جب وہ لغو بات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال۔ تم کو سلام، ہم بے سمجھ لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔ تم جس کو چاہو ہدایت نہیں دے سکتے۔ بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور وہی خوب جانتا ہے جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں۔ ۵۲ — ۵۶

---

ماننے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ حق ہے اس لئے ماننا۔ دوسرے یہ کہ اپنے گروہ کا ہے اس لئے ماننا۔ ان دونوں میں صرف پہلی قسم کے انسان ہیں جن کو ہدایت کی توفیق ملتی ہے۔ اور اسی قسم کے لوگ تھے جو دور اول میں قرآن اور پیغمبر پر ایمان لائے۔

عیسائیوں اور یہودیوں میں ایک تعداد تھی جو قرآن کو سنتے ہی اس کی مومن بن گئی۔ یہ وہ لوگ تھے جو سابق پیغمبروں کی حقیقی تعلیمات پر قائم تھے۔ اس لئے ان کو پیغمبر آخر الزماں کو پہچاننے میں دیر نہیں لگی۔ انھوں نے نئے پیغمبر کو بھی اسی طرح پہچان لیا جس طرح انھوں نے پچھلے پیغمبروں کو پہچانا تھا۔ مگر اپنے آپ کو اس قابل رکھنے کے لئے انھیں "صبر" کے مرحلوں سے گزرنا پڑا۔

انھوں نے اپنے ذہن کو ان اثرات سے پاک رکھا جس کے بعد آدمی حق کی معرفت کے لئے نا اہل ہو جاتا ہے۔ یہ وہ تاریخی اور سماجی عوامل ہیں جو آدمی کے ذہن میں خدائی دین کو گروہی دین بنا دیتے ہیں۔ آدمی کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ وہ صرف اس دین کو پہچان سکے جو اس کو اپنے گروہ سے ملا ہو۔ وہ اس دین کو پہچاننے میں ناکام رہے جو اس کے اپنے گروہ کے باہر سے اس کے پاس آئے۔ ان اثرات سے محفوظ رہنے کے لئے آدمی کو زبردست نفسیاتی قربانی دینی پڑتی ہے۔ اس لئے اس کو صبر سے تعبیر فرمایا۔ ایسے لوگوں کو دُہرا اجر دیا جائے گا۔ ایک ان کی اس قربانی کا کہ انھوں نے اپنے سابقہ ایمان کو گروہی ایمان بننے نہیں دیا۔ اور دوسرے ان کی جوہر شناسی کا کہ ان کے سامنے نیا پیغمبر آیا تو انھوں نے اس کو پہچان لیا اور اس کے ساتھ ہو گئے۔

جن لوگوں کے اندر حق شناسی کا مادہ ہو انھیں کے اندر اعلیٰ اخلاقی اوصاف پرورش پاتے ہیں۔ لوگ ان کے ساتھ برائی کریں تب بھی وہ لوگوں کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں۔ وہ دوسروں کی مدد

کرتے ہیں تاکہ خدا ان کی مدد کرے۔ ان کا طریقہ اعراض کا طریقہ ہوتا ہے نہ کہ لوگوں سے الجھنے کا طریقہ۔

وَقَالُوٓا إِن نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ أَرْضِنَا ۗ أَوَلَمْ نُمَكِّن لَّهُمْ
حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى إِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّن لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ
لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٧﴾

اور وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم تمہارے ساتھ ہو کر اس ہدایت پر چلنے لگیں تو ہم اپنی زمین سے اچک لئے جائیں گے کیا ہم نے ان کو امن و امان والے حرم میں جگہ نہیں دی۔ جہاں ہر قسم کے پھل کھنچے چلے آتے ہیں، ہماری طرف سے رزق کے طور پر، لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ۵۷

---

جس نظام سے آدمی کے فائدے وابستہ ہو جائیں وہ سمجھنے لگتا ہے کہ مجھ کو جو کچھ مل رہا ہے وہ اسی نظام کی بدولت مل رہا ہے۔ آدمی صرف حال کے فائدوں کو جانتا ہے، وہ مستقبل کے فائدوں کو نہیں جانتا۔

یہی معاملہ قدیم مکہ کے مشرکوں کا تھا۔ انھوں نے کعبہ میں تمام عرب قبیلوں کے بت رکھ دئے تھے۔ اس طرح انھیں پورے ملک کی مذہبی سرداری حاصل ہو گئی تھی۔ اسی طرح ان بتوں کے نام پر جو نذرانے آتے تھے وہ بھی ان کی معاش کا خاص ذریعہ تھے۔

مگر یہ صرف ان کی تنگ نظری تھی۔ خدا کا رسول انھیں ایک ایسے دین کی طرف بلا رہا تھا جو انھیں عالم کی امامت دینے والا تھا، اور وہ ایک ایسے دین کی خاطر اس کو چھوڑ رہے تھے جس کے پاس ملک کے قبیلوں کی معمولی سرداری کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا ۖ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَن مِّنۢ
بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا ۗ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِينَ ﴿٥٨﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى
حَتّٰى يَبْعَثَ فِىٓ أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِى الْقُرٰٓى
إِلَّا وَأَهْلُهَا ظٰلِمُونَ ﴿٥٩﴾

اور ہم نے کتنی ہی بستیاں ہلاک کر دیں جو اپنے سامانِ معیشت پر نازاں تھیں۔ پس یہ ہیں ان کی بستیاں

جو ان کے بعد آباد نہیں ہوئیں مگر بہت کم۔ اور ہم ہی ان کے وارث ہوئے اور تیرا رب بستیوں کو ھلاک کرنے والا نہ تھا جب تک ان کی بڑی بستی میں کسی پیغمبر کو نہ بھیج لے جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ہم ہرگز بستیوں کو ھلاک کرنے والے نہیں مگر جب کہ وہاں کے لوگ ظالم ہوں۔ ۵۹ — ۵۸

---

دنیا میں کسی کو مادی استحکام حاصل ہو تو وہ بڑائی کے احساس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ تاریخ مسلسل یہ سبق دے رہی ہے کہ کسی بھی شخص یا قوم کا مادی استحکام مستقل نہیں۔ جب بھی کسی قوم نے حق کو نظر انداز کیا، ساری عظمت کے باوجود وہ ھلاک کر دی گئی۔

عرب کے جغرافیہ میں اسلام سے پہلے مختلف قومیں ابھریں۔ مثلاً عاد، ثمود، سبا، مدین، قوم لوط وغیرہ۔ ہر ایک کبر میں مبتلا ہوگئی۔ مگر ہر ایک کا کبر زمانہ نے باطل کر دیا۔ اور بالآخر ان کی حیثیت گزری ہوئی کہانی کے سوا اور کچھ نہ رہی۔ ان قوموں کے کھنڈر چاروں طرف پھیلے ہوئے انسانی عظمت کی نفی کر رہے تھے۔ اس کے باوجود پیغمبر اسلام کے زمانہ میں جن لوگوں کو بڑائی حاصل تھی انھوں نے پیغمبر کو اس طرح جھٹلا دیا جیسے کہ ماضی کے واقعات میں ان کے حال کے لئے کوئی نصیحت نہیں۔

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ
خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٠﴾ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ ركوع ۶
كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٦١﴾

اور جو چیز بھی تم کو دی گئی ہے تو وہ بس دنیا کی زندگی کا سامان اور اس کی رونق ہے۔ اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے، پھر کیا تم سمجھتے نہیں۔ بھلا وہ شخص جس سے ہم نے اچھا وعدہ کیا ہے پھر وہ اس کو پانے والا ہے، کیا اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جس کو ہم نے صرف دنیوی زندگی کا فائدہ دیا ہے، پھر قیامت کے دن وہ حاضر کئے جانے والوں میں سے ہے۔ ۶۱ — ۶۰

---

دنیا میں آدمی کے پاس کتنا ہی زیادہ ساز و سامان ہو، بہر حال موت کے وقت وہ آدمی کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ موت کے بعد جو چیز آدمی کے ساتھ جاتی ہے وہ اس کے نیک اعمال ہیں نہ کہ دنیوی عزت اور مادی ساز و سامان۔

ایسی حالت میں عقلمندی یہ ہے کہ آدمی چند دن کی کامیابی کے مقابلہ میں ابدی کامیابی کو

ترجیح دے۔ وہ دنیا کی تعمیر کے بجائے آخرت کی تعمیر کی فکر کرے۔

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٦٢﴾ قَالَ الَّذِينَ
حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا أَغْوَيْنَاهُمْ كَمَا غَوَيْنَا تَبَرَّأْنَا
إِلَيْكَ مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ ﴿٦٣﴾

اور جس دن خدا ان کو پکارے گا پھر کہے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کا تم دعویٰ کرتے تھے۔ جن پر بات ثابت ہو چکی ہوگی وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب یہ لوگ ہیں جنھوں نے ہم کو بہکایا۔ ہم نے ان کو اسی طرح بہکایا جس طرح ہم خود بہکے تھے۔ ہم ان سے برأت کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ ۶۳ - ۶۲

---

یہاں "شریک" سے مراد گمراہ لیڈر ہیں۔ یعنی وہ بڑے لوگ جن کی بات لوگوں نے اس طرح مانی جس طرح خدا کی بات ماننی چاہئے۔ قیامت میں جب ان بڑوں کا ساتھ دینے والے لوگ اپنا برا انجام دیکھیں گے تو ان کا عجیب حال ہوگا۔ وہ پائیں گے کہ جن بڑوں سے وابستہ ہونے پر وہ فخر کرتے تھے، ان بڑوں نے انھیں صرف جہنم تک پہنچایا ہے۔ اس وقت وہ بیزار ہو کر ان سے کہیں گے کہ ہماری بربادی کے ذمہ دار تم ہو۔ ان کے بڑے جواب دیں گے کہ تمہاری اپنی ذات کے سوا کوئی تمہاری بربادی کا ذمہ دار نہیں۔ اگرچہ بظاہر تم ہمارے کہنے پر چلے مگر ہمارا ساتھ تم نے اس لئے دیا کہ ہماری بات تمہاری خواہشات کے مطابق تھی۔ تم درحقیقت اپنی خواہشات کے پیرو تھے نہ کہ ہمارے پیرو۔ ہم بھی اپنی خواہشات پر چلے اور تم بھی اپنی خواہشات پر چلے۔ اب دونوں کو ایک ہی انجام بھگتنا ہے۔ ایک دوسرے کو برا کہنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَرَأَوُا الْعَذَابَ لَوْ
أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ ﴿٦٤﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ﴿٦٥﴾
فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْأَنْبَاءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿٦٦﴾ فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ
وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ﴿٦٧﴾

اور کہا جائے گا کہ اپنے شریکوں کو بلاؤ تو وہ ان کو پکاریں گے تو وہ ان کو جواب نہ دیں گے۔ اور وہ عذاب کو دیکھیں گے۔ کاش وہ ہدایت اختیار کرنے والے ہوتے۔ اور جس دن خدا ان کو پکارے گا اور فرمائے گا کہ تم نے پیغام پہنچانے والوں کو کیا جواب دیا تھا۔ پھر اس دن ان کی تمام باتیں گم ہو جائیں گی۔ تو وہ آپس میں بھی نہ پوچھ سکیں گے۔ البتہ جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیا تو امید ہے کہ وہ فلاح پانے والوں میں سے ہوگا۔ ۶۴ - ۶۷

---

دنیا میں آدمی جب حق کا انکار کرتا ہے تو وہ کسی بھروسہ پر حق کا انکار کرتا ہے۔ آخرت میں اس سے کہا جائے گا کہ جن کے بھروسہ پر تم نے حق کو نہیں مانا تھا آج ان کو بلاؤ تاکہ وہ تم کو انکار حق کے برے انجام سے بچائیں۔ مگر یہ خدا کے ظہور کا دن ہوگا۔ اور کون ہے جو خدا کے مقابلہ میں کسی کی مدد کر سکے۔

دنیا میں آدمی کسی حال میں چپ نہیں ہوتا۔ ہر دلیل کو رد کرنے کے لئے اس کو یہاں الفاظ مل جاتے ہیں۔ مگر یہ سارے الفاظ قیامت میں جھوٹے الفاظ ثابت ہوں گے۔ وہاں آدمی افسوس کرے گا کہ کتنی چھوٹی چیز کی خاطر اس نے کتنی بڑی چیز کو کھو دیا۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۷۰﴾

اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہے اور وہ پسند کرتا ہے جس کو چاہے۔ ان کے ہاتھ میں نہیں ہے پسند کرنا۔ اللہ پاک اور برتر ہے اس سے جس کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں اور تیرا رب جانتا ہے جو کچھ ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور وہی اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی کے لئے حمد ہے دنیا میں اور آخرت میں۔ اور اسی کے لئے فیصلہ ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ ۶۸ - ۷۰

---

اللہ تعالیٰ انسانوں کو پیدا کرتا ہے۔ پھر انسانوں میں سے کسی شخص کو وہ کسی خاص کام کے لئے

منتخب کرلیتا ہے۔ یہ انتخاب اس کے ذاتی تقدس کی بنا پر نہیں ہوتا۔ بلکہ خدا کے اپنے فیصلہ کے تحت ہوتا ہے۔ اس لئے ایسی شخصیتوں کو مقدس مان کر ان کو خدا کا درجہ دینا سراسر بےبنیاد ہے۔ خدا کی دنیا میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

آدمی حق کا انکار کرنے کے لئے زبان سے کچھ الفاظ بول دیتا ہے۔ مگر اس کے دل میں کچھ اور بات ہوتی ہے۔ وہ ذاتی مصلحتوں کی بنا پر حق کو نہیں مانتا اور الفاظ کے ذریعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ دلیل اور معقولیت کی بنا پر اس کا انکار کر رہا ہے۔ آخرت میں یہ پردہ باقی نہیں رہے گا۔ اس وقت کھلے طور پر معلوم ہو جائے گا کہ اس کے دل میں کچھ اور تھا مگر اپنی بڑائی کو باقی رکھنے کے لئے وہ کچھ دوسرے الفاظ بولتا رہا۔

قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِن جَعَلَ ٱللَّهُ عَلَيْكُمُ ٱلَّيْلَ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ مَنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ ٱللَّهِ يَأْتِيكُم بِضِيَآءٍ ۖ أَفَلَا تَسْمَعُونَ ﴿٧١﴾ قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِن جَعَلَ ٱللَّهُ عَلَيْكُمُ ٱلنَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ مَنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ ٱللَّهِ يَأْتِيكُم بِلَيْلٍ تَسْكُنُونَ فِيهِ ۖ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٧٢﴾ وَمِن رَّحْمَتِهِۦ جَعَلَ لَكُمُ ٱلَّيْلَ وَٱلنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا۟ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا۟ مِن فَضْلِهِۦ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٧٣﴾

کہو کہ بتاؤ، اگر اللہ قیامت کے دن تک تم پر ہمیشہ کے لئے رات کر دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہارے لئے روشنی لے آئے۔ تو کیا تم لوگ سنتے نہیں۔ کہو کہ بتاؤ اگر اللہ قیامت تک تم پر ہمیشہ کے لئے دن کر دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہارے لئے رات کو لے آئے جس میں تم سکون حاصل کرتے ہو۔ کیا تم لوگ دیکھتے نہیں۔ اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن کو بنایا تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔ ۷۳ - ۷۱

---

جس زمین پر انسان آباد ہے اس کے بے شمار حیرت ناک پہلوؤں میں سے ایک حیرت ناک پہلو یہ ہے کہ وہ مسلسل سورج کے گرد گھوم رہی ہے۔ سورج کے گرد اس کی محوری گردش اس طرح ہوتی ہے کہ ہر چوبیس گھنٹے میں اس کا ایک چکر پورا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے اوپر بار بار رات اور دن آتے رہتے ہیں۔ اگر زمین کی یہ محوری گردش نہ ہو تو کرۂ زمین کے ایک حصہ میں مستقل رات ہوگی اور دوسرے

حصہ میں مستقل دن۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ موجودہ پُرراحت زمین انسان کے لئے ایک ناقابل بیان عذاب خانہ بن جائے گی۔

خلا میں زمین کا اس طرح حددرجہ صحت کے ساتھ مسلسل گردش کرنا اتنا بڑا واقعہ ہے کہ اس واقعہ کو ظہور میں لانے کے لئے تمام جن وانس کی طاقتیں بھی ناکافی ہیں۔ قادر مطلق خدا کے سوا کوئی نہیں جو اتنے بڑے واقعہ کو ظہور میں لاسکے۔ ایسی حالت میں یہ کتنی بڑی گمراہی ہے کہ انسان اپنے خوف و محبت کے جذبات کو ایک خدا کے سوا کسی اور کے ساتھ وابستہ کرے۔

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۷۴﴾ وَنَزَعْنَا
مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ
ع ۱۵ ۷ ۱۰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۷۵﴾

اور جس دن اللہ ان کو پکارے گا پھر کہے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک جن کا تم گمان رکھتے تھے۔ اور ہم ہر امت میں سے ایک گواہ نکال کر لائیں گے۔ پھر لوگوں سے کہیں گے کہ اپنی دلیل لاؤ، تب وہ جان لیں گے کہ حق اللہ کی طرف ہے۔ اور وہ باتیں ان سے گم ہو جائیں گی جو وہ گھڑتے تھے۔ ۷۴-۷۵

---

پیغمبر اور پیغمبر کی سچی پیروی کرنے والے داعی قیامت میں خدا کے گواہ بنا کر کھڑے کئے جائیں گے۔ جن قوموں پر انھوں نے خدا کا پیغام پہنچانے کا فرض انجام دیا تھا ان کے بارہ میں وہ وہاں بتائیں گے کہ پیغام کو سن کر انھوں نے کس قسم کا ردعمل پیش کیا۔ اس دن ان لوگوں کے تمام بھروسے ختم ہو جائیں گے جنھوں نے غیر اللہ کے اعتماد پر دعوت حق کو نظر انداز کیا تھا۔ اس دن ان کا یہ حال ہوگا کہ وہ اپنی صفائی کرنا چاہیں گے مگر وہ اپنی صفائی کے لئے الفاظ نہ پائیں گے۔

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ﴿۷۶﴾ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ۖ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ۖ وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ

وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ ۝

قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا۔ پھر وہ ان کے خلاف سرکش ہوگیا۔ اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دئے تھے کہ ان کی کنجیاں اٹھانے سے کئی طاقت ور مرد تھک جاتے تھے۔ جب اس کی قوم نے اس سے کہا کہ اترا و مت، اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو کچھ اللہ نے تم کو دیا ہے اس میں آخرت کے طالب بنو۔ اور دنیا میں سے اپنے حصے کو نہ بھولو۔ اور لوگوں کے ساتھ بھلائی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے۔ اور زمین میں فساد کے طالب نہ بنو، اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ۷۶-۷۷

---

قارون کا نام یہودی کتابوں میں قورح (Korah) آیا ہے۔ وہ بنی اسرائیل کا ایک فرد تھا۔ مگر وہ اپنی قوم سے کٹ کر فرعون کا وفادار بن گیا۔ اس کی اسے یہ قیمت ملی کہ وہ فرعون کا مقرب بن گیا۔ اس نے اپنی دنیادارانہ صلاحیت کے ذریعہ اتنا کمایا کہ وہ مصر کا سب سے زیادہ دولت مند شخص بن گیا۔ دولت پاکر اس کے اندر شکر کا جذبہ ابھرنا چاہئے تھا۔ مگر دولت نے اس کے اندر فخر کا جذبہ پیدا کیا۔ اپنے معاشی وسائل سے اس کو جو نیکی کمانی چاہئے تھی وہ نیکی اس نے نہیں کمائی۔

زمین میں فساد کرنا کیا ہے۔ اس آیت (۷۷) کے مطابق زمین میں فساد برپا کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ ایک شخص کو زیادہ دولت ملے تو وہ اس کو صرف اپنی ذات کے لئے خرچ کرے۔ سمندر میں زمین کا پانی آکر جمع ہوتا ہے تو سمندر پانی کو بھاپ کی شکل میں اڑا کر دوبارہ اس کو پوری زمین پر پھیلا دیتا ہے۔ یہ خدا کی دنیا میں اصلاح کا ایک نمونہ ہے۔ یہی چیز انسان سے اس طرح مطلوب ہے کہ اگر کسی وجہ سے ایک شخص کے پاس زیادہ دولت اکٹھا ہوجائے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کو مختلف طریقوں سے ان لوگوں کی طرف لوٹائے جنھیں معاشی تقسیم میں کم حصہ ملا ہے۔ گویا جمع شدہ دولت کو گردش میں لانا اصلاح ہے اور جمع شدہ دولت کو جمع رکھنا فساد۔

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ ۭ اَوَلَمْ یَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ۭ وَلَا یُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

اس نے کہا، یہ مال مجھ کو ایک علم کی بنا پر ملا ہے جو میرے پاس ہے۔ کیا اس نے یہ نہیں جانا کہ اللہ اس سے پہلے کتنی جماعتوں کو ہلاک کرچکا ہے جو اس سے زیادہ قوت اور جمعیت رکھتی تھیں۔ اور مجرموں سے ان کے گناہ پوچھے نہیں جاتے۔ ۷۸

---

قارون کا جو کردار یہاں بیان ہوا ہے یہی ہمیشہ صاحبانِ دولت کا کردار رہا ہے۔ دولت مند آدمی سمجھتا ہے کہ اس کو جو کچھ ملا ہے وہ اس کے علم کی بدولت ملا ہے۔ مگر کسی دولت مند کا علم اس کو یہ نہیں بتاتا کہ تم سے پہلے بھی بہت سے لوگوں کو دولت ملی مگر ان کی دولت انھیں موت یا ہلاکت سے نہ بچا سکی۔ پھر تم کو وہ کس طرح بچانے والی ثابت ہوگی۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝

پس وہ اپنی قوم کے سامنے اپنی پوری آرائش کے ساتھ نکلا۔ جو لوگ حیات دنیا کے طالب تھے انھوں نے کہا، کاش ہم کو بھی وہی ملتا جو قارون کو دیا گیا ہے، بے شک وہ بڑی قسمت والا ہے۔ اور جن لوگوں کو علم ملا تھا انھوں نے کہا، تمہارا برا ہو اللہ کا ثواب بہتر ہے اس شخص کے لئے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے۔ اور یہ انھیں کو ملتا ہے جو صبر کرنے والے ہیں۔ ۸۰-۷۹

---

جس آدمی کے پاس دولت ہو اس کے گرد لازمی طور پر دنیا کی رونق جمع ہو جاتی ہے۔ اس کو دیکھ کر بہت سے نادان لوگ اس کے اوپر رشک کرنے لگتے ہیں۔ مگر جن لوگوں کو حقیقت کا علم حاصل ہو جائے ان کو یہ جاننے میں دیر نہیں لگتی کہ یہ محض چند دن کی رونق ہے اور جو چیز چند روزہ ہو اس کی کوئی قیمت نہیں۔

علم حقیقت اس دنیا میں سب سے زیادہ قیمتی چیز ہے۔ مگر علم حقیقت کا مالک بننے کے لئے صبر کی صلاحیت درکار ہوتی ہے۔ یعنی خارجی حالات کا دباؤ قبول نہ کرتے ہوئے اپنا ذہن بنانا۔

ظاہری چیزوں سے غیر متأثر رہ کر سوچنا۔ وقتی کشش کی چیزوں کو نظر انداز کر کے رائے قائم کرنا۔ یہ بلاشبہ صبر کی مشکل ترین قسم ہے مگر اسی مشکل ترین امتحان میں پورا اترنے کے بعد آدمی کو وہ چیز ملتی ہے جس کو علم اور حکمت کہا جاتا ہے۔

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۗ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ
يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ
لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۖ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع ۸ / ۱۱

پھر ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔ پھر اس کے لئے کوئی جماعت نہ اٹھی جو اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتی۔ اور نہ وہ خود ہی اپنے کو بچا سکا۔ اور جو لوگ کل اس کے جیسا ہونے کی تمنا کر رہے تھے وہ کہنے لگے کہ افسوس، بے شک اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ اگر اللہ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہم کو بھی زمین میں دھنسا دیتا۔ افسوس، بے شک انکار کرنے والے فلاح نہیں پائیں گے۔ ۸۲-۸۱

---

بائبل کے بیان کے مطابق حضرت موسیٰ نے قارون کے برے اعمال کی وجہ سے اس کے لئے بددعا فرمائی اور وہ اپنے ساتھیوں اور خزانے سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔ یہ اللہ کی طرف سے مشاہداتی سطح پر دکھایا گیا کہ خدا پرستی کو چھوڑ کر دولت پرستی اختیار کرنے کا آخری انجام کیا ہوتا ہے۔

دنیا کا رزق دراصل امتحان کا سامان ہے۔ یہ ہر آدمی کو خدا کے فیصلہ کے تحت کم یا زیادہ دیا جاتا ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ رزق کم ملے تو صبر کرے۔ اور اگر رزق زیادہ ملے تو شکر کرے۔ یہی کسی انسان کے لئے نجات اور کامیابی کا واحد راستہ ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا
فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ
بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کو دیں گے جو زمین میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا۔ اور آخری انجام ڈرنے والوں کے لئے ہے۔ جو شخص نیکی لے کر آئے گا اس کے لئے اس سے بہتر ہے اور جو شخص برائی لے کر آئے گا تو جو لوگ برائی کرتے ہیں ان کو وہی ملے گا جو انھوں نے کیا۔ ۸۴-۸۳

---

جنت کی آبادی میں بسنے کے قابل وہ لوگ ہیں جن کے سینے اپنی بڑائی کے احساس سے خالی ہوں جو خدا کی بڑائی کو اس طرح پائیں کہ اپنی طرف انھیں چھوٹائی کے سوا اور کچھ نظر نہ آئے۔
فساد یہ ہے کہ آدمی خدا کی اسکیم سے موافقت نہ کرے۔ وہ خدا کی دنیا میں خدا کی مرضی کے خلاف چلنے لگے۔ جو لوگ کبر سے خالی ہو جائیں وہ لازمی طور پر فساد سے بھی خالی ہو جاتے ہیں۔ اور جن لوگوں کے اندر یہ اعلیٰ اوصاف پیدا ہو جائیں وہی وہ لوگ ہیں جو خدا کے ابدی باغوں میں بسائے جائیں گے۔

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ ۚ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ مَن
جَاءَ بِالْهُدَىٰ وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۸۵﴾ وَمَا كُنتَ تَرْجُو أَن يُلْقَىٰ
إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ ﴿۸۶﴾
وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أُنزِلَتْ إِلَيْكَ ۖ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ وَ
لَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۸۷﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۘ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ
كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۸۸﴾

ع ۹ وقف لازم ۱۲

بے شک جس نے تم پر قرآن کو فرض کیا ہے وہ تم کو ایک اچھے انجام تک پہنچا کر رہے گا۔ کہو کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون ہدایت لے کر آیا ہے اور کون کھلی ہوئی گمراہی میں ہے۔ اور تم کو یہ امید نہ تھی کہ تم پر کتاب اتاری جائے گی۔ مگر تمہارے رب کی مہربانی سے۔ پس تم منکروں کے مددگار نہ بنو۔ اور وہ تم کو اللہ کی آیتوں سے روک نہ دیں جب کہ وہ تمہاری طرف اتاری جا چکی ہیں۔ اور تم اپنے رب کی طرف بلاؤ اور مشرکوں میں سے نہ بنو۔ اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوا اس کی ذات کے۔ فیصلہ اسی کے لئے ہے اور تم لوگ اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ ۸۸ - ۸۵

---

پیغمبر کا معاملہ ہرا عتبار سے خدائی معاملہ ہوتا ہے۔ اس کو پیغمبری کسی طلب کے بغیر یک طرفہ طور پر خدا کی طرف سے دی جاتی ہے۔ وہ اپنے پورے وجود کے ساتھ حق پر قائم ہوتا ہے۔ وہ مامور ہوتا ہے کہ خالص بے آمیز صداقت کا اعلان کرے، خواہ وہ لوگوں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔ اس کے لئے مقدر ہوتا ہے کہ وہ لازمی طور پر اپنی مطلوبہ منزل تک پہنچے اور کوئی رکاوٹ اس کے لئے رکاوٹ نہ بننے پائے۔

یہی معاملہ پیغمبر کے بعد پیغمبر کی پیروی میں اٹھنے والے داعی کا ہوتا ہے۔ وہ جس حد تک پیغمبر کی مشابہت کرے اسی قدر وہ خدا کے ان وعدوں کا مستحق ہوتا چلا جائے گا جو اس نے اپنے پیغمبروں سے اپنی کتاب میں کئے ہیں۔

---

سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ مَكِّيَّةٌ　بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ　تسع وستون آية وسبع ركوعات

الٓمّٓ ۝۱ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝۲ وَ
لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ
الْكٰذِبِيْنَ ۝۳

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

ال م۔ کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ محض یہ کہنے پر چھوڑ دئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کو جانچا نہ جائے گا۔ اور ہم نے ان لوگوں کو جانچا ہے جو ان سے پہلے تھے، پس اللہ ان لوگوں کو جان کر رہے گا جو سچے ہیں اور وہ جھوٹوں کو بھی ضرور معلوم کرے گا۔ ۳-۱

---

آدمی کے مومن و مسلم ہونے کا فیصلہ معمول کے حالات میں کئے جانے والے عمل پر نہیں ہوتا۔ بلکہ اس عمل پر ہوتا ہے جو آدمی غیر معمولی حالات میں کرتا ہے۔ یہ غیر معمولی حالات وہ غیر معمولی مواقع ہیں جب کہ یہ کھل جاتا ہے کہ آدمی حقیقت میں وہ ہے یا نہیں جس کا دعویٰ وہ اپنے ظاہری عمل سے کر رہا ہے۔ جو لوگ غیر معمولی حالات میں ایمان واسلام پر قائم رہنے کا ثبوت دیں وہی خدا کے نزدیک حقیقی معنوں میں مومن و مسلم قرار پاتے ہیں۔

جانچ میں پورا اترنا، بالفاظ دیگر، قربانی کی سطح پر ایمان واسلام والا بننا ہے۔ یعنی جب عام لوگ انکار کردیتے ہیں اس وقت تصدیق کرنا۔ جب لوگ شک کرتے ہیں اس وقت یقین کرلینا۔ جب اپنی اَنا کو کچلنے کی قیمت پر مومن بننا ہو اس وقت مومن بن جانا۔ جب نہ مان کر کچھ بگڑنے والا نہ ہو اس وقت مان لینا۔ جب ہاتھ روکنے کے تقاضے ہوں اس وقت خرچ کرنا۔ جب فرار کے حالات ہوں اس وقت جمنے کا ثبوت دینا۔ جب اپنے آپ کو بچانے کا وقت ہو اس وقت اپنے آپ کو حوالے کردینا۔ جب سرکشی کا موقع ہو اس وقت سرتسلیم خم کردینا۔ جب سب کچھ لٹا کر ساتھ دینا ہو اس وقت ساتھ دینا۔ ایسے غیر معمولی مواقع پر اندر والا انسان باہر آجاتا ہے۔ اس کے بعد کسی کے لئے یہ موقع نہیں رہتا کہ وہ فرضی الفاظ بول کر اپنے کو وہ ظاہر کرے جو کہ حقیقت میں وہ نہیں ہے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝۴ مَنْ
كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۵
وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ
لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۷

کیا جو لوگ برائیاں کر رہے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہم سے بچ جائیں گے۔ بہت برا فیصلہ ہے جو وہ کر رہے ہیں۔ جو شخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہے تو اللہ کا وعدہ ضرور آنے والا ہے۔ اور وہ سننے والا ہے، جاننے والا ہے۔ اور جو شخص محنت کرے تو وہ اپنے ہی لئے محنت کرتا ہے۔ بے شک اللہ جہان والوں سے بے نیاز ہے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیا تو ہم ان کی برائیاں ان سے دور کردیں گے اور ان کو ان کے عمل کا بہترین بدلہ دیں گے۔ ۷-۴

---

مومن بننا اکثر حالات میں زمانہ کے خلاف چلنے کے ہم معنی ہوتا ہے۔ یہ اکابر پرستی کے ماحول میں خدا پرست بننا ہے۔ خواہش کو اونچا مقام دینے کے ماحول میں اصول کو اونچا مقام دینا ہے۔ دنیوی مفاد کے لئے جینے کے ماحول میں آخرت کے مفاد کے لئے جینے کا حوصلہ کرنا ہے۔

اس طرح کی زندگی کے لئے سخت مجاہدہ درکار ہے۔ اور اس سخت مجاہدہ پر وہی لوگ قائم رہ

سکتے ہیں جو خدا پر کامل یقین رکھتے ہوں۔ جو خدا کی طرف سے ملنے والے انعام ہی کو اپنی امیدوں کا اصل مرکز بنائے ہوئے ہوں۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ﴿٩﴾

اور ہم نے انسان کو تاکید کی کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرے۔ اور اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو ایسی چیز کو میرا شریک ٹھہرائے جس کا تجھ کو کوئی علم نہیں تو ان کی اطاعت نہ کر۔ تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے، پھر میں تم کو بتا دوں گا جو کچھ تم کرتے تھے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیا تو ہم ان کو نیک بندوں میں داخل کریں گے۔ ۹-۸

---

انسان پر تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ جس کا حق ہے وہ اس کے ماں باپ ہیں مگر ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے، اسی طرح ماں باپ کے حقوق کی بھی ایک حد ہے۔ اور حدیث کے الفاظ میں وہ حد یہ ہے کہ خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں (لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق)

ماں باپ کے حقوق اسی وقت تک قابل لحاظ ہیں جب تک وہ خدا کے حقوق سے نہ ٹکرائیں۔ ماں باپ کا حکم جب خدا کے حکم سے ٹکرانے لگے تو اس وقت ماں باپ کا حکم نہ ماننا اتنا ہی ضروری ہو جائے گا جتنا عام حالات میں ماں باپ کا حکم ماننا ضروری ہوتا ہے۔ اسلام میں ماں باپ کے حقوق سے مراد ماں باپ کی خدمت ہے نہ کہ ماں باپ کی عبادت۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللَّهِ ۖ وَلَئِنْ جَاءَ نَصْرٌ مِنْ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۚ أَوَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ ﴿١٠﴾ وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ ﴿١١﴾

اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ پھر جب اللہ کی راہ میں اس کو ستایا جاتا ہے تو وہ لوگوں کے ستانے کو اللہ کے عذاب کی طرح سمجھ لیتا ہے۔ اور اگر تمہارے رب کی طرف سے کوئی مدد آجائے تو وہ کہیں گے کہ ہم تو تمہارے ساتھ تھے۔ کیا اللہ اس سے اچھی طرح باخبر نہیں جو لوگوں کے دلوں میں ہے۔ اور اللہ ضرور معلوم کرے گا ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور وہ ضرور معلوم کرے گا منافقین کو۔ ۱۱ ۱۰

---

ایک شخص اپنے کو مومن کہے۔ مگر اس کا حال یہ ہو کہ جب مومن بننے میں فائدہ ہو تو وہ بڑھ چڑھ کر اپنے مومن ہونے کا اظہار کرے۔ مگر جب مومن بننے میں دنیوی نقصان نظر آئے تو وہ فوراً واپس جانے لگے۔ ایسا آدمی قرآن کی اصطلاح میں منافق ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو بظاہر مومن تھے مگر وہ اپنے ایمان کی قیمت دینے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ وہ عین اسی مقام پر ناکام ہو گئے، جہاں انھیں سب سے زیادہ کامیابی کا ثبوت دینا چاہئے تھا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَمَا
هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ
وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۡ وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع ۱ ۱۳

اور منکر لوگ ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ تم ہمارے راستے پر چلو اور ہم تمہارے گناہوں کو اٹھا لیں گے۔ اور وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں ہیں۔ بے شک وہ جھوٹے ہیں۔ اور وہ اپنے بوجھ اٹھائیں گے، اور اپنے بوجھ کے ساتھ کچھ اور بوجھ بھی۔ اور یہ لوگ جو جھوٹی باتیں بناتے ہیں قیامت کے دن اس کی بابت ان سے پوچھ ہوگی۔ ۱۳-۱۲

---

افترا (جھوٹ گھڑنا) یہ ہے کہ آدمی خود ایک بات کہے اور اس کو خدا کی طرف منسوب کر دے۔ ہر قسم کی بدعات اور غلط تعبیرات اس میں داخل ہیں۔ اس افترا کی ایک صورت یہ ہے کہ انکار کرنے والے بڑے اپنے چھوٹوں سے یہ کہیں کہ تم ہمارے راستہ پر چلتے رہو، اگر خدا کے یہاں اس پر پوچھا گیا تو ہم اس کے ذمہ دار ہیں۔ خدا نے کسی کو اس قسم کا حق نہیں دیا ہے اس لئے ایسی بات کہنا خدا پر جھوٹ باندھنا ہے۔

آدمی بہت سی باتیں صرف کہنے کے لئے کہہ دیتا ہے۔ اگر وہ اس کے انجام کو دیکھ لے تو وہ کبھی ایسے الفاظ اپنے منھ سے نہ نکالے۔ چنانچہ یہ لوگ جب قیامت کی ہولناکی کو دیکھیں گے تو اس وقت ان کا حال اس

ہے بالکل مختلف ہوگا جو آج کی دنیا میں ان کا نظر آرہا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ۭ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ⑭ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ⑮

اور ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ ان کے اندر پچاس سال کم ایک ہزار سال رہا۔ پھر ان کو طوفان نے پکڑ لیا اور وہ ظالم تھے۔ پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو بچالیا۔ اور ہم نے اس واقعہ کو دنیا والوں کے لئے ایک نشانی بنا دیا۔ ۱۵-۱۴

---

حضرت نوح کی عمر ساڑھے نو سو سال تھی۔ نبوت سے پہلے بھی آپ ایک صالح انسان تھے اور شریعت آدم پر قائم تھے۔ نبوت ملنے کے بعد آپ باقاعدہ خدا کے داعی بن کر اپنی قوم کو ڈراتے رہے۔ مگر سیکڑوں سال کی محنت کے باوجود قوم نہ مانی۔ آخر کار چند اصلاح یافتہ افراد کو چھوڑ کر پوری قوم ایک عظیم طوفان میں غرق کر دی گئی۔

ترکی اور روس کی سرحد پر مشرقی اناطولیہ کے پہاڑی سلسلہ میں ایک اونچی چوٹی ہے جس کو ارارات (Ararat) کہا جاتا ہے۔ اس کی بلندی پانچ ہزار میٹر سے زیادہ ہے۔ اس پہاڑ کے اوپر سے اڑنے والے جہازوں کا بیان ہے کہ انھوں نے ارارات کی برف سے ڈھکی ہوئی چوٹی پر ایک کشتی جیسی چیز دیکھی ہے۔ چنانچہ اس کشتی تک پہونچنے کی کوشش جاری ہیں۔ اہل علم کا خیال ہے کہ یہ وہی چیز ہے جس کو مذہبی روایات میں کشتی نوح کہا جاتا ہے۔

اگر یہ اطلاع صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کی کشتی کو آج بھی باقی رکھا ہے تاکہ وہ لوگوں کے لئے اس بات کی نشانی ہو کہ خدا کے طوفان سے بچنے کے لئے آدمی کو پیغمبر کی کشتی درکار ہے۔ کوئی دوسری چیز آدمی کو خدا کے طوفان سے بچانے والی ثابت نہیں ہو سکتی۔

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑯ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ

وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿١٧﴾ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ
قَبْلِكُمْ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿١٨﴾

اور ابراہیم کو جب کہ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔ تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر محض بتوں کو پوجتے ہو اور تم جھوٹی باتیں گھڑتے ہو۔ اللہ کے سوا تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ تم کو رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ پس تم اللہ کے پاس رزق تلاش کرو اور اس کی عبادت کرو اور اس کا شکر ادا کرو۔ اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور اگر تم جھٹلاؤ گے تو تم سے پہلے بہت سی قومیں جھٹلا چکی ہیں۔ اور رسول پر صاف صاف پہنچا دینے کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں۔ ١٦ - ١٨

---

ایک خدا کے سوا جس کو بھی آدمی اپنے اعلیٰ جذبات کا مرکز بناتا ہے وہ ایک جھوٹ ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ غیر خدا میں خدائی اوصاف کو فرض کرتا ہے۔ وہ برتر صفات جو صرف خدا کے لئے خاص ہیں ان کو آدمی غیر خدا میں فرض کرتا ہے، اس کے بعد ہی یہ ممکن ہوتا ہے کہ وہ کسی غیر خدا کا پرستار بنے۔

قدیم مشرکانہ دور میں انسان اس قسم کی صفات بتوں میں فرض کرتا تھا، آج کا انسان بھی یہی کر رہا ہے۔ البتہ آج کے انسان کے بتوں کے نام اس سے مختلف ہیں جو قدیم مشرکوں کے ہوا کرتے تھے۔ قدیم و جدید کا فرق صرف یہ ہے کہ قدیم انسان اگر کھیت کی پیداوار کو کسی مفروضہ دیوتا کی مہربانی سمجھتا تھا تو آج کا انسان اس کے لئے یہ الفاظ بولتا ہے —— ہمارا اگرین ریولیوشن ہماری ایگریکلچرل سائنس کا کرشمہ ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿١٩﴾ قُلْ
سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٠﴾ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ
تُقْلَبُوْنَ ﴿٢١﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَكُمْ مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٢٢﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ ع ٢ ١٤
يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢٣﴾

کیا لوگوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ کس طرح خلق کو شروع کرتا ہے، پھر وہ اس کو دہرائے گا۔ بے شک یہ اللہ پر آسان

ہے۔ کہو کہ زمین میں چلو پھرو پھر دیکھو کہ اللہ نے کس طرح خلق کو شروع کیا، پھر وہ اس کو دوبارہ اٹھائے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ جس کو چاہے گا عذاب دے گا اور جس پر چاہے گا رحم کرے گا۔ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور تم نہ زمین میں عاجز کرنے والے ہو اور نہ آسمان میں، اور تمہارے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی مددگار۔ اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کا اور اس سے ملنے کا انکار کیا تو وہی میری رحمت سے محروم ہوئے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ۲۳-۱۹

---

انسان نہیں تھا، اس کے بعد وہ ہو جاتا ہے۔ پھر جو تخلیق ایک بار ممکن ہو وہ دوسری بار کیوں ممکن نہ ہوگی۔ شاہ عبد القادر دہلوی نے اس موقع پر یہ بامعنی نوٹ لکھا ہے: "شروع تو دیکھتے ہو، دہرانا اسی سے سمجھ لو۔"

ہر آدمی اپنی ذات میں تخلیق اول کی ایک مثال ہے۔ اگر آدمی کو مزید مثالیں درکار ہیں تو وہ خدا کی وسیع دنیا میں مطالعہ اور مشاہدہ کرے۔ وہ دیکھے گا کہ پوری دنیا اسی واقعہ کا زندہ نمونہ ہے۔ خدا نے اپنی دنیا میں یہ نمونے اس لئے قائم کئے کہ انسان تخلیق ثانی کے معاملے کو سمجھے اور پھر وہ عمل کرے جو اگلے مرحلۂ حیات میں اس کے کام آنے والا ہو۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ
النَّارِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ
بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ
نّٰصِرِيْنَ ۝ۙ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ وقف لازم
الْحَكِيْمُ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ
وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

پھر اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انھوں نے کہا کہ اس کو قتل کر دو یا اس کو جلا دو۔ تو اللہ نے اس کو آگ سے بچا لیا۔ بے شک اس کے اندر نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے۔

اور اس نے کہا کہ تم نے اللہ کے سوا جو بت بنائے ہیں، بس وہ تمہارے باہمی دنیا کے تعلقات کی وجہ سے ہے، پھر قیامت کے دن تم میں سے ہر ایک دوسرے کا انکار کرے گا اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا۔ اور آگ تمہارا ٹھکانا ہوگی اور کوئی تمہارا مددگار نہ ہوگا۔ پھر لوط نے اس کو مانا اور کہا کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں۔ بے شک وہ زبردست ہے، حکمت والا ہے۔ اور ہم نے عطا کئے اس کو اسحاق اور یعقوب اور اس کی نسل میں نبوت اور کتاب رکھ دی۔ اور ہم نے دنیا میں اس کو اجر عطا کیا اور آخرت میں یقیناً وہ صالحین میں سے ہوگا۔ ۲۷ - ۲۴

---

جو چیز کسی معاشرہ میں قومی رواج کی حیثیت حاصل کر لے وہ اس کے ہر فرد کی ضرورت بن جاتی ہے۔ اسی کی بنیاد پر باہمی تعلقات قائم ہوتے ہیں۔ اسی سے ہر قسم کے مفادات وابستہ ہوتے ہیں۔ اسی کے اعتبار سے لوگوں کے درمیان کسی آدمی کی قیمت مقرر ہوتی ہے ـــــ قدیم زمانہ میں شرک کی حیثیت اسی قسم کے قومی رواج کی ہوگئی تھی۔

حضرت ابراہیم نے عراق کے لوگوں کو بتایا کہ تم جس بت پرستی کو پکڑے ہوئے ہو وہ محض ایک قومی رواج ہے نہ کہ کوئی واقعی صداقت۔ تمہاری موجودہ زندگی کے ختم ہوتے ہی اس کی ساری اہمیت ختم ہو جائے گی مگر صرف ایک آپ کے بھتیجے لوط تھے جنھوں نے آپ کا ساتھ دیا۔ قوم آپ کی اتنی دشمن ہوتی کہ اس نے آپ کو آگ میں ڈال دیا۔ تاہم اللہ نے آپ کو بچا لیا۔ آپ کو نہ صرف آخرت کا اعلیٰ انعام ملا بلکہ آپ کو ایسی صالح اولاد دی گئی جس کے اندر چار ہزار سال سے نبوت کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ کے بیٹے اسحاق پیغمبر تھے۔ پھر ان کے بیٹے یعقوب پیغمبر ہوئے اور اس کے بعد حضرت عیسیٰ تک مسلسل اسی خاندان میں پیغمبری کا سلسلہ جاری رہا۔ حضرت ابراہیم کے ایک اور بیٹے مدیان کی نسل میں حضرت شعیبؑ پیدا ہوئے۔ اسی طرح آپ کے بیٹے اسمٰعیل خود پیغمبر تھے اور انھیں کی نسل میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے جن کی پیغمبری قیامت تک جاری ہے۔

حضرت ابراہیم کی اس تاریخ میں باطل پرستوں کے لئے بھی نصیحت ہے اور ان لوگوں کے لئے بھی روشنی ہے جو حق کی بنیاد پر اپنے آپ کو کھڑا کریں۔

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِۦٓ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ ٱلْفَٰحِشَةَ مَا سَبَقَكُم بِهَا
مِنْ أَحَدٍ مِّنَ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٢٨﴾ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ ٱلرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ

السَّبِيْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ
اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٢٩﴾ قَالَ
ع ٣ ١٥ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٣٠﴾

اور لوط کو جب کہ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے دنیا والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔ کیا تم مردوں کے پاس جاتے ہو اور راہ مارتے ہو۔ اور اپنی مجلس میں برا کام کرتے ہو۔ پس اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اس نے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے اوپر اللہ کا عذاب لاؤ۔ لوط نے کہا کہ اے میرے رب، مفسد لوگوں کے مقابلہ میں میری مدد فرما۔ ٣٠-٢٨

---

حضرت لوط بابل کو چھوڑ کر اردن کے علاقہ میں آگئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیغمبر بنایا اور ان کو قوم لوط کی اصلاح کے کام پر مقرر کیا۔ یہ قوم بحر مردار (Dead Sea) کے قریب سدوم کے علاقہ میں رہتی تھی اور امرد پرستی کی غیر فطری عادت میں مبتلا تھی۔ اسی نسبت سے دوسری برائیاں بھی ان کے اندر عام ہو چکی تھیں۔ مگر انھوں نے اصلاح قبول نہ کی۔

"اللہ کا عذاب لاؤ" کا اصل رخ حضرت لوط کی طرف تھا نہ کہ اللہ کی طرف۔ انھوں نے حضرت لوط کو اتنا حقیر سمجھا کہ ان کے نزدیک یہ ناممکن تھا کہ ان کی بات نہ ماننے سے وہ خدا کی پکڑ میں آجائیں گے۔ چنانچہ بطور مذاق انھوں نے کہا کہ اگر تم واقعی سچے ہو تو ہمارے اوپر خدا کا عذاب لاؤ۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ
الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿٣١﴾ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا نَحْنُ
اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۫ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٣٢﴾
وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا
لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۫ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ
الْغٰبِرِيْنَ ﴿٣٣﴾ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر پہنچے، انھوں نے کہا کہ ہم اس بستی کے لوگوں کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ بے شک اس کے لوگ سخت ظالم ہیں۔ ابراہیم نے کہا کہ اس میں تو لوط بھی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ وہاں کون ہے۔ ہم اس کو اور اس کے گھر والوں کو بچالیں گے مگر اس کی بیوی کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی۔ پھر جب ہمارے بھیجے ہوئے لوط کے پاس آئے تو وہ ان سے پریشان ہوا اور دل تنگ ہوا اور انھوں نے کہا کہ تم نہ ڈرو اور نہ غم کرو۔ ہم تم کو اور تمہارے گھر والوں کو بچالیں گے مگر تمہاری بیوی کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی۔ ہم اس بستی کے باشندوں پر ایک آسمانی عذاب ان کی بدکاریوں کی سزا میں نازل کرنے والے ہیں۔ اور ہم نے اس بستی کے کچھ نشان رہنے دئے ہیں ان لوگوں کی عبرت کے لئے جو عقل رکھتے ہیں۔ ۳۱ - ۳۵

---

قوم لوط کا علاقہ (سدوم، عمورہ) شدید زلزلہ سے تباہ کر دیا گیا۔ وہ سرسبز و شاداب وادی جہاں چار ہزار سال پہلے یہ قوم آباد تھی، اب وہاں بحر مردار کا کثیف پانی پھیلا ہوا ہے۔

قرآن کے بیان کے مطابق تباہی کا یہ واقعہ خدا کے فرشتوں کے ذریعہ ظہور میں آیا۔ مگر جغرافیہ اور آثار قدیمہ کے ماہرین کا کہنا ہے کہ اس علاقہ میں جب ارضی عمل سے پہاڑ ابھرے تو اسی کے ساتھ زمین کے ایک حصہ میں ڈھال (Escarpment) پیدا ہوگیا۔ بعد کو اس ڈھال کے جنوبی حصہ میں سمندر کا پانی بھر گیا۔ اس طرح وہ خشک حصہ پانی کے نیچے آگیا جس کو اب بحر مردار کا کم گہرا جنوبی کنارہ کہا جاتا ہے — قرآن میں جو چیز خدائی نشان ہے وہ غیر قرآنی مشاہدہ میں صرف ایک طبیعی واقعہ نظر آتی ہے۔

ماہرین کا خیال ہے کہ اس برباد شدہ بستی کے کھنڈر اب بھی سمندر کے پانی کے نیچے پائے جاتے ہیں۔ بلاشبہہ اس میں بہت بڑی عبرت ہے۔ مگر یہ عبرت صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو باتوں کو اس کی گہرائی کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کریں۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ
لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ
دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو۔ پس اس نے کہا کہ اے میری قوم، اللہ کی عبادت کرو۔ اور آخرت کے دن کی امید رکھو اور زمین میں فساد پھیلانے والے نہ بنو۔ تو انھوں نے اس کو جھٹلا دیا۔ پس زلزلہ نے ان کو آپکڑا۔ پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ ۳۶-۳۷

---

حضرت شعیب جس قوم میں آئے وہ ایک تجارت پیشہ قوم تھی۔ وہ لوگ مال کی حرص میں اتنا بڑھے کہ دھوکا اور فریب کے ذریعہ مال کمانے لگے۔ یہی ان کا زمین میں فساد کرنا تھا۔ جائز تجارت حصول معاش کا اصلاحی طریقہ ہے اور دھوکہ اور لوٹ کھسوٹ حصول معاش کا مفسدانہ طریقہ۔

حضرت شعیب نے قوم سے کہا کہ تم دنیا کے پیچھے آخرت سے غافل نہ ہو جاؤ۔ تم لوگ اس طریقہ پر کام کرو جس سے تم آخرت میں اپنے لئے اچھے انجام کی امید کر سکو۔ مگر پیغمبر کی ساری کوششوں کے باوجود قوم نہ مانی۔ یہاں تک کہ وہ خدا کے قانون کے مطابق ہلاک کر دی گئی۔ جن گھروں کو انھوں نے اپنے لئے زندگی کا گھر سمجھا تھا وہ ان کے لئے موت کا گھر بن گیا۔

وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۗ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ۝

اور عاد اور ثمود کو، اور تم پر حال کھل چکا ہے ان کے گھروں سے۔ اور ان کے اعمال کو شیطان نے ان کے لئے خوش نما بنا دیا۔ پھر ان کو راستہ سے روک دیا اور وہ ہوشیار لوگ تھے۔ ۳۸

---

عاد اور ثمود کو بھی خدا کے عذاب نے پکڑ لیا۔ وہ اپنے دنیا کے معاملات میں بہت ہوشیار تھے مگر وہ آخرت کے معاملہ میں بالکل نادان نکلے۔ انھوں نے پہاڑوں کے ذریعہ گھر بنانے کے راز کو جان لیا۔ مگر وہ پیغمبر کے ذریعہ زندگی بنانے کا راز نہ جان سکے۔ اس کی وجہ وہ چیز تھی جس کو تزئین اعمال کہا گیا ہے۔ شیطان نے انھیں اس دھوکہ میں رکھا کہ دنیا کی تعمیر ہی ساری تعمیر ہے۔ اگر دنیا کو بنا لیا تو اس کے بعد کوئی مسئلہ مسئلہ نہیں۔ مگر یہ فریب ان کے کام نہ آیا اور نہ اس قسم کا فریب آئندہ کسی کے کچھ کام آنے والا ہے۔

جنوبی عرب کا علاقہ جو اب یمن، احقاف، اور حضرموت کے نام سے جانا جاتا ہے یہی قدیم زمانہ میں عاد کا علاقہ تھا۔ اسی طرح حجاز کے شمالی حصہ میں رابغ سے عقبہ تک اور مدینہ اور خیبر سے تیما اور تبوک تک کا علاقہ وہ تھا جس میں ثمود کی آبادیاں پائی جاتی تھیں۔

وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۖ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿۳۹﴾ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۰﴾

اور قارون کو اور فرعون کو اور ہامان کو اور موسیٰ ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آیا تو انھوں نے زمین میں گھمنڈ کیا اور وہ ہم سے بھاگ جانے والے نہ تھے۔ پس ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ میں پکڑا۔ پھر ان میں سے بعض پر ہم نے پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیجی۔ اور ان میں سے بعض کو کڑک نے آپکڑا۔ اور ان میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا۔ اور ان میں سے بعض کو ہم نے غرق کر دیا۔ اور اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا۔ مگر وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے۔ ۳۹-۴۰

---

انبیاء کی مخاطب قوموں نے جب اپنے نبی کا انکار کیا تو ان کو زمینی اور آسمانی عذاب سے ہلاک کر دیا گیا — قوم لوط پر حاصب (پتھر برسانے والی طوفانی ہوا) کا عذاب آیا۔ عاد اور ثمود اور اصحاب مدین پر صیحہ (رعد و برق) کا عذاب آیا۔ قارون کے لئے خسف (زمین میں دھنسا دینے) کا عذاب آیا۔ فرعون اور ہامان کے لئے غرق (سمندر کے پانی میں ڈبا دینے) کا عذاب آیا۔

ان تمام عذابوں کا مشترک سبب لوگوں کا گھمنڈ تھا۔ یعنی حق کی دعوت کو اس لئے نہ ماننا کہ اس کو ماننے سے اپنی بڑائی ختم ہو جائے گی۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۖ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴۲﴾ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

وقف لازم

ع ۱۶

بِالْحَقِّ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۴

جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے کارساز بنائے ہیں ان کی مثال مکڑی کی سی ہے۔ اس نے ایک گھر بنایا۔ اور بے شک تمام گھروں سے زیادہ کمزور گھر مکڑی کا گھر ہے۔ کاش کہ لوگ جانتے۔ بے شک اللہ جانتا ہے ان چیزوں کو جن کو وہ اس کے سوا پکارتے ہیں۔ اور وہ زبردست ہے، حکمت والا ہے۔ اور یہ مثالیں ہیں جن کو ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے رہے ہیں اور ان کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو علم والے ہیں۔ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے۔ بے شک اس میں نشانی ہے ایمان والوں کے لئے۔ ۴۱-۴۴

---

یہاں بتایا گیا ہے کہ "مکڑی" کے گھر کو دیکھ کر جو شخص حقیقت کا سبق پالے وہی دراصل عالم ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے نزدیک سچے علم والے کون ہیں۔ یہ وہ لوگ نہیں ہیں جو کتابی بحثوں کے ماہر بنے ہوئے ہوں۔ بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کی دنیا میں پھیلی ہوئی قدرتی نشانیوں سے نصیحت کی غذا لے سکیں۔ دنیا کے چھوٹے چھوٹے واقعات جن کے ذہن میں داخل ہو کر بڑے بڑے سبق میں تبدیل ہو جائیں ـــــ یہی علم جب آخری معرفت تک پہنچ جائے تو اس کا دوسرا نام ایمان ہے۔



اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝۴۵

تم اس کتاب کو پڑھو جو تم پر وحی کی گئی ہے۔ اور نماز قائم کرو۔ بے شک نماز بے حیائی سے اور برے کاموں سے روکتی ہے۔ اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ ۴۵

---

"نماز برائی سے روکتی ہے" کا مطلب یہ ہے کہ کیفیت نماز برائی سے روکتی ہے۔ اگر آدمی واقعۃً خدا کے آگے رکوع اور سجدہ کرنے والا ہو تو اس کے اندر ذمہ داری اور تواضع کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ذمہ داری اور تواضع کے احساس سے جو کردار ابھرتا ہے وہ یہی ہوتا ہے کہ آدمی وہ کرتا ہے جو اسے کرنا چاہئے اور وہ نہیں کرتا جو اسے نہیں کرنا چاہئے۔

ذکر سے مراد خدا کی یاد ہے۔ جب آدمی کو خدا کی کامل معرفت حاصل ہوتی ہے۔ جب وہ پوری طرح خدا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے اوپر خدا کا تصور چھا جاتا ہے۔ اس

کے اندر خدا کی یاد کا چشمہ بہہ پڑتا ہے۔ اس روحانی درجہ کو پہنچ کر آدمی کی زبان سے خدا کے لئے جو اعلیٰ کلمات نکلتے ہیں انھیں کا نام ذکر ہے۔ یہ ذکر بلاشبہ اعلیٰ ترین عبادت ہے۔

تلاوت وحی سے مراد یہاں تبلیغ وحی ہے۔ یعنی لوگوں کو قرآن سنانا اور اس کے ذریعہ سے انھیں خدا کی مرضی سے باخبر کرنا۔ دعوت و تبلیغ کا یہ کام بے حد صبر آزما کام ہے۔ اس میں اپنے مخالفین کا خیر خواہ بننا پڑتا ہے۔ اس میں فریق ثانی کی زیادتیوں کو یک طرفہ طور پر نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔ اس میں اپنے مخاطبین کو مدعو کی نظر سے دیکھنا پڑتا ہے خواہ وہ خود داعی کے لئے رقیب اور حریف بنے ہوئے ہوں۔

نماز جس طرح عام زندگی میں ایک مومن کو برائی سے روکتی ہے، اسی طرح وہ داعی کو غیر داعیانہ روش سے بچاتی ہے۔ خدا کا داعی وہی شخص بن سکتا ہے جس کے سینہ میں خدا کی یاد سمائی ہوئی ہو، جو اپنے پورے وجود کے ساتھ خدا کے آگے جھکنے والا بن گیا ہو۔

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰـهُنَا وَاِلٰـهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور تم اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر اس طریقہ پر جو بہتر ہے، مگر جو ان میں بے انصاف ہیں۔ اور کہو کہ ہم ایمان لائے اس چیز پر جو ہماری طرف بھیجی گئی ہے۔ اور اس پر جو تمہاری طرف بھیجی گئی ہے۔ ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہے اور ہم اسی کی فرماں برداری کرنے والے ہیں۔ ۴۶

---

داعی کے لئے صحیح طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ بحث کریں اور الجھیں ان سے وہ سلام کر کے جدا ہو جائے۔ اور جو لوگ سنجیدہ ہوں ان پر وہ امر حق کو واضح کرنے کی کوشش کرے۔ نیز یہ کہ دعوتی کلام کو حکیمانہ کلام ہونا چاہئے —— اور حکیمانہ کلام کی ایک خاص پہچان یہ ہے کہ اس میں مدعو کی نفسیات کا پورا لحاظ کیا جاتا ہے۔ داعی اپنی بات کو ایسے اسلوب سے کہتا ہے کہ مدعو اس کو اپنے دل کی بات سمجھے نہ کہ غیر کی بات سمجھ کر اس سے متوحش ہو جائے۔ داعیانہ کلام ناصحانہ کلام ہوتا ہے نہ کہ مناظرانہ کلام۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَ

مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَ مَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور اسی طرح ہم نے تمہارے اوپر کتاب اتاری۔ تو جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور ان لوگوں میں سے بھی بعض ایمان لاتے ہیں۔ اور ہماری آیتوں کا انکار صرف کافر ہی کرتے ہیں۔ اور تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اس کو اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ ایسی حالت میں باطل پرست لوگ شبہہ میں پڑتے۔ بلکہ یہ کھلی ہوئی آیتیں ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جن کو علم عطا ہوا ہے۔ اور ہماری آیتوں کا انکار نہیں کرتے مگر وہ جو ظالم ہیں۔ ۴۷-۴۹

---

لوگوں میں دو قسم کے افراد ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن کو پہلے سے سچائی کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اور دوسرے وہ لوگ جو بظاہر سچائی کا علم نہیں رکھتے۔ تاہم یہ دوسری قسم کے لوگ بھی فطرت کی سطح پر سچائی سے آشنا ہوتے ہیں۔ اول الذکر اگر حامل کتاب ہیں تو ثانی الذکر حامل فطرت۔

اگر لوگ فی الواقع سنجیدہ ہوں تو وہ فوراً حق کو پہچان لیں گے۔ ایک گروہ اگر اس کو کتاب آسمانی کی سطح پر پہچان لے گا تو دوسرا گروہ کتاب فطرت کی سطح پر۔ ہر ایک کو سچائی کی بات اپنے دل کی بات نظر آئے گی۔ مگر اکثر حالات میں لوگ طرح طرح کی نفسیاتی پیچیدگی میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ان کے اندر انکار کا مزاج آجاتا ہے۔ وہ سچائی کا انکار ہی کرتے رہتے ہیں، خواہ اس کی پشت پر کتنے ہی قرائن جمع ہوں اور اس کے حق میں کتنے ہی زیادہ دلائل دیدیے جائیں۔

وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور وہ کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اتاری گئیں۔ کہو کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں۔ اور میں صرف کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں۔ کیا ان کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ بے شک اس میں رحمت اور یاددہانی ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں۔ کہو کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لئے کافی ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور جو لوگ باطل پر ایمان لائے اور جنھوں نے اللہ کا انکار کیا وہی خسارے میں رہنے والے ہیں۔ ۵۲-۵۰

---

جو لوگ کہتے تھے کہ پیغمبر اسلام کو اس طرح کی نشانیاں کیوں نہیں دی گئیں جیسی نشانیاں مثال کے طور پر موسیٰ کو دی گئی تھیں۔ فرمایا کہ نشانیاں اللہ کے پاس ہیں۔ یعنی نشانیوں (معجزے) کا تعلق خدا سے ہے نہ کہ پیغمبر سے۔ پیغمبر کی دعوت کا اصل انحصار دلائل پر ہوتا ہے۔ پیغمبر ہمیشہ دلائل کے زور پر اپنی دعوت پیش کرتا ہے۔ البتہ دوسرے مصالح کے تحت خدا کبھی کسی پیغمبر کو نشانی (معجزہ) دیدیتا ہے اور کبھی نہیں دیتا۔

ایمان ایک شعوری واقعہ ہے۔ وہی ایمان ایمان ہے جو دلیل سے مطمئن ہو کر کسی بندہ کے دل میں ابھرا ہو۔ جو شخص دلیل کی روشنی میں جانچ کر کسی چیز کو مانے وہ حق پرست ہے اور جو شخص دوسری غیر متعلق بحثیں نکالے وہ باطل پرست۔

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۚ وَلَوْلَا أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاءَهُمُ الْعَذَابُ وَلَيَأْتِيَنَّهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۵۳﴾ يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿۵۴﴾ يَوْمَ يَغْشَاهُمُ الْعَذَابُ مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ وَيَقُولُ ذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۵۵﴾

اور یہ لوگ تم سے عذاب جلد مانگ رہے ہیں۔ اور اگر ایک وقت مقرر نہ ہوتا تو ان پر عذاب آجاتا۔ اور یقیناً وہ ان پر اچانک آئے گا اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔ وہ تم سے عذاب جلد مانگ رہے۔ اور جہنم منکروں کو گھیرے ہوئے ہے۔ جس دن عذاب ان کو اوپر سے ڈھانک لے گا اور پاؤں کے نیچے سے بھی، اور کہے گا کہ چکھو اس کو جو تم کرتے تھے۔ ۵۵-۵۳

انسان کے اعمال ہی اس کی جنت ہیں اور انسان کے اعمال ہی اس کی دوزخ۔ ایک شخص جو انکار اور سرکشی کا رویہ اختیار کئے ہوئے ہو، اس کی زندگی کو اگر اس کے معنوی انجام کے اعتبار سے دیکھنا ممکن ہو تو نظر آئے گا کہ اس کے برے اعمال اس کو عذاب بن کر گھیرے ہوئے ہیں۔ اور صرف اتنی سی دیر ہے کہ موت آئے اور اس کو اس کی بنائی ہوئی دنیا میں ڈال دے۔

انسان کی بہت سی سرکشی صرف اپنی حقیقت سے بے خبری کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اگر اس کی یہ بے خبری ختم ہو جائے تو اچانک وہ بالکل دوسرا انسان بن جائے۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۰﴾

اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو، بے شک میری زمین وسیع ہے تو تم میری ہی عبادت کرو۔ ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ پھر تم ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کئے ان کو ہم جنت کے بالاخانوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ کیا ہی اچھا اجر ہے عمل کرنے والوں کا۔ جنھوں نے صبر کیا اور جو اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اور کتنے جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے۔ اللہ ان کو رزق دیتا ہے اور تم کو بھی۔ اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ ۶۰ - ۵۶

---

ہجرت ایک اعتبار سے طریق کار کی تبدیلی ہے۔ یہ تبدیلی کبھی مقام عمل بدلنے کی صورت میں ہوتی ہے، جیسے مکہ کو چھوڑ کر مدینہ جانا۔ کبھی میدان عمل بدلنے کی صورت میں ہوتی ہے، جیسے صلح حدیبیہ کے ذریعہ جنگ کے میدان سے ہٹ کر دعوت کے میدان میں آنا۔

ان آیات میں مکہ کے اہل ایمان سے کہا گیا کہ مکہ کے لوگ اگر تم کو ستاتے ہیں تو تم مکہ کو چھوڑ کر دوسرے علاقہ میں چلے جاؤ اور وہاں اللہ کی عبادت کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ صبر اور توکل کا مطلب عبادت پر جمنا ہے نہ کہ دشمن سے ٹکراؤ پر جمنا۔ اگر ہر حال میں دشمن سے ٹکراتے رہنا مقصود ہوتا تو ان سے کہا جاتا کہ مخالفین سے لڑتے رہو اور وہاں سے کسی حال میں قدم باہر نہ نکالو۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٦١﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ
عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٦٢﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ
نَّزَّلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ
الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٣﴾

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو، اور مسخر کیا سورج کو اور چاند کو، تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ پھر وہ کہاں سے پھیر دئے جاتے ہیں۔ اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اور اگر تم ان سے پوچھو کہ کس نے آسمان سے پانی اتارا، پھر اس سے زمین کو زندہ کیا اس کے مرجانے کے بعد، تو ضرور وہ کہیں گے کہ اللہ نے۔ کہو کہ ساری تعریف اللہ کے لئے ہے۔ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ ۶۳-۶۱

---

زمین و آسمان کو پیدا کرنا اتنا بڑا واقعہ ہے کہ ایک قادر مطلق خدا ہی اس کو انجام دے سکتا ہے۔ سورج اور چاند کی گردش، بارش کا برسنا اور زمین سے نباتات کا اگنا یہ سب اس سے زیادہ بڑے واقعات ہیں کہ کوئی غیر خدا ان کو وجود میں لاسکے۔

جو لوگ کسی نوعیت کے شرک میں مبتلا ہیں وہ بھی اپنی مفروضہ ہستیوں کے بارہ میں یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ وہ ان عظیم واقعات کو ظہور میں لائے ہیں۔ اس کے باوجود بہت سے لوگ خدا کے سوا دوسروں کی اس امید میں پرستش کرتے ہیں کہ وہ ان کا رزق بڑھا دیں گے۔ حالانکہ جب ہر قسم کے اعلیٰ اختیارات صرف خدا کو حاصل ہیں تو دوسرا کون ہے جو رزق کی تقسیم میں اثر انداز ہوسکے۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِىَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٤﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٥﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۟ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٦﴾

وقف لازم

اور یہ دنیا کی زندگی کچھ نہیں ہے مگر ایک کھیل اور دل کا بہلاوا۔ اور آخرت کا گھر ہی اصل زندگی کی جگہ ہے، کاش کہ وہ جانتے۔ پس جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو پکارتے ہیں، اسی کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے پھر جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف لے جاتا ہے تو وہ فوراً شرک کرنے لگتے ہیں۔ تاکہ ہم نے جو نعمت ان کو دی ہے اس کی ناشکری کریں اور چند دن فائدہ اٹھائیں۔ پس وہ عنقریب جان لیں گے۔ ۶۶-۶۴

---

انسان کی گمراہی کا اصل سبب یہ ہے کہ وہ دنیا کی رونقوں اور دنیا کے مسائل میں اتنا گم ہوتا ہے کہ اس سے اوپر اٹھ کر سوچ نہیں پاتا۔ حقیقت کو پانے کے لئے اپنے آپ کو ظاہر سے اوپر اٹھانا پڑتا ہے۔ بیشتر لوگ اپنے آپ کو ظاہر سے اٹھا نہیں پاتے اس لئے بیشتر لوگ حقیقت کو پانے والے بھی نہیں بنتے۔

دنیا میں آدمی کو بار بار ایسے تجربات پیش آتے ہیں جو اس کو اس کا عجز یاد دلاتے ہیں۔ اس وقت اس کے تمام مصنوعی خیالات ختم ہو جاتے ہیں اور حقیقی فطرت والا انسان جاگ اٹھتا ہے۔ مگر جیسے ہی حالات معتدل ہوئے وہ دوبارہ پہلے کی طرح غافل اور سرکش بن جاتا ہے۔ انھیں نازک تجربات میں سے سفر کا وہ تجربہ ہے جس کا ذکر آیت میں کیا گیا ہے۔

آدمی کو جاننا چاہئے کہ آزادی کا یہ موقع اس کو صرف چند دن کی زندگی تک حاصل ہے۔ موت کے بعد اس کے سامنے بالکل دوسری دنیا ہوگی اور بالکل دوسرے مسائل۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى

لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٦٩﴾

ع ۷

کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ہم نے ایک پر امن حرم بنایا۔ اور ان کے گرد وپیش لوگ اچک لئے جاتے ہیں۔ تو کیا وہ باطل کو مانتے ہیں اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں۔ اور اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا حق کو جھٹلائے جب کہ وہ اس کے پاس آچکا۔ کیا منکروں کا ٹھکانا جہنم میں نہ ہوگا۔ اور جو لوگ ہماری خاطر مشقت اٹھائیں گے ان کو ہم اپنے راستے دکھائیں گے۔ اور یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

۶۷ - ۶۹

مکہ کا حرم اللہ تعالیٰ کی ایک عجیب نعمت ہے۔ اللہ نے لوگوں کے اوپر اس کا ایسا رعب بٹھا رکھا ہے کہ وہاں پہنچ کر ظالم اور سرکش بھی اپنا ظلم اور سرکشی بھول جاتے ہیں۔ حرم کا یہ تقدس خدا کی قدرت کی ایک نشانی تھا۔ اس کا تقاضا تھا کہ لوگوں کے دل خدا کے لئے جھک جائیں۔ مگر باطل پرستوں نے یہ کیا کہ غیر خدا میں خدا کے اوصاف فرض کر کے لوگوں کے جذباتِ پرستش کو بالکل غلط طور پر ان کی طرف پھیر دیا۔ ان کا مزید ظلم یہ ہے کہ اللہ کے رسول نے جب ان کو نصیحت کی کہ ان مفروضہ خداؤں کو چھوڑ دو اور ایک خدا کے آگے جھک جاؤ تو وہ رسول کے دشمن بن گئے۔

ناحق پرستی کے ماحول میں حق پرست بننا ایک شدید مجاہدہ کا عمل ہے۔ اس میں ملی ہوئی چیز چھنتی ہے۔ حاصل شدہ سکون درہم برہم ہو جاتا ہے۔ مگر اسی محرومی میں ایک عظیم یافت کا راز چھپا ہوا ہے۔ اور وہ معرفت اور بصیرت ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے انسانوں کے دروازے بند ہوتے ہیں۔ مگر ان کے لئے خدا کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ وہ دنیا سے کھو کر خدا سے پانے لگتے ہیں۔ وہ مادی راحتوں سے دور ہو کر ربانی کیفیات سے قریب ہو جاتے ہیں۔ ظاہری چیزیں ان سے اوجھل ہوتی ہیں مگر معنوی چیزیں ان پر منکشف ہو جاتی ہیں۔ ان پر وہ گہرے بھید کھلنے لگتے ہیں جن کی بڑے بڑے لوگوں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔

## سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتُّوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿١﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿٢﴾ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ

سَيَغْلِبُوْنَ ۝۳ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۭ۬ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ
يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۴ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۵
وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۶ يَعْلَمُوْنَ
ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ښ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝۷

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

ا ل م ۔ رومی پاس کے علاقہ میں مغلوب ہوگئے، اور وہ اپنی مغلوبیت کے بعد عنقریب غالب ہوں گے۔ چند برسوں میں۔ اللہ ہی کے ہاتھ میں سب کام ہے، پہلے بھی اور پیچھے بھی، اور اس دن ایمان والے خوش ہوں گے، اللہ کی مدد سے۔ وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے۔ اور وہ زبردست ہے، رحمت والا ہے۔ اللہ کا وعدہ ہے۔ اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ وہ دنیا کی زندگی کے صرف ظاہر کو جانتے ہیں، اور وہ آخرت سے بے خبر ہیں۔ ۷—۱

---

ظہور اسلام کے وقت دنیا میں دو بہت بڑی سلطنتیں تھیں۔ ایک مسیحی رومی سلطنت۔ دوسرے مجوسی ایرانی سلطنت۔ دونوں میں ہمیشہ رقیبانہ کشمکش جاری رہتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے بعد ۶۰۳ء کا واقعہ ہے کہ بعض کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر ایران نے رومی سلطنت پر حملہ کر دیا۔ رومیوں کو شکست پر شکست ہوئی۔ یہاں تک کہ ۶۱۶ء تک یروشلم سمیت روم کی مشرقی سلطنت کا بڑا حصہ ایرانیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ۶۱۰ء میں ملی اور آپ نے مکہ میں دعوت توحید کا کام شروع کیا۔ اس لحاظ سے یہ عین وہی زمانہ تھا جب کہ مکہ میں توحید اور شرک کی کشمکش جاری تھی۔ مکہ کے مشرکین نے سرحدی واقعہ سے فال لیتے ہوئے مسلمانوں سے کہا کہ ہمارے مشرک بھائیوں (مجوس) نے تمہارے اہل کتاب بھائیوں (مسیحی) کو شکست دی ہے۔ اسی طرح ہم بھی تمہارا خاتمہ کر دیں گے۔

اس وقت قرآن میں حالات کے سراسر خلاف یہ پیشین گوئی اتری کہ دس سال کے اندر رومی دوبارہ ایرانیوں پر غالب آجائیں گے۔ رومی مؤرخین بتاتے ہیں کہ اس کے جلد ہی بعد روم کے شکست خوردہ بادشاہ (ہرقل) میں پُر اسرار طور پر تبدیلی پیدا ہونا شروع ہوئی۔ یہاں تک کہ ۶۲۳ء میں اس نے ایران پر جوابی حملہ کیا۔ ۶۲۴ء میں اس نے ایران پر فیصلہ کن فتح حاصل کی۔ ۶۲۷ء تک اس

نے اپنے سارے مقبوضہ علاقے ایرانیوں سے واپس لے لئے۔ قرآن کی پیشین گوئی لفظ بلفظ پوری ہوتی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کا مصنف خدا ہے۔ خدا کے سوا کوئی بھی مستقبل کے بارہ میں اتنا صحیح بیان نہیں دے سکتا۔

مزید یہ واقعہ بتاتا ہے کہ ہار اور جیت براہ راست خدا کے اختیار میں ہے۔ اسی کے فیصلے کسی کو اقتدار ملتا ہے اور کسی سے اقتدار چھن جاتا ہے۔ ایک قوم کا گرنا اور دوسری قوم کا اٹھنا بظاہر عام دنیوی واقعہ ہے۔ مگر اس ظاہر کا ایک باطن ہے۔ ہر واقعہ کے پیچھے خدا کے فرشتے فیصلہ کن طور پر کام کر رہے ہوتے ہیں، اگرچہ وہ عام انسانی آنکھوں کو دکھائی نہیں دیتے ـــــــ اسی طرح موجودہ عالم ظاہر کا بھی ایک باطن ہے اور وہ عالم آخرت ہے۔

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِم ۗ مَّا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ لَكَافِرُونَ ﴿٨﴾ أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٩﴾ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ أَسَاءُوا السُّوأَىٰ أَن كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِئُونَ ﴿١٠﴾

ع ۱

کیا انھوں نے اپنے جی میں غور نہیں کیا، اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے برحق پیدا کیا ہے۔ اور صرف ایک مقرر مدت کے لئے۔ اور لوگوں میں بہت سے ہیں جو اپنے رب سے ملاقات کے منکر ہیں۔ کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ وہ دیکھتے کہ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے۔ وہ ان سے زیادہ طاقت رکھتے تھے۔ اور انھوں نے زمین کو جوتا اور اس کو اس سے زیادہ آباد کیا جتنا انھوں نے آباد کیا ہے۔ اور ان کے پاس ان کے رسول واضح نشانیاں لے کر آئے۔ پس اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا۔ مگر وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے۔ پھر جن لوگوں نے برا کام کیا تھا ان کا انجام برا ہوا، اس وجہ سے کہ انھوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا۔ اور وہ ان کی ہنسی اڑاتے تھے۔ ۱۰-۸

خدا کسی آدمی کو ذکر وفکر کی سطح پر ملتا ہے۔ یعنی آدمی سوچ کے ذریعہ سے خدا کو پاتا ہے۔ خدا نے موجودہ دنیا میں اپنے دلائل بکھیر دئے ہیں، آدمی کی اپنی ذات میں، باہر کی کائنات میں اور پھر پیغمبر کی تعلیمات میں۔ جو لوگ ان خدائی نشانیوں میں غور کریں گے وہی خدا کو پائیں گے۔

دلیل اس دنیا میں خدا کی نمائندہ ہے۔ ایک شخص کے سامنے سچی دلیل آئے اور وہ اس کو نظرانداز کر دے تو گویا کہ اس نے خدا کو نظرانداز کیا۔ ایسے لوگوں کے لئے خدا کے یہاں ابدی محرومی کے سوا اور کچھ نہیں۔

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿١١﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ
الْمُجْرِمُوْنَ ﴿١٢﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿١٣﴾
وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿١٤﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿١٥﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ
فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿١٦﴾ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿١٧﴾ وَلَهُ
الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿١٨﴾

اللہ خلق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر وہی دوبارہ اس کو پیدا کرے گا۔ پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور جس دن قیامت برپا ہوگی اس دن مجرم لوگ حیرت زدہ رہ جائیں گے۔ اور ان کے شریکوں میں سے ان کا کوئی سفارشی نہ ہوگا اور وہ اپنے شریکوں کے منکر ہو جائیں گے۔ اور جس دن قیامت برپا ہوگی اس دن سب لوگ جدا جدا ہو جائیں گے۔ پس جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیا وہ ایک باغ میں مسرور ہوں گے۔ اور جن لوگوں نے انکار کیا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا تو وہ عذاب میں پکڑے ہوئے ہوں گے۔ پس تم پاک اللہ کی یاد کرو جب تم شام کرتے ہو اور جب تم صبح کرتے ہو۔ اور آسمانوں اور زمین میں اسی کے لئے حمد ہے اور تیسرے پہر اور جب تم ظہر کرتے ہو۔ ۱۸-۱۱

---

ایک مکمل دنیا کا موجود ہونا پہلی تخلیق کا یقینی ثبوت ہے۔ پھر جب پہلی تخلیق ممکن ہے تو دوسری تخلیق کیوں ممکن نہیں۔ جو شخص موجودہ دنیا کو مانے اور آخرت کو نہ مانے وہ خود اپنی مانی ہوئی بات کے لازمی تقاضے کا انکار کر رہا ہے۔

”مجرمین“ سے مراد وہ بڑے لوگ ہیں جنھوں نے انکارِ حق کی مہم کی قیادت کی۔ جنھوں نے انکارِ حق کے لئے دلائل فراہم کئے۔ قیامت کا دھماکہ جب نظامِ عالم کو بدلے گا تو اچانک یہ مجرمین دیکھیں گے کہ وہ تمام سہارے بالکل بے بنیاد تھے جن پر انھیں بڑا ناز تھا۔ وہ تمام الفاظ جھوٹے الفاظ ثابت ہوئے جن کو وہ اپنے موقف کے حق میں ناقابلِ تردید دلیل سمجھتے تھے۔ اپنی امیدوں اور خوش خیالیوں کے برعکس جب وہ اِس صورتِ حال کو دیکھیں گے تو وہ بالکل حیرت زدہ ہو کر رہ جائیں گے۔

قیامت میں انسانوں کی دو تقسیم کی جائے گی۔ ایک، خدا کی حمد و تسبیح کرنے والے لوگ۔ دوسرے، حمد و تسبیح سے خالی لوگ۔ خدا کی حمد و تسبیح کرنے والے لوگ وہ ہیں جو خدا کو اس طرح پائیں کہ وہ ان کی یاد دل میں سما جائے۔ وہ ان کے دماغ کی سوچ اور ان کی زبان کا تذکرہ بن جائے۔ اسی حمد و تسبیح کی ایک متعین صورت کا نام پانچ وقت کی نماز ہے۔ آیت میں صبح کی تسبیح سے مراد فجر کی نماز ہے۔ شام کی تسبیح میں مغرب اور عشا کی نمازیں شامل ہیں۔ دوپہر ڈھلنے کے بعد کی تسبیح سے مراد ظہر کی نماز ہے۔ اور دن کے پچھلے وقت کی تسبیح سے مراد عصر کی نماز۔

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُونَ ﴿١٩﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢١﴾

وہ زندہ کو مُردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ اور وہ زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے اور اسی طرح تم لوگ نکالے جاؤ گے۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔ پھر یکایک تم بشر بن کر پھیل جاتے ہو۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے تمہارے لئے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو۔ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھ دی۔ بے شک اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور کرتے ہیں ۲۱-۱۹

---

موجودہ دنیا کا ایک عجیب و غریب کرشمہ ایک چیز کا دوسری چیز میں مبدل ہونا ہے۔ یہاں غیر اضافہ پذیر مادہ اضافہ پذیر مادہ میں تبدیل ہو رہا ہے۔ یہاں بے جان مٹی (بالفاظ دیگر ارضی اجزاء) تبدیل ہو کر چلنے اور

بولنے والے انسان کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ مزید یہ کہ یہ سب کچھ حد درجہ بامعنی طور پر ہو رہا ہے۔ مثال کے طور پر "مٹی" جب تبدیل ہو کر انسان بنتی ہے تو اس کا تقریباً نصف حصہ مرد کی صورت میں ڈھل جاتا ہے اور تقریباً نصف حصہ عورت کی صورت میں۔ اسی تقسیم کی بدولت انسانی تہذیب ہزاروں سال سے قائم ہے۔ یہ تبدیلی اور پھر منظم اور متناسب تبدیلی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ اس کے پیچھے ایک قادر مطلق خدا کی کارفرمائی مانی جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ آدمی اگر خدا کی تخلیق پر غور کرے تو اس کو ایسا لگے گا جیسے ہر چیز میں خدا کا جلوہ ہو۔ ہر چیز سے خدا جھانک رہا ہو۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاۗؤُكُمْ
مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ
الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری بولیوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے۔ بے شک اس میں بہت سی نشانیاں ہیں علم والوں کے لیے۔ اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارا رات اور دن میں سونا اور تمہارا اس کے فضل کو تلاش کرنا ہے۔ بے شک اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو سنتے ہیں۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو بجلی دکھاتا ہے، خوف کے ساتھ اور امید کے ساتھ۔ اور وہ آسمان سے پانی اتارتا ہے پھر اس سے زمین کو زندہ کرتا ہے اس کے مُردہ ہو جانے کے بعد۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ ۲۴-۲۲

---

کائنات اپنے پورے وجود کے ساتھ خدا کی نشانی ہے ـــــــ اس کا عدم سے وجود میں آنا خدا کی قوت تخلیق کو بتاتا ہے۔ اس کے اندر بے شمار تنوع خدا کی قدرت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ تمام چیزوں میں حد درجہ معنویت خدا کی صفت رحمت کا آئینہ ہے۔ بجلی جیسی تباہ کن چیزوں کی موجودگی خدا کی صفت انتقام کا تعارف ہے۔ زمین کا خشک ہو جانے کے بعد دوبارہ ہرا بھرا ہو جانا تخلیق ثانی کے امکان کو بتا

رہا ہے۔

یہ سب خدا کی نشانیاں ہیں۔ مگر یہ نشانیاں صرف ان لوگوں کے لئے ہیں جو کائنات کی خاموش پکار پر کان لگائیں۔ جو اپنی عقل اور اپنے علم کو صحیح رخ پر استعمال کریں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ڰ مِّنَ الْاَرْضِ ڰ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ۝ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہے۔ پھر جب وہ تم کو ایک بار پکارے گا تو تم اسی وقت زمین سے نکل پڑو گے۔ اور آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے اسی کا ہے۔ سب اسی کے تابع ہیں اور وہی ہے جو اول بار پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔ اور یہ اس کے لئے زیادہ آسان ہے۔ اور آسمانوں اور زمین میں اسی کے لئے سب سے برتر صفت ہے۔ اور وہ زبردست ہے، حکمت والا ہے۔ ۲۵-۲۷

---

اتھاہ خلا میں زمین اور سورج اور سیاروں اور ستاروں کا نظام اس قدر حیرت ناک حد تک نادر واقعہ ہے کہ وہ خود بول رہا ہے کہ وہ کسی قائم رکھنے والے کی قدرت سے قائم ہے۔ اور کسی چلانے والے کے زور پر چل رہا ہے۔ یہ غیر معمولی مدد اگر ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے جدا ہو تو وہ بالکل درہم برہم ہو جائے۔ اس دنیا میں ایک معمولی ہوائی جہاز بھی پائلٹ کا کنٹرول کھونے کے بعد برباد ہو جاتا ہے، پھر کائنات کا اتنا بڑا کارخانہ کسی کنٹرولر کے کنٹرول کے بغیر کیسے چل سکتا ہے۔

کائنات کا خالق کائنات میں اپنی قدرت کا جو مظاہرہ کر رہا ہے اس کے لحاظ سے اس کے لئے یہ کام آسان تر ہے کہ وہ انسان کو موت کے بعد دوبارہ پیدا کرے۔ تخلیق اول کا جو مظاہرہ کائنات میں ہر آن ہو رہا ہے اس کے بعد تخلیق ثانی کو ماننا ایسا ہی ہے جیسے ایک ثابت شدہ چیز کو ماننا۔ کائنات میں خدا کی قدرت اور اس کی حکمت کا اظہار اتنی اعلیٰ سطح پر ہو رہا ہے کہ اس کے بعد کسی بھی کارنامہ کو خدا کی طرف منسوب کرنا کوئی مستبعد چیز نہیں۔

ضَرَبَ لَكُم مَّثَلًا مِّنْ أَنفُسِكُمْ ۖ هَل لَّكُم مِّن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم مِّن
شُرَكَاءَ فِي مَا رَزَقْنَاكُمْ فَأَنتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ أَنفُسَكُمْ ۚ
كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٢٨﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُم
بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ فَمَن يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ ۖ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٢٩﴾

وہ تمہارے لئے خود تمہاری ذات سے ایک مثال بیان کرتا ہے۔ کیا تمہارے غلاموں میں کوئی تمہارے اس مال میں شریک ہے جو ہم نے تم کو دیا ہے کہ تم اور وہ اس میں برابر ہوں۔ اور جس طرح تم اپنوں کا لحاظ کرتے ہو اسی طرح ان کا بھی لحاظ کرتے ہو۔ اس طرح ہم آیتیں کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ بلکہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں نے بلادلیل اپنے خیالات کی پیروی کر رکھی ہے تو اس کو کون ہدایت دے سکتا ہے جس کو اللہ نے بھٹکا دیا ہو۔ اور کوئی ان کا مددگار نہیں۔

۲۸ - ۲۹

ایک مشترک مال یا جائداد ہو تو اس میں اس کے تمام شرکار کا حق ہوتا ہے اور ہر شریک کو دوسرے شریک کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ مگر خدا کا معاملہ اس قسم کا معاملہ نہیں۔ خدا تنہا تمام کائنات کا مالک ہے۔ خدا کے لئے صحیح مثال آقا اور غلام کی ہے نہ کہ شرکار جائداد کی۔ خدا اور اس کی مخلوقات کے درمیان زیادہ بڑے پیمانے پر وہی نسبت ہے جو ایک آقا اور ایک غلام کے درمیان پائی جاتی ہے۔ کوئی شخص اپنے غلام یا نوکر کو اپنے برابر کا درجہ نہیں دیتا۔ اسی طرح کائنات میں کوئی بھی نہیں ہے جس کو خدا کے ساتھ برابری کی حیثیت حاصل ہو۔ خدا کی طرف صرف آقائی ہے اور بقیہ مخلوقات کی طرف صرف محکومی اور غلامی۔

مخلوقات کا اپنے اپنے تخلیقی نظام کا پابند ہونا بتاتا ہے کہ خدا اور مخلوقات کے درمیان صحیح نسبت آقا اور غلام کی ہے۔ اس کے سوا جو نسبت بھی قائم کی جائے گی اس کی بنیاد محض انسانی مفروضہ پر ہوگی نہ کہ کسی واقعی دلیل پر۔

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ
لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٠﴾ مُنِيبِينَ
إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٣١﴾ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ

وَكَانُوا شِيَعًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿٣٢﴾

پس تم یکسو ہوکر اپنا رخ اس دین کی طرف رکھو، اللہ کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو بنایا ہے۔ اس کے بنائے ہوئے کو بدلنا نہیں۔ یہی سیدھا دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اسی کی طرف متوجہ ہوکر اور اسی سے ڈرو اور نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ بنو جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرلیا۔ اور بہت سے گروہ ہوگئے۔ ہر گروہ اپنے طریقہ پر نازاں ہے جو اس کے پاس ہے۔ ۳۰-۳۲

---

اصل دین ایک ہے۔ اور وہ ہر پیغمبر پر اپنی کامل شکل میں اترا ہے۔ وہ ہے ایک اللہ کی طرف رجوع، ایک اللہ کا ڈر، ایک اللہ کی پرستاری، ہمہ تن ایک اللہ کی طرف متوجہ ہوجانا، یہی دین فطرت ہے یہ دین ابدی طور پر ہر انسان کی نفسیات میں سمویا ہوا ہے۔ تمام پیغمبروں نے اسی ایک دین کی تعلیم دی۔ مگر ان کے پیروؤں کی بعد کی نسلوں نے ایک دین کو کئی دین بنا ڈالا۔

کئی دین ہمیشہ ان اضافی بحثوں سے بنتا ہے جو بعد کے لوگ پیغمبروں کی ابتدائی تعلیمات میں پیدا کرتے ہیں۔ عقائد میں نو ایجاد موشگافیاں، عبادات میں خود ساختہ مسائل، زمانہ کے تاثر کے تحت دین کی نئی نئی تعبیریں۔ یہی وہ چیزیں ہیں جو بعد کے دور میں ایک دین کو کئی دین بنا دیتی ہیں۔ جب یہ اضافے وجود میں آتے ہیں تو لوگ اصل دین کے بجائے اپنے انھیں اضافوں پر سب سے زیادہ زور دینے لگتے ہیں جن کی بدولت وہ دوسرے گروہ سے جدا ہوکر الگ گروہ بنے ہیں۔ ایک گروہ ایک قسم کے اضافہ پر زور دیتا ہے، اور دوسرا گروہ دوسرے قسم کے اضافہ پر۔ اس طرح بالآخر یہ نوبت آتی ہے کہ ایک دین کو ماننے والے عملاً کئی دینی گروہ میں بٹ کر رہ جاتے ہیں۔

وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا أَذَاقَهُمْ مِنْهُ
رَحْمَةً إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ ۚ فَتَمَتَّعُوا
فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿٣٤﴾ أَمْ أَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ ﴿٣٥﴾

اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کو پکارتے ہیں اسی کی طرف متوجہ ہوکر۔ پھر جب وہ اپنی طرف سے ان کو مہربانی چکھاتا ہے تو ان میں سے ایک گروہ اپنے رب کا شریک ٹھہرانے لگتا ہے کہ جو کچھ ہم

نے ان کو دیا ہے اس کے منکر ہو جائیں۔ تو چند دن فائدہ اٹھالو، عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا۔ کیا ہم نے ان پر کوئی سند اتاری ہے کہ وہ ان کو خدا کے ساتھ شرک کرنے کو کہہ رہی ہے۔ ۳۵ - ۳۴

---

عام حالات میں آدمی اپنے کو بااختیار پاتا ہے۔ اس لئے عام حالات میں وہ مصنوعی طور پر سرکش بنا رہتا ہے۔ مگر جب نازک حالات اس کو اس کی بے بسی کا تجربہ کرلتے ہیں، اس وقت اس کے ذہن کے پردے ہٹ جاتے ہیں۔ وہ اس وقت وہ اصلی انسان (Man cut to size) بن جاتا ہے جو کہ وہ حقیقۃً ہے۔ اس وقت وہ اپنی عاجزانہ حیثیت کا اعتراف کرتے ہوئے خدا کو پکارنے لگتا ہے۔

یہ نفسیات کی سطح پر توحید اللہ کا ثبوت ہے۔ اس طرح انسان کو اس کے ذاتی تجربہ میں حقیقت کا چہرہ دکھایا جاتا ہے۔ مگر آدمی اتنا نادان ہے کہ جیسے ہی حالات بدلے وہ دوبارہ پہلے کی طرح غفلت اور سرکشی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ
اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ۝۳۶ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّ
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۳۷ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ
السَّبِيْلِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۳۸
وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ
اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝۳۹

اور جب ہم لوگوں کو مہربانی چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتے ہیں۔ اور اگر ان کے اعمال کے سبب سے ان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو یکایک وہ مایوس ہو جاتے ہیں۔ کیا وہ دیکھتے نہیں کہ اللہ جس کو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہے کم۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔ پس رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین کو اور مسافر کو۔ یہ بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو سود تم دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال میں شامل ہو کر وہ بڑھ جائے، تو اللہ کے نزدیک وہ نہیں بڑھتا۔ اور جو زکوٰۃ تم دو گے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے تو یہی

لوگ ہیں جو اللہ کے یہاں اپنے مال کو بڑھانے والے ہیں۔ ۳۹-۳۶

---

مومن راحت اور مصیبت دونوں کو خدا کی طرف سے سمجھتا ہے۔ اس لئے وہ دونوں حالتوں میں خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ وہ راحت میں شکر کرتا ہے اور مصیبت میں صبر۔ اس کے برعکس غیر مومن کا بھروسہ اپنے آپ پر ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اچھے حالات میں نازاں ہوتا ہے اور جب اس کی قوتیں جواب دے جائیں تو وہ مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ اس کو محسوس ہوتا ہے کہ اب اس کی آخری حد آگئی۔ یہ گویا فطرت کی شہادت ہے جو بتاتی ہے کہ پہلا ذہن حقیقی ذہن ہے اور دوسرا ذہن غیر حقیقی ذہن۔

مومن کی ایک پہچان یہ ہے کہ وہ اپنے مال کو رضائے الٰہی کے لئے خرچ کرتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے مال میں دوسرے ضرورت مندوں کا بھی حصہ لگاتا ہے، خواہ وہ اس کے رشتہ دار ہوں یا غیر رشتہ دار۔ وہ اپنے مال کو آخرت کا نفع کمانے کے لئے خرچ کرتا ہے نہ کہ سود خواروں کی طرح صرف دنیا کا نفع کمانے کے لئے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ
مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝۴۰ ظَهَرَ الْفَسَادُ　ع ۴ ۷
فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ لِیُذِیْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا
لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۝۴۱ قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ
مِنْ قَبْلُ ؕ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِیْنَ ۝۴۲

اللہ ہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر اس نے تم کو روزی دی، پھر وہ تم کو موت دیتا ہے، پھر وہ تم کو زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو ان میں سے کوئی کام کرتا ہو۔ وہ پاک ہے اور برتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے، تاکہ اللہ مزا چکھائے ان کو ان کے بعض اعمال کا، شاید کہ وہ باز آئیں۔ کہو کہ زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو کہ ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جو اس سے پہلے گزرے ہیں۔ ان میں سے اکثر مشرک تھے۔ ۴۲ - ۴۰

---

ایک انسان کا پیدا ہونا، اس کا صبح و شام کا رزق ملنا، اس پر موت واقع ہونا، یہ واقعات اتنے

عظیم ہیں کہ ان کے ظہور کے لئے کائناتی قوت درکار ہے۔ اور خالق کائنات کے سوا کوئی بھی مفروضہ ہستی ایسی نہیں جو اس قسم کی کائناتی قوت رکھتی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ توحید اپنی دلیل آپ ہے اور شرک اپنی تردید آپ۔

اگر انسان ایک خدا کو اپنا معبود بنائے تو سب کا مرکز توجہ ایک ہوتا ہے۔ اس سے انسانوں کے درمیان اتحاد کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جب دوسرے دوسرے معبود بنائے جانے لگیں تو بے شمار چیزیں مرکز توجہ بن جاتی ہیں۔ اس سے افراد اور قوموں میں عناد اور اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ خشکی اور سمندر اور فضا سب فساد سے بھر جاتے ہیں۔

انسان کی بے راہ روی کا مستقل انجام موت کے بعد سامنے آنے والا ہے۔ مگر انسان کی بے راہ روی کا وقتی انجام اسی دنیا میں دکھایا جاتا ہے تاکہ لوگوں کو یاد دہانی ہو۔

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ ﴿٤٣﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِأَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُونَ ﴿٤٤﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴿٤٥﴾

پس اپنا رخ دین قیم کی طرف سیدھا رکھو۔ قبل اس کے کہ اللہ کی طرف سے ایسا دن آجائے جس کے لئے واپسی نہیں ہے۔ اس دن لوگ جدا جدا ہو جائیں گے۔ جس نے انکار کیا تو اس کا انکار اسی پر پڑے گا۔ اور جس نے نیک عمل کیا تو یہ لوگ اپنے ہی لئے سامان کر رہے ہیں۔ تاکہ اللہ ایمان لانے والوں کو اور نیک عمل کرنے والوں کو اپنے فضل سے جزا دے۔ بے شک اللہ منکروں کو پسند نہیں کرتا۔ ۴۵-۴۳

---

موجودہ دنیا میں اچھے اور برے دونوں قسم کے لوگ ملے ہوئے ہیں۔ آخرت اس لئے آئے گی کہ وہ دونوں قسم کے لوگوں کو الگ الگ کر دے۔ اس دن خدا کا انعام ان لوگوں کے لئے ہوگا جو موجودہ دنیا میں صرف خدا والے بن کر رہے۔ اور جن لوگوں کی دلچسپیاں غیر خدا کے ساتھ وابستہ رہیں وہ وہاں ابدی طور پر خدا کی رحمتوں سے محروم کر دئے جائیں گے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ
بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ
رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَاۗءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ۭ وَكَانَ
حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے خوشخبری دینے کے لئے اور تاکہ وہ تم کو اپنی رحمت سے نوازے۔ اور تاکہ کشتیاں اس کے حکم سے چلیں۔ اور تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔ اور تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو۔ اور ہم نے تم سے پہلے رسولوں کو بھیجا ان کی قوم کی طرف۔ پس وہ ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے۔ تو ہم نے ان لوگوں سے انتقام لیا جنھوں نے جرم کیا تھا۔ اور ہم پر یہ حق تھا کہ ہم مومنوں کی مدد کریں۔ ۴۷-۴۶

---

بارش سے پہلے ٹھنڈی ہواؤں کا آنا اس بات کا اعلان ہے کہ اس دنیا کا خدا رحمتوں والا خدا ہے۔
سمندری جہازرانی تمدن کے لئے انتہائی اہم ہے۔ مگر سمندری جہازرانی اسی وقت ممکن ہوتی ہے جب کہ ہوا ایک خاص حد کے اندر رہے۔ اسی طرح موجودہ زمانہ میں ہوائی سفر کا بھی بہت گہرا تعلق اس انتظام سے ہے کہ خدا نے زمین کی سطح کے اوپر ہوا کا دبیز غلاف قائم کر رکھا ہے۔
یہ سارا اہتمام اس لئے کیا گیا ہے تاکہ انسان خدا کا شکرگزار بندہ بن کر رہے۔ خدا کے پیغمبر انھیں حقیقتوں کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے آئے۔ پھر کچھ لوگوں نے ان کو مانا، اور کچھ لوگوں نے ان کا انکار کر دیا۔ اس وقت خدا نے ماننے والوں کی مدد کی اور انکار کرنے والوں کو ہلاک کر دیا۔ یہی معاملہ دونوں قسم کے انسانوں کے ساتھ آخرت میں زیادہ بڑے پیمانہ پر پیش آئے گا۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَاۗءِ كَيْفَ يَشَاۗءُ وَ
يَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ
مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ
عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ۝ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ

بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۵۰ وَلَىِٕنْ
اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ۵۱ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ
الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاۗءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۵۲ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ
ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۵۳ ع ۵ ۸

اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے۔ پس وہ بادل کو اٹھاتی ہیں۔ پھر اللہ ان کو آسمان میں پھیلا دیتا ہے جس طرح چاہتا ہے۔ اور وہ ان کو تہہ بہ تہہ کرتا ہے۔ پھر تم مینھ کو دیکھتے ہو کہ اس کے اندر سے نکلتا ہے۔ پھر جب وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اسے پہنچا دیتا ہے تو یکایک وہ خوش ہو جاتے ہیں۔ اور وہ اس کے نازل کئے جانے سے قبل، خوشی سے پہلے، ناامید تھے۔ پس اللہ کی رحمت کے آثار کو دیکھو، وہ کس طرح زمین کو زندہ کر دیتا ہے اس کے مُردہ ہو جانے کے بعد۔ بے شک وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اگر ہم ایک ہوا بھیج دیں، پھر وہ کھیتی کو زرد ہوئی دیکھیں تو اس کے بعد وہ انکار کرنے لگیں گے۔ تو تم مُردوں کو نہیں سنا سکتے، اور نہ تم بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر چلے جا رہے ہوں۔ اور نہ تم اندھوں کو ان کی گمراہی سے نکال کر راہ پر لا سکتے ہو۔ تم صرف اس کو سنا سکتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان لانے والا ہو۔ پس یہی لوگ اطاعت کرنے والے ہیں۔ ۵۲ - ۴۸

---

آدمی حق کا راستہ اختیار کرے تو اس کو اکثر سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جیسا کہ دور اول میں رسول اور اصحاب رسول کے ساتھ پیش آیا۔ مگر ان حالات میں کسی کے لئے مایوس ہونے کا سوال نہیں۔ جو خدا اتنا رحیم ہے کہ جب کھیتی کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ عالمی نظام کو متحرک کر کے اس کو سیراب کرتا ہے وہ یقیناً اپنے راستہ پر چلنے والوں کی بھی ضرور مدد فرمائے گا۔ تاہم یہ مدد خدا کے اپنے اندازہ کے مطابق آئے گی۔ اس لئے اگر اس میں دیر ہو تو آدمی کو مایوس اور بددل نہیں ہونا چاہئے۔

خدا کی بات نہایت واضح اور نہایت مدلل بات ہے۔ مگر خدا کی بات کا مومن وہی بنے گا جو چیزوں کو گہرائی کے ساتھ دیکھے، جو باتوں کو دھیان کے ساتھ سنے۔ جس کے اندر یہ مزاج ہو کہ جو بات سمجھ میں آجائے اس کو مان لے، جس راستہ کا صحیح ہونا معلوم ہو جائے اس پر چلنے لگے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ

مِنۢ بَعۡدِ قُوَّةٍ ضَعۡفًا وَّشَيۡبَةً ؕ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الۡعَلِيۡمُ الۡقَدِيۡرُ ﴿۵۴﴾ وَيَوۡمَ
تَقُوۡمُ السَّاعَةُ يُقۡسِمُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ۙ مَا لَبِثُوۡا غَيۡرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوۡا يُؤۡفَكُوۡنَ ﴿۵۵﴾
وَقَالَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ وَالۡاِيۡمَانَ لَقَدۡ لَبِثۡتُمۡ فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوۡمِ الۡبَعۡثِ
فَهٰذَا يَوۡمُ الۡبَعۡثِ وَلٰـكِنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۵۶﴾ فَيَوۡمَئِذٍ لَّا يَنۡفَعُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا
مَعۡذِرَتُهُمۡ وَلَا هُمۡ يُسۡتَعۡتَبُوۡنَ ﴿۵۷﴾

اللہ ہی ہے جس نے تم کو ناتوانی سے پیدا کیا، پھر ناتوانی کے بعد قوت دی، پھر قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا طاری کردیا۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اور وہ علم والا، قدرت والا ہے۔ اور جس دن قیامت برپا ہوگی، مجرم قسم کھاکر کہیں گے کہ وہ ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے۔ اس طرح وہ پھیرے جاتے تھے۔ اور جن لوگوں کو علم اور ایمان عطا ہوا تھا وہ کہیں گے کہ اللہ کی کتاب میں تو تم روز حشر تک پڑے رہے۔ پس یہ حشر کا دن ہے، لیکن تم جانتے نہ تھے۔ پس اس دن ظالموں کو ان کی معذرت کچھ نفع نہ دے گی اور نہ ان سے معافی مانگنے کے لئے کہا جائے گا۔ ۵۷ - ۵۴

---

انسان پیدا ہوتا ہے تو وہ نہایت کمزور بچہ ہوتا ہے۔ پھر درمیان میں طاقت اور جوانی کے کچھ سال گزارنے کے بعد دوبارہ بڑھاپے کی کمزوری آجاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی طاقت اس کی اپنی نہیں ہے۔ وہ اس کو دینے سے ملتی ہے۔ یہ دینے والے کے اختیار میں ہے کہ وہ جب چاہے دے اور جب چاہے واپس لے لے۔

دنیا کی زندگی میں آدمی آخرت کے لئے فکرمند نہیں ہوتا۔ کیونکہ قیامت اس کو بہت دور کی چیز معلوم ہوتی ہے۔ مگر یہ صرف بے خبری کی بات ہے۔ قیامت جب آئے گی تو اس کو ایسا معلوم ہوگا کہ بس ایک گھڑی پچھلی دنیا میں رہنا ہوا تھا کہ اگلی دنیا کا مرحلہ پیش آگیا۔

وَلَقَدۡ ضَرَبۡنَا لِلنَّاسِ فِىۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَلَئِنۡ جِئۡتَهُمۡ بِاٰيَةٍ
لَّيَـقُوۡلَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا مُبۡطِلُوۡنَ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ يَطۡبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِ
الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۵۹﴾ فَاصۡبِرۡ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسۡتَخِفَّنَّكَ الَّذِيۡنَ

لَا یُوقِنُوْنَ

اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کی مثالیں بیان کی ہیں۔ اور اگر تم ان کے پاس کوئی نشانی لے آؤ تو جن لوگوں نے انکار کیا ہے وہ یہی کہیں گے کہ تم سب باطل پر ہو۔ اس طرح اللہ مہر کر دیتا ہے ان لوگوں کے دلوں پر جو نہیں جانتے۔ پس تم صبر کرو، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اور تم کو بے برداشت نہ کردیں وہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے۔ ۵۸-۶۰

---

مکہ میں لوگ کہتے تھے کہ اگر تم پیغمبر ہو تو کوئی خارق عادت کرشمہ دکھاؤ۔ مگر ان کے اس مطالبہ کو پورا نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خارق عادت کرشمہ اصل مقصد کے اعتبار سے بے فائدہ تھا۔ اسلام کا مقصد تو یہ تھا کہ لوگوں کے عمل میں تبدیلی ہو اور عمل میں تبدیلی فکر کی تبدیلی سے آتی ہے نہ کہ خارق عادت کرشمہ دکھا کر لوگوں کو اچنبھے میں ڈال دینے سے۔

چنانچہ قرآن کا سارا زور استدلال پر ہے۔ وہ دلیل کے ذریعہ انسان کے ذہن کو بدلنا چاہتا ہے۔ وہ آدمی کو اس قابل بنانا چاہتا ہے کہ واقعات کو صحیح رخ سے دیکھے اور معاملات پر صحیح رائے قائم کر سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کا اصل مسئلہ صحت فکر ہے۔ اگر آدمی کے اندر صحیح فکر نہ جاگا ہو تو کرشموں اور معجزوں کو دیکھ کر دوبارہ وہ کوئی ناسمجھی کا لفظ بول دے گا جس طرح وہ اس سے پہلے ناسمجھی کے الفاظ بولتا رہا ہے۔

لاعلمی کی بنا پر مہر لگنا صحت فکر نہ ہونے کی وجہ سے باتوں کو نہ سمجھنا ہے۔ آدمی کے اندر رائے قائم کرنے کی صلاحیت نہ ہو تو وہ چیزوں کو ان کے صحیح رخ سے نہیں دیکھ پاتا اس بنا پر وہ چیزوں سے اپنے لئے صحیح رہنمائی بھی حاصل نہیں کر پاتا۔

جو اللہ کا بندہ بے آمیز حق کی دعوت لے کر اٹھے اس کو ہمیشہ لوگوں کی طرف سے حوصلہ شکن ردعمل کا سامنا پیش آتا ہے۔ داعی تمام تر آخرت کی بات کرتا ہے جبکہ لوگوں کا ذہن دنیا کے مسائل میں الجھا ہوا ہوتا ہے۔ اس بنا پر لوگ داعی کی تحقیر کرتے ہیں۔ وہ اس کو ہر لحاظ سے نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ماحول میں داعی کی بات بے وزن بات معلوم ہونے لگتی ہے۔

یہ صورت حال مدعو کے ساتھ داعی کو بھی آزمائش میں ڈال دیتی ہے۔ ایسے وقت میں داعی کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے یقین کو نہ کھوئے۔ اگر حالات کے دباؤ کے تحت اس نے اپنے یقین کو کھو دیا تو وہ ایسی بات بولنے لگے گا جو عام لوگوں کو شاید اہم معلوم ہو مگر اللہ کی نظر میں اس سے زیادہ غیر اہم بات اور کوئی نہ ہوگی۔

سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۝١ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝٢ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝٣ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ
الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝٤ اُولٰٓئِكَ عَلٰى
هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٥

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

ال م۔ یہ پُرحکمت کتاب کی آیتیں ہیں، ہدایت اور رحمت نیکی کرنے والوں کے لئے۔ جو کہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے رب کے سیدھے راستے پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ 1-5

---

احسان کا اصل مفہوم ہے کسی کام کو اچھی طرح کرنا۔ محسن کے معنی ہیں اچھی طرح کرنے والا۔ اس دنیا میں کسی کام کے اچھے ہونے کا معیار یہ ہے کہ وہ حقیقتِ واقعہ کے مطابق ہو۔ اس اعتبار سے محسن وہ شخص ہے جو حقیقت واقعہ کا اعتراف کرے، جس کا عمل وہی ہو جو ہونا چاہئے اور وہ نہ ہو جو نہیں ہونا چاہئے۔

جو لوگ اپنے آپ کو حقیقتِ واقعہ کے مطابق ڈھالنے کا مزاج رکھیں وہی وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے صداقت آتی ہے تو وہ کسی نفسیاتی پیچیدگی میں مبتلا ہوئے بغیر اس کو مان لیتے ہیں۔ وہ فوراً ہی اس کے عملی تقاضے پورے کرنے لگتے ہیں —— وہ نمازی بن جاتے ہیں جو خدا کا حق ادا کرنے کی ایک علامت ہے۔ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں جو گویا مال کے دائرے میں بندوں کا حق ادا کرنا ہے۔ وہ دنیا پرستی کو چھوڑ کر آخرت پسند بن جاتے ہیں۔ کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ کامیابی اور ناکامیابی کا فیصلہ آخر کار جہاں ہونا ہے وہ آخرت ہی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ
وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝٦ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى
مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝٧

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتُ النَّعِيمِ ﴿٨﴾ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٩﴾

اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو ان باتوں کا خریدار بنتا ہے جو غافل کرنے والی ہیں۔ تاکہ اللہ کی راہ سے گمراہ کرے، بغیر کسی علم کے۔ اور اس کی ہنسی اڑائے۔ ایسے لوگوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ اور جب ان کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو وہ تکبر کرتا ہوا منھ موڑ لیتا ہے، جیسے اس نے سنا ہی نہیں، جیسے اس کے کانوں میں بہرا پن ہے۔ تو اس کو ایک دردناک عذاب کی خوش خبری دے دو۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیا۔ ان کے لئے نعمت کے باغ ہیں۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کا پختہ وعدہ ہے اور وہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔ ۶-۹

---

باتیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک نصیحت اور دوسرے تفریح۔ نصیحت کی بات ذمہ داری کا احساس دلاتی ہے۔ وہ آدمی سے کچھ کرنے اور کچھ نہ کرنے کے لئے کہتی ہے۔ اس لئے ہر دور میں بہت کم ایسے لوگ ہوتے ہیں جو نصیحت کی باتوں سے دلچسپی لیں۔ انسان کا عام مزاج ہمیشہ یہ رہا ہے کہ وہ تفریح کی باتوں کو زیادہ پسند کرتا ہے۔ وہ نصیحت کی "کتاب" کے مقابلہ میں اس کتاب کا زیادہ خریدار بنتا ہے جس میں اس کے لئے ذہنی تفریح کا سامان ہو اور وہ اس سے کچھ کرنے کے لئے نہ کہے۔

جس شخص کا حال یہ ہو کہ وہ اپنی ذات سے آگے بڑھ کر دوسروں کو اس قسم کی تفریحی باتوں میں مشغول کرنے لگے وہ زیادہ بڑا مجرم ہے۔ کیوں کہ وہ اس ذہنی بے راہ روی کا قائد بنا۔ اس نے لوگوں کے ذہن کو بے فائدہ باتوں میں مشغول کرکے انھیں اس قابل نہ رکھا کہ وہ زیادہ سنجیدہ باتوں میں دھیان دے سکیں۔

سب سے بری نفسیات گھمنڈ کی نفسیات ہے۔ جو شخص گھمنڈ کی نفسیات میں مبتلا ہو اس کے سامنے حق آئے گا مگر وہ اپنے کو بلند سمجھنے کی وجہ سے اس کا اعتراف نہیں کرے گا۔ وہ اس کو حقارت کے ساتھ نظر انداز کرکے آگے بڑھ جائے گا۔ اس کے برعکس معاملہ اہل ایمان کا ہے۔ ان کا نصیحت پسند مزاج انھیں مجبور کرتا ہے کہ وہ سچائی کا اعتراف کریں، وہ اپنی زندگی کو تمام تر اس کے حوالہ کر دیں۔

خَلَقَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ۖ وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ ۚ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ

زَوْجٍ كَرِيمٍ ﴿١٠﴾ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهٖ ۚ بَلِ
الظّٰلِمُونَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ﴿١١﴾ ع ۱

اللہ نے آسمانوں کو پیدا کیا، ایسے ستونوں کے بغیر جو تم کو نظر آئیں۔ اور اس نے زمین میں پہاڑ رکھ دئے کہ وہ تم کو لے کر جھک نہ جائے۔ اور اس میں ہر قسم کے جاندار پھیلا دئے۔ اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا پھر زمین میں ہر قسم کی عمدہ چیزیں اگائیں۔ یہ ہے اللہ کی تخلیق، تو تم مجھ کو دکھاؤ کہ اس کے سوا جو ہیں انھوں نے کیا پیدا کیا ہے۔ بلکہ ظالم لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔ ۱۱ - ۱۰

---

کائنات لا متناہی خلا ہے۔ اس کے اندر بے شمار نہایت بڑے بڑے اجرام مسلسل گردش کر رہے ہیں۔ ان اجرام کا اس طرح خلا میں گردش کرتے ہوئے قائم رہنا دہشت ناک حد تک عظیم واقعہ ہے۔ پھر ہماری زمین موجودہ کائنات میں ایک انتہائی استثنائی کرہ ہے جس میں ان گنت انتظامات نے اس کے اوپر انسانی زندگی کو ممکن بنا دیا ہے۔ انھیں انتظامات میں سے چند یہ ہیں —— زمین کی سطح پر پہاڑوں کے ابھار سے توازن قائم ہونا۔ پھر پانی اور زندگی اور نباتات جیسی عجیب چیزوں کی زمین پر افراط کے ساتھ موجودگی۔

ایک خدائے برتر کے سوا کوئی نہیں جو اس عظیم نظام کو قائم رکھ سکے۔ پھر انسان کے لئے کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ خدا کے سوا دوسری چیزوں کو اپنا مرکز پرستش بنائے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ أَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ
وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿١٢﴾ وَإِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ
لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۖ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ﴿١٣﴾ وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اور ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی کہ اللہ کا شکر کرو۔ اور جو شخص شکر کرے گا تو وہ اپنے ہی لئے شکر کرے گا اور جو ناشکری کرے گا تو اللہ بے نیاز ہے خوبیوں والا ہے۔ اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے بیٹے، اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرانا، بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ ۱۳ - ۱۲

لقمان حکیم کی تاریخی حیثیت کے بارے میں ابھی تک قطعی معلومات حاصل نہیں ہو سکی ہیں۔ تاہم وہ ایک دانش مند اور خدا پرست آدمی تھے۔

قرآن بتاتا ہے کہ لقمان حکیم خدا کے ایک شکر گزار بندے تھے۔ اور اپنے بیٹے کو انھوں نے شرک سے بچنے کی تلقین کی۔ یہ دونوں باتیں ایک ہیں۔ توحید اللہ کو اپنا محسن سمجھنے کے احساس سے ابھرتی ہے۔ اور شرک یہ ہے کہ آدمی اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا محسن سمجھ لے اور اس کے لئے اپنے احسان مندی کے جذبات نچھاور کرنے لگے۔ جب دینے والا صرف ایک ہے تو شکر گزاری بھی صرف ایک ہی کی ہونی چاہئے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿١٤﴾ وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَن تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾

اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے معاملہ میں تاکید کی۔ اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوا۔ کہ تو میرا شکر کر اور اپنے والدین کا۔ میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائے جو تجھ کو معلوم نہیں تو ان کی بات نہ ماننا۔ اور دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا۔ اور تم اس شخص کے راستے کی پیروی کرنا جس نے میری طرف رجوع کیا ہے۔ پھر تم سب کو میرے پاس آنا ہے۔ پھر میں تم کو بتا دوں گا جو کچھ تم کرتے رہے۔ ۱۵-۱۴

---

خدا کے بعد انسان کے اوپر سب سے زیادہ حق ماں باپ کا ہے۔ البتہ اگر ماں باپ کا حکم خدا کے حکم سے ٹکرائے تو اس وقت خدا کا حکم لینا ہے اور ماں باپ کا حکم چھوڑ دینا ہے۔ تاہم اس وقت بھی یہ ضروری ہے کہ ماں باپ کی خدمت کو بدستور جاری رکھا جائے۔

دو مختلف تقاضوں میں یہ توازن حکمت اسلام کی اعلیٰ ترین شکل ہے۔ اور اسی اعلیٰ حکمت میں تمام اعلیٰ کامیابیوں کا راز چھپا ہوا ہے۔

يَا بُنَيَّ إِنَّهَا إِن تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُن فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي

السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ ﴿۱۶﴾ یٰبُنَیَّ اَقِمِ
الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَاۤ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ
مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَاغْضُضْ مِنْ
ع ۸/۲ ۱۱ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ ﴿۱۹﴾

اے میرے بیٹے، کوئی عمل اگر رائی کے دانے کے برابر ہو پھر وہ کسی پتھر کے اندر ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو، اللہ اس کو حاضر کر دے گا۔ بے شک اللہ باریک بین ہے، باخبر ہے۔ اے میرے بیٹے نماز قائم کرو، اچھے کام کی نصیحت کرو اور برائی سے روکو اور جو مصیبت تم کو پہنچے اس پر صبر کرو۔ بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ اور لوگوں سے بے رخی نہ کر، اور زمین میں اکڑ کر نہ چل۔ بے شک اللہ کسی اکڑنے والے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز کو پست کر بے شک سب سے بری آواز گدھے کی آواز ہے۔ ۱۹-۱۶

---

موجودہ زمانہ میں سائنس کی ترقی نے ثابت کیا ہے کہ آڑ اور فاصلہ اضافی الفاظ ہیں۔ اکسرے شعاعیں جسم کے اندر تک دیکھ لیتی ہیں۔ دوربین اور خوردبین کے ذریعہ وہ چیزیں دکھائی دینے لگتی ہیں جو خالی آنکھ سے نظر نہیں آتیں۔ یہ امکان جس کا تجربہ ہم کو محدود سطح پر ہو رہا ہے، یہی خدا کے یہاں لامحدود طور پر موجود ہے۔

دین پر خود عمل کرنا یا دوسروں کو دین کی طرف بلانا، دونوں ہی صبر چاہتے ہیں۔ اس کے لئے کرنے سے پہلے سوچنا پڑتا ہے۔ نفس کی خواہش پر چلنے کے بجائے نفس کے خلاف چلنا پڑتا ہے۔ اپنی بڑائی کو محفوظ کرنے کے بجائے اپنی بڑائی کو کھو دینا پڑتا ہے۔ دوسروں کی طرف سے پیش آنے والی تکلیفوں کو یک طرفہ طور پر برداشت کرنا پڑتا ہے۔

یہ سب حوصلہ مندی کے کام ہیں، اور حوصلہ مند کردار ہی کا دوسرا نام اسلامی کردار ہے۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَیْكُمْ نِعَمَهٗ

ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا
كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿٢٠﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ
اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿٢١﴾

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے تمہارے کام میں لگا دیا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ اور اس نے اپنی کھلی اور چھپی نعمتیں تم پر تمام کر دیں۔ اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں، کسی علم اور کسی ہدایت اور کسی روشن کتاب کے بغیر۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم پیروی کرو اس چیز کی جو اللہ نے اتاری ہے تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں، ہم اس چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا اگر شیطان ان کو آگ کے عذاب کی طرف بلا رہا ہو تب بھی۔ ۲۰ ــ ۲۱

---

موجودہ دنیا اس طرح بنی ہے کہ وہ انسان کے لئے کامل طور پر سازگار ہے۔ نیز یہ کہ موجودہ دنیا میں ہر وہ چیز افراط کے ساتھ موجود ہے جس کی انسان کو ضرورت ہے۔ اس کے باوجود انسان کا یہ حال ہے کہ وہ خالق کائنات کا شکر نہیں کرتا۔ وہ بے معنی بحثیں پیدا کر کے چاہتا ہے کہ لوگوں کی توجہ خدا کی طرف سے پھیر دے۔

انسان کے بے راہ ہونے کا سبب اکثر حالات میں یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی عقل کو کام میں نہیں لاتا۔ وہ رواج عام سے ہٹ کر نہیں سوچتا۔ آدمی اگر رواج سے اوپر اٹھ جائے تو خدا کی دی ہوئی عقل خود اس کو صحیح سمت میں رہنمائی کے لئے کافی ہو جائے۔

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَاِلَى
اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿٢٢﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا
عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٢٣﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى
عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿٢٤﴾

اور جو شخص اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ نیک عمل بھی ہو تو اس نے مضبوط رسی پکڑ لی۔ اور اللہ ہی کی طرف ہے تمام معاملات کا انجام کار۔ اور جس نے انکار کیا تو اس کا انکار تم کو غمگین نہ کرے۔ ہماری

ہی طرف ہے ان کی واپسی۔ تو ہم ان کو بتادیں گے جو کچھ انھوں نے کیا۔ بے شک اللہ دلوں کی بات سے بھی واقف ہے۔ ان کو ہم تھوڑی مدت فائدہ دیں گے۔ پھر ان کو ایک سخت عذاب کی طرف کھینچ لائیں گے۔ ۲۴-۲۲

---

ہر آدمی کا ایک رخ ہوتا ہے جدھر وہ اپنے پورے فکری اور عملی وجود کے ساتھ متوجہ رہتا ہے مومن وہ ہے جس کا رخ پوری طرح خدا کی طرف ہوجائے۔ مومنانہ زندگی دوسرے لفظوں میں خدا رخی (God-oriented) زندگی کا نام ہے۔ اور غیر مومنانہ زندگی غیر خدا رخی زندگی کا۔

جس شخص نے خدا کی طرف رخ کیا اس نے صحیح منزل کی طرف رخ کیا۔ وہ یقیناً اچھے انجام کو پہنچے گا اس کے برعکس جو شخص خدا سے غافل ہوکر کسی اور طرف متوجہ ہوجائے وہ بے رخ اور بے منزل ہوگیا۔ اس کو آج کی وقتی زندگی میں کچھ فائدے ہوسکتے ہیں۔ مگر آخرت کی مستقل زندگی میں اس کے لئے عذاب کے سوا اور کچھ نہیں۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٥﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٧﴾

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا، تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ کہو کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے، بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں۔ بے شک اللہ بے نیاز ہے، خوبیوں والا ہے۔ اور اگر زمین میں جو درخت ہیں وہ قلم بن جائیں اور سمندر، سات مزید سمندروں کے ساتھ، روشنائی بن جائیں، تب بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں۔ بے شک اللہ زبردست ہے، حکمت والا ہے۔ ۲۷-۲۵

---

کائنات اتنی وسیع اور اتنی عظیم ہے کہ کوئی بھی شخص ہوش و حواس کے ساتھ یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس کو خدا کے سوا کسی اور نے بنایا ہے۔ مگر اس حقیقت کو ماننے کے باوجود انسان کا حال یہ ہے کہ وہ خدا کے سوا دوسری چیزوں کو عظمت کا مقام دیتا ہے۔ یہی وہ غیر معقول رویہ ہے جس کا دوسرا

نام شرک ہے۔

خدا کی عظمت اس سے زیادہ ہے کہ وہ لفظوں میں بیان کی جاسکے۔ علوم طبیعی کی تاریخ ہزاروں برس کے دائرہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ مگر بے شمار تحقیقات کے باوجود ابھی تک کسی ایک چیز کے بارے میں بھی پوری معلومات حاصل نہ ہوسکیں۔ انسان کو آج بھی یہ نہیں معلوم کہ خلا میں کتنے ستارے ہیں۔ زمین میں نباتات اور حیوانات کی کتنی قسمیں ہیں۔ درخت کی ایک پتی اور ریت کے ایک ذرے کی ماہیت کیا ہے۔ سمندر کے اندر کتنے عجائبات چھپے ہوئے ہیں۔ غرض اس دنیا کی کوئی بھی چھوٹی یا بڑی چیز ایسی نہیں جس کے بارے میں انسان کو پوری معلومات حاصل ہوچکی ہوں۔ یہی واقعہ یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ درختوں کے قلم اور سمندروں کی سیاہی بھی خدا کے اَن گنت کرشموں کو تحریر کرنے کے لئے کافی نہیں۔

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ
يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۡ كُلٌّ يَّجْرِيْٓ
اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ
ع ۳ ۱۲ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝

تم سب کا پیدا کرنا اور زندہ کرنا بس ایسا ہی ہے جیسا ایک شخص کا۔ بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا ہے۔ ہر ایک چلتا ہے ایک مقرر وقت تک۔ اور یہ کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی حق ہے۔ اور اس کے سوا جن چیزوں کو وہ پکارتے ہیں وہ باطل ہیں اور بے شک اللہ برتر ہے، بڑا ہے۔ ۳۰ - ۲۸

---

انسان اپنی ذات میں اس بات کا ثبوت ہے کہ ایک زندگی کا وجود میں آنا ممکن ہے۔ اور جب ایک زندگی کا وجود ممکن ہو تو اسی قسم کی دوسری زندگیوں کا وجود میں آنا بدرجۂ اولیٰ ممکن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہر آدمی اس واقعہ کا تجربہ کر رہا ہے کہ وہ ایک آواز کو سن سکتا ہے۔ وہ ایک منظر کو دیکھ سکتا ہے پھر جب ایک آواز کا سننا اور ایک منظر کا دیکھنا ممکن ہو تو بہت سی آوازوں کو سننا اور بہت سے مناظر کو دیکھنا ناممکن کیوں ہوگا۔

رات کو دن میں داخل کرنا اور دن کو رات میں داخل کرنا کنایہ کی زبان میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس کو موجودہ زمانہ میں زمین کی محوری گردش کہا جاتا ہے۔ اپنے محور پر کامل صحت کے ساتھ زمین کی مسلسل گردش اور اس طرح کے دوسرے واقعات بتاتے ہیں کہ اس کائنات کا خالق و مالک ناقابل قیاس حد تک عظیم ہے۔ ایسی حالت میں اس کے سوا کون ہے جس کی عبادت کی جائے۔ جس کو اپنی زندگی میں بڑائی کا مقام دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک خدا کو چھوڑ کر جس کو بھی عظمت کا مقام دیا جاتا ہے وہ صرف ایک جھوٹ ہوتا ہے۔ کیوں کہ ایک خدا کے سوا کسی کو کوئی عظمت حاصل نہیں۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللَّهِ لِيُرِيَكُمْ مِنْ آيَاتِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿٣١﴾ وَإِذَا غَشِيَهُمْ مَوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ ۚ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ ﴿٣٢﴾

کیا تم نے دیکھا نہیں کہ کشتی سمندر میں اللہ کے فضل سے چلتی ہے تاکہ وہ تم کو اپنی نشانیاں دکھائے۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے، شکر کرنے والے کے لئے۔ اور جب موج ان کے سر پر بادل کی طرح چھا جاتی ہے، وہ اللہ کو پکارتے ہیں اس کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے۔ پھر جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو ان میں کچھ اعتدال پر رہتے ہیں۔ اور ہماری نشانیوں کا انکار وہی لوگ کرتے ہیں جو بدعہد اور ناشکرگزار ہیں ۳۱ - ۳۲

---

سمندر میں کوئی چیز ڈالی جائے تو وہ فوراً ڈوب جائے گی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے پانی کو ایک خاص قانون کا پابند بنا رکھا ہے۔ اس وجہ سے کشتی اور جہاز اتھاہ سمندروں میں نہیں ڈوبتے، وہ انسان کو اور اس کے سامان کو بحفاظت ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دیتے ہیں۔ یہ بلاشبہ ایک عظیم نشانی ہے۔ مگر اس نشانی سے صرف صابر اور شاکر انسان سبق لیتے ہیں۔ صابر وہ ہے جو اپنے آپ کو غلط احساسات کے زیر اثر جانے سے روکے۔ اور شاکر وہ ہے جو اپنے باہر پائی جانے والی حقیقت کا اعتراف کرسکے۔

تاہم جب سمندر میں طوفان آتا ہے تو آدمی کو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کس قدر بے بس ہے۔ اس وقت وہ ہر ایک کی بڑائی کو بھول کر صرف خدا کو پکارنے لگتا ہے۔ یہ تجربہ جو کشتی کے مسافروں کو پیش آتا ہے اس سے لوگوں کو سبق لینا چاہئے۔ مگر بہت کم لوگ ہیں جو ان واقعات سے سبق لیں اور حق اور عدل کی راہ پر قائم

رہیں۔ بیشتر لوگوں کا حال یہ ہے کہ مصیبت میں پڑے تو خدا کو یاد کرلیا اور مصیبت ہٹی تو دوبارہ سرکش اور احسان فراموش بن گئے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ
جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٝ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ
بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي
الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾ ع ۴ / ۱۴

اے لوگو اپنے رب سے بچو اور اس دن سے ڈرو جب کہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے بدلہ نہ دے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کی طرف سے کچھ بدلہ دینے والا ہوگا۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے تو دنیا کی زندگی تمھیں دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ دھوکہ باز تم کو اللہ کے باب میں دھوکہ دینے پائے۔ بے شک اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی بارش برساتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ رحم میں ہے۔ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرے گا۔ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ بے شک اللہ جاننے والا، باخبر ہے۔

---

۳۳—۳۴

موجودہ دنیا میں امتحان کی مصلحت سے لوگوں کو آزادی دی گئی ہے۔ اس امتحانی آزادی کو آدمی حقیقی آزادی سمجھ لیتا ہے۔ یہی سب سے بڑا دھوکا ہے۔ تمام انسانی برائیاں اسی دھوکہ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ یہاں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان جو چاہے کرے کوئی اس کو پکڑنے والا نہیں۔ حالانکہ آخر کار آدمی کے اوپر اتنا کٹھن وقت آنے والا ہے کہ باپ بیٹا بھی ایک دوسرے کا ساتھ دینے والے نہ بن سکیں گے۔

"قیامت آنے والی ہے تو وہ کب آئے گی" ایسا سوال کرنا اپنی حد سے تجاوز کرنا ہے۔ انسان اپنی قریبی اور معلوم دنیا کے بارہ میں بھی کل کی خبر نہیں رکھتا۔ مثلاً بارش، پیٹ کا بچہ، معاشی مستقبل، موت، ان چیزوں کے بارے میں کوئی قطعی پیشین گوئی نہیں کی جاسکتی۔ تاہم اس علمی محدودیت کے باوجود انسان ان حقیقتوں کے واقع ہونے کو مانتا ہے۔ اسی طرح قیامت کی گھڑی کے بارے میں بھی اس کو مجمل خبر کی بنیاد پر یقین کرنا چاہئے۔

سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ ﴿٣٢﴾ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

الٓمّٓ ﴿١﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿٣﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

ال م۔ یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے، اس میں کچھ شبہ نہیں، خداوند عالم کی طرف سے ہے۔ کیا وہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اس کو خود گھڑ لیا ہے۔ بلکہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے، تاکہ تم ان لوگوں کو ڈرا دو جن کے پاس تم سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، تاکہ وہ راہ پر آجائیں۔ ۳-۱

---

"یہ خدا کی کتاب ہے" بظاہر چند الفاظ کا ایک جملہ ہے۔ مگر یہ اتنا مشکل جملہ ہے کہ تاریخ میں یہ جملہ کہنے کی ہمت حقیقی طور پر ان خاص افراد کے سوا کسی کو نہ ہو سکی جن پر واقعۃً خدا کی کتاب اتری تھی۔ اگر کبھی کسی اور شخص نے یہ جملہ بولنے کی جرأت کی ہے تو وہ یا تو مسخرہ تھا یا پاگل۔ اور اس کا مسخرہ یا پاگل ہونا بعد کو پوری طرح ثابت ہو گیا۔

قرآن اپنا ثبوت آپ ہے۔ اس کا معجزاتی اسلوب، اس کی کسی بات کا سیکڑوں سال میں غلط ثابت نہ ہونا، اس کا اپنے مخالفین پر پوری طرح غالب آنا، یہ اور اس طرح کے دوسرے واقعات اس بات کا قطعی ثبوت ہیں کہ قرآن خدا کی طرف سے آئی ہوئی کتاب ہے۔ اور جب وہ خدا کی کتاب ہے تو لازم ہے کہ ہر شخص اس کی چیتاؤنی پر دھیان دے، وہ انتہائی سنجیدگی کے ساتھ اس پر غور کرے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٤﴾ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاۗءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿٥﴾ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٦﴾ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ﴿٧﴾ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّاۗءٍ مَّهِيْنٍ ﴿٨﴾ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ

وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۹

اللہ ہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں، پھر وہ عرش پر قائم ہوا۔ اس کے سوا نہ تمہارا کوئی مددگار ہے اور نہ کوئی سفارش کرنے والا۔ تو کیا تم دھیان نہیں کرتے۔ وہ آسمان سے زمین تک تمام معاملات کی تدبیر کرتا ہے۔ پھر وہ اس کی طرف لوٹتے ہیں ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہاری گنتی سے ہزار سال کے برابر ہے۔ وہی ہے پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا۔ زبردست ہے، رحمت والا ہے۔ اس نے جو چیز بھی بنائی خوب بنائی۔ اور اس نے انسان کی تخلیق کی ابتدا مٹی سے کی پھر اس کی نسل حقیر پانی کے خلاصہ سے چلائی۔ پھر اس کے اعضاء درست کئے۔ اور اس میں اپنی روح پھونکی۔ تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔ تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو۔ ۹-۴

---

چھ دنوں (چھ دوروں) میں پیدا کرنے سے مراد تدریج و اہتمام کے ساتھ پیدا کرنا ہے۔ کائنات کی تدریجی تخلیق اور اس کا پرحکمت نظام بتاتا ہے کہ اس تخلیق سے خالق کا کوئی خاص مقصد وابستہ ہے۔ پھر کائنات میں مسلسل طور پر بے شمار عمل جاری ہیں۔ اس سے مزید یہ ثابت ہوتا ہے کہ کائنات کو پیدا کرنے والا اس کو منصوبہ بند طور پر چلا رہا ہے۔ انسان ایک حیرت ناک قسم کا زندہ وجود ہے مگر اس کے جسم کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف مٹی (ارضی اجزاء) کا مرکب ہے۔ پھر یہ ابتدائی تخلیق ختم نہیں ہو جاتی بلکہ توالد و تناسل کے ذریعہ اس کا سلسلہ مستقل طور پر جاری ہے۔

ان واقعات پر جو شخص غور کرے اس کے ذہن سے ایک خدا کی عظمت کے سوا دوسری تمام عظمتیں حذف ہو جائیں گی۔ وہ خدا کا شکرگزار بندہ بن جائے گا۔ مگر بہت کم لوگ ہیں جو گہرائی کے ساتھ غور کریں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت کم لوگ ہیں جو حمد اور شکر والے نہیں۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ڛ بَلْ هُمْ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ
ع ۱۱ ۱۴ كٰفِرُوْنَ ۝۱۰ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝۱۱
وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا
نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۝۱۲ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ

الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ
لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور انھوں نے کہا کہ کیا جب ہم زمین میں گم ہو جائیں گے تو ہم پھر نئے سرے سے پیدا کئے جائیں گے ۔ بلکہ وہ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔ کہو کہ موت کا فرشتہ تمہاری جان قبض کرتا ہے جو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔ پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے ۔ اور کاش تم دیکھو جب کہ یہ مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوں گے ۔ اے ہمارے رب ، ہم نے دیکھ لیا اور ہم نے سن لیا تو ہم کو واپس بھیج دے کہ ہم نیک کام کریں ۔ ہم یقین کرنے والے بن گئے ۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو اس کی ہدایت دے دیتے۔ لیکن میری بات ثابت ہو چکی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سے بھر دوں گا۔ تو اب مزہ چکھو اس بات کا کہ تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا۔ ہم نے بھی تم کو بھلا دیا۔ اور اپنے کئے کی بدولت ہمیشہ کا عذاب چکھو ۔ ۱۴ — ۱۰

---

انسان کی تخلیقِ اول اس کی تخلیقِ ثانی کے معاملہ کو سمجھنے کے لئے بالکل کافی ہے۔ مگر جب خدا کے سامنے جواب دہی کا یقین نہ ہو تو آدمی تخلیقِ ثانی کا مذاق اڑاتا ہے، وہ غیر سنجیدہ طور پر مختلف باتیں کرتا ہے۔

مگر یہ جسارت صرف اس وقت تک ہے جب تک آدمی کی امتحانی آزادی کی مدت ختم نہ ہوئی ہو۔ جب یہ مدت ختم ہوگی اور آدمی مر کر خدائے ذوالجلال کے سامنے حساب کے لئے کھڑا ہوگا تو اس کے سارے الفاظ گم ہو جائیں گے۔ اس وقت سرکش لوگ کہیں گے کہ ہم نے مان لیا۔ ہم کو دوبارہ زمین میں بھیج دیجئے تاکہ ہم نیک عمل کریں۔ مگر ان کا یہ ماننا بے فائدہ ہوگا۔ خدا کو اگر اس طرح منوانا ہوتا تو وہ دنیا ہی میں لوگوں کو ماننے کے لئے مجبور کر دیتا۔

خدا کے یہاں اس اعتراف کی قیمت ہے جو بغیر دیکھے کیا گیا ہو۔ دیکھنے کے بعد جو اعتراف کیا جائے اس کی کوئی قیمت نہیں۔

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ
هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ
طَمَعًا ۡ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾

ہماری آیتوں پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو ان کے ذریعہ سے یاددہانی کی جاتی ہے تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں۔ اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں۔ وہ اپنے رب کو پکارتے ہیں ڈر سے اور امید سے۔ اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ تو کسی کو خبر نہیں کہ ان لوگوں کے لئے ان کے اعمال کے صلہ میں آنکھوں کی کیا ٹھنڈک چھپا رکھی گئی ہے۔　۱۵-۱۷

---

ہدایت کے سلسلہ میں سب سے اہم چیز مادۂ اعتراف ہے۔ ہدایت صرف ان لوگوں کو ملتی ہے جن کے اندر یہ مزاج ہو کہ جب سچائی ان کے سامنے آئے تو وہ فوراً اس کو مان لیں۔ خواہ سچائی بظاہر ایک چھوٹے آدمی کے ذریعہ سامنے آئی ہو، خواہ اس کو ماننا اپنے آپ کو غلط قرار دینے کے ہم معنی ہو، خواہ اس کو مان کر اپنی زندگی کا نقشہ درہم برہم ہوتا ہوا نظر آئے۔ جن لوگوں کے اندر یہ حوصلہ ہو وہی سچائی کو پاتے ہیں۔ جو لوگ یہ چاہیں کہ وہ سچائی کو اس طرح مانیں کہ ان کی بڑائی بدستور قائم رہے ایسے لوگوں کو سچائی کبھی نہیں ملتی۔

جو آدمی حق کی خاطر اپنی بڑائی کو کھو دے وہ سب سے بڑی چیز کو پا لیتا ہے اور وہ خدا کی بڑائی ہے اس کی زندگی میں خدا اس طرح شامل ہو جاتا ہے کہ وہ اس کی یادوں کے ساتھ سوئے اور وہ اس کی یادوں کے ساتھ جاگے۔ اس کے خوف اور امید کے جذبات تمام تر خدا کے ساتھ وابستہ ہو جائیں۔ وہ اپنا اثاثہ اس طرح خدا کے حوالے کر دیتا ہے کہ اس میں سے کچھ بچا کر نہیں رکھتا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی آنکھیں جنت کے ابدی باغوں میں ٹھنڈی ہوں گی۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۭ لَا يَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۡ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا
فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا
عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ
الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ

عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع ۱۵

تو کیا جو مومن ہے وہ اس شخص جیسا ہوگا جو نافرمان ہے۔ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے تو ان کے لئے جنت کی قیام گاہیں ہیں، ضیافت ان کاموں کی وجہ سے جو وہ کرتے تھے۔ اور جن لوگوں نے نافرمانی کی تو ان کا ٹھکانا آگ ہے، وہ لوگ جب اس سے نکلنا چاہیں گے تو پھر اسی میں دھکیل دئے جائیں گے۔ اور ان سے کہا جائے گا کہ آگ کا عذاب چکھو جس کو تم جھٹلاتے تھے۔ اور ہم ان کو بڑے عذاب سے پہلے قریب کا عذاب چکھائیں گے شاید کہ وہ باز آجائیں۔ اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جس کو اس کے رب کی آیتوں کے ذریعہ نصیحت کی جائے۔ پھر وہ ان سے اعراض کرے۔ ہم ایسے مجرموں سے ضرور بدلہ لیں گے۔ ۱۸-۲۲

---

مومن وہ ہے جو خدائی سچائی کا اعتراف کرے۔ اور فاسق وہ ہے جس کے سامنے سچائی آئے تو وہ اپنی ذات کے تحفظ کی خاطر اس کا انکار کر دے۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے بالکل مختلف کردار ہیں اور دو مختلف کردار کا انجام ایک جیسا نہیں ہو سکتا۔

موجودہ دنیا میں جو شخص سچائی کا اعتراف کرتا ہے وہ اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ وہ سچائی کو سب سے بڑی چیز سمجھتا ہے۔ ایسا شخص آخرت میں بڑا بنایا جائے گا۔ اس کے برعکس جو شخص سچائی کو نظر انداز کرے اس نے اپنی ذات کو بڑا سمجھا۔ ایسا شخص آخرت کی حقیقی دنیا میں چھوٹا کر دیا جائے گا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی۔ تو تم اس کے ملنے میں کچھ شک نہ کرو۔ اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا۔ اور ہم نے ان میں پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے۔ جب کہ انھوں نے

صبر کیا۔ اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔ بے شک تیرا رب قیامت کے دن ان کے درمیان ان امور میں فیصلہ کر دے گا جن میں وہ باہم اختلاف کرتے تھے۔ کیا ان کے لئے یہ چیز ہدایت دینے والی نہ بنی کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا۔ جن کی بستیوں میں یہ لوگ آتے جاتے ہیں۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں، کیا یہ لوگ سنتے نہیں۔ ٢٦-٢٣

---

خدا کی کتاب کسی گروہ کو ملنا اس کو امامت عالم کی کنجی عطا کرنا ہے۔ مگر امامت عالم کا مقام کسی گروہ کو اس وقت ملتا ہے جب کہ وہ صبر کا ثبوت دے۔ لما صبروا کی تفسیر لما صبروا عن الدنیا سے کی گئی ہے (تفسیر ابن کثیر، الجزء الثالث، صفحہ ٤٦٣) یعنی پیشوائی کا مقام انھیں اس وقت ملا جب کہ انھوں نے دنیا سے صبر کیا۔

لوگ اسی شخص یا گروہ کو اپنا امام تسلیم کرتے ہیں جو انھیں اپنے سے بلند دکھائی دے۔ جو اس وقت اصول کے لئے جئے جب کہ لوگ مفاد کے لئے جیتے ہیں۔ جو اس وقت انصاف کی حمایت کرے جب کہ لوگ قوم کی حمایت کرنے لگتے ہیں۔ جو اس وقت برداشت کرے جب کہ لوگ انتقام لیتے ہیں۔ جو اس وقت اپنے کو محرومی پر راضی کر لے جب کہ لوگ پانے کے لئے دوڑتے ہیں۔ جو اس وقت حق کے لئے قربان ہو جائے جب کہ لوگ صرف اپنی ذات کے لئے قربان ہونا جانتے ہیں۔ یہی صبر ہے اور جو لوگ اس صبر کا ثبوت دیں وہی قوموں کے امام بنتے ہیں۔

دین میں نئی نئی تشریح و تعبیر نکال کر جو لوگ اختلافات کھڑے کرتے ہیں وہ اپنے لئے یہ خطرہ مول لے رہے ہیں کہ آخر کار خدا ان کی بات کو رد کر دے اور اس کے بعد ابدی ذلت کے سوا اور کچھ ان کے حصہ میں نہ آئے ــــــ آدمی اکثر حالات میں سبق نہیں لیتا، یہاں تک کہ جو کچھ دوسروں پر گزرا وہی اس پر بھی نہ گزر جائے۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ
النصف وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا یُبْصِرُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿٢٨﴾ قُلْ
یَوْمَ الْفَتْحِ لَا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِیْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿٢٩﴾ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ
وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿٣٠﴾ ع ٣ ١٦

کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم پانی کو چٹیل زمین کی طرف ہانک کر لے جاتے ہیں۔ پھر ہم اس سے کھیتی نکالتے ہیں

جس سے ان کے چوپائے کھاتے ہیں اور وہ خود بھی۔ پھر کیا وہ دیکھتے نہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ فیصلہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو۔ کہو کہ فیصلہ کے دن ان لوگوں کا ایمان نفع نہ دے گا جنھوں نے انکار کیا۔ اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔ تو ان سے اعراض کرو اور منتظر رہو، یہ بھی منتظر ہیں۔ ۳۰-۲۷

---

قدیم مکہ میں مشرکین ہر اعتبار سے غالب اور سربلند تھے اور اسلام ہر اعتبار سے پست اور مغلوب ہو رہا تھا۔ چنانچہ مشرکین اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعہ دیا۔ فرمایا، کیا تم خدا کی اس قدرت کو نہیں دیکھتے کہ ایک زمین بالکل خشک اور چٹیل پڑی ہوتی ہے۔ بظاہر یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ کبھی سرسبز وشاداب ہوسکے گی۔ مگر اس کے بعد خدا بادلوں کو لا کر اس کے اوپر بارش برساتا ہے تو چند دن میں یہ حال ہو جاتا ہے کہ جہاں خاک اڑ رہی تھی وہاں سبزہ لہلہانے لگتا ہے۔ خدا کی یہی قدرت یہ بھی کر سکتی ہے کہ اسلام کو اس طرح فروغ دے کہ وہی وقت کا غالب فکر بن جائے۔

---

سُورَةُ الْأَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ ... بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ... ثَلٰثٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۙ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اے نبی، اللہ سے ڈرو اور کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کرو، بے شک اللہ جاننے والا، حکمت والا ہے۔ اور پیروی کرو اس چیز کی جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر وحی کی جارہی ہے، بے شک اللہ باخبر ہے اس سے جو تم لوگ کرتے ہو۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھو، اور اللہ کارساز ہونے کے لئے کافی ہے۔

۱-۳

---

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم بے آمیز حق کے داعی تھے۔ اس دنیا میں جو شخص بے آمیز حق کا داعی بن کر اٹھے اس کو نہایت حوصلہ شکن حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ پورے ماحول میں اجنبی بن کر رہ جاتا ہے۔ کسی کا دنیا پرستانہ مذہب داعی کے آخرت پسندانہ دین سے جوڑ نہیں کھاتا۔ کسی کی زمانہ سازی

داعی کی بے لاگ حق پرستی سے ٹکراتی ہے۔ کوئی دین کو اپنی قوم پرستی کا ضمیمہ بناتے ہوئے ہوتا ہے، جب کہ داعی کا مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ دین کو خالص خدا پرستی کی بنیاد پر قائم کیا جائے۔

ایسی حالت میں داعی اگر ماحول کا دباؤ قبول کر لے تو بہت سے لوگ اس کا ساتھ دینے والے مل جائیں گے۔ اور اگر وہ خالص حق پر قائم رہے تو ایک خدا کے سوا کوئی اور اس کا سہارا نظر نہیں آتا۔ مگر داعی کو کسی حال میں پہلا راستہ نہیں اختیار کرنا ہے۔ اس کو اللہ کے بھروسہ پر خالص حق پر قائم رہنا ہے۔ اور یہ امید رکھنا ہے کہ خدا حکیم اور علیم ہے، وہ ضرور اپنے بندے کی مدد فرمائے گا۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

اللہ نے کسی آدمی کے سینے میں دو دل نہیں رکھے، اور نہ تمہاری بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری ماں بنایا اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا بیٹا بنا دیا۔ یہ سب تمہارے اپنے منہ کی باتیں ہیں۔ اور اللہ حق بات کہتا ہے اور وہ سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے۔ پھر اگر تم ان کے باپ کو نہ جانو تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور تمہارے رفیق ہیں۔ اور جس چیز میں تم سے بھول چوک ہو جائے تو اس کا تم پر کچھ گناہ نہیں مگر جو تم دل سے ارادہ کر کے کرو۔ اور اللہ معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ ۵-۴

---

آدمی کے سینے میں دو دل نہ ہونا ثابت کرتا ہے کہ تضاد فکری خدا کے تخلیقی منصوبہ کے خلاف ہے۔ جب انسان کو ایک دل دیا گیا ہے تو اس کی سوچ بھی ایک ہونا چاہئے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی دل میں بیک وقت اخلاص بھی ہو اور نفاق بھی، خدا پرستی بھی ہو اور زمانہ پرستی بھی، انصاف بھی ہو اور ظلم بھی، گھمنڈ بھی ہو اور تواضع بھی۔ آدمی دونوں میں سے کوئی ایک ہی ہو سکتا ہے اور اس کو ایک ہی ہونا

چاہئے۔

یہ ایک اصولی بات ہے۔ اسی کے تحت زمانۂ جاہلیت کی رسمیں مثلاً ظہار و تبنیت آتی ہیں۔ عرب جاہلیت کا ایک رواجی قانون یہ تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہہ دے کہ اَنتِ علیّ کظھر اُمّی (تو میرے اوپر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے)، تو اس کی بیوی اس کے اوپر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی تھی جس طرح کسی کی ماں اس کے لئے حرام ہوتی ہے۔ اس کو ظہار کہتے ہیں۔ اسی طرح متبنّٰی (منھ بولے بیٹے) کے معاملہ میں بھی ان کا عقیدہ تھا کہ وہ بالکل صُلبی بیٹے کی طرح ہو جاتا ہے۔ اس کو ہر معاملہ میں وہی درجہ دے دیا گیا تھا جو حقیقی اولاد کا ہوتا ہے۔ قرآن نے اس رواج کو بالکل ختم کر دیا۔ قرآن میں اعلان کیا گیا کہ یہ تخلیقی نظام کے سراسر خلاف ہے کہ حقیقی ماں اور زبان سے کہی ہوئی ماں یا حقیقی بیٹا اور منھ بولا بیٹا دونوں کی حیثیت بالکل ایک ہو جائے۔

آدمی اگر بے خبری میں کوئی غلطی کرے تو وہ خدا کے یہاں قابل معافی ہے۔ مگر جب کسی معاملہ کی حقیقت پوری طرح واضح ہو جائے، اس کے باوجود آدمی اپنی غلط روش کو نہ چھوڑے تو اس کے بعد وہ قابل معافی نہیں رہتا۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗۤ اُمَّہٰتُہُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُہُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُہٰجِرِیْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤی اَوْلِیٰٓئِکُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ کَانَ ذٰلِکَ فِی الْکِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝

اور نبی کا حق مومنوں پر ان کی اپنی جان سے بھی زیادہ ہے، اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔ اور رشتہ دار خدا کی کتاب میں، دوسرے مومنین اور مہاجرین کی بہ نسبت، ایک دوسرے سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔ مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے کچھ سلوک کرنا چاہو۔ یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ ۶

---

پیغمبر اپنی زندگی میں ذاتی طور پر اور وفات کے بعد اصولی طور پر اہل ایمان کے لئے سب سے زیادہ مقدم حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پیغمبر دنیا میں خدا کا نمائندہ ہوتا ہے۔ پیغمبر کی تعلیمات کی عظمت کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کا وجود لوگوں کی نظر میں مقدس وجود ہو۔ حتی کہ اس کی بیویاں بھی لوگوں کے لئے ماؤں کی طرح قابل احترام قرار پائیں۔ پیغمبر اور آپ کی ازواج کے بعد امت کے بقیہ لوگوں کے تعلقات کی اساس یہ ہے کہ رحمی رشتے رکھنے والے الاقرب فالاقرب کے اصول پر ایک دوسرے

کے حقدار ٹھہریں گے۔ دینی ضرورت کے تحت وقتی طور پر غیر رشتہ داروں میں حقوق کی شرکت قائم کی جاسکتی ہے۔ جیساکہ ہجرت کے بعد ابتدائی زمانہ میں مدینہ میں کیا گیا۔ مگر مستقل معاشرتی انتظام کے اعتبار سے حقیقی رشتہ دار ہی اولیٰ اور اقرب ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۖ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ۝ لِيَسْأَلَ الصَّادِقِينَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَأَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

اور جب ہم نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا اور تم سے اور نوح سے اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے۔ اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا۔ تاکہ اللہ سچے لوگوں سے ان کی سچائی کے بارے میں سوال کرے، اور منکروں کے لئے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ۸-۷

---

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس منصوبہ کے تحت پیدا کیا ہے وہ امتحان ہے۔ یعنی موجودہ دنیا میں ہر قسم کے اسباب حیات دے کر اس کو آزادانہ ماحول میں رکھنا اور پھر ہر ایک کے عمل کے مطابق اس کو ابدی انعام یا ابدی سزا دینا۔

زندگی کی یہ امتحانی نوعیت لازماً یہ چاہتی ہے کہ آدمی کو اصل صورت حال سے پوری طرح باخبر کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیغمبری کا سلسلہ قائم فرمایا۔ پیغمبری کوئی لاؤڈ اسپیکر کا اعلان نہیں ہے۔ یہ ایک بے حد صبر آزما کام ہے۔ اس لئے تمام پیغمبروں سے نہایت اہتمام کے ساتھ یہ عہد لیا گیا کہ وہ پیغام رسانی کے اس نازک کام کو اس کے تمام آداب اور تقاضوں کے ساتھ انجام دیں گے۔ اور اس میں ہرگز کوئی ادنیٰ کوتاہی نہ کریں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝ إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ

بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ﴿۱۰﴾ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿۱۱﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد کرو، جب تم پر فوجیں چڑھ آئیں تو ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور ایسی فوج جو تم کو دکھائی نہ دیتی تھی۔ اور اللہ دیکھنے والا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ جب کہ وہ تم پر چڑھ آئے، تمہارے اوپر کی طرف سے اور تمہارے نیچے کی طرف سے۔ اور جب آنکھیں کھل گئیں اور دل گلوں تک پہنچ گئے اور تم اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس وقت ایمان والے امتحان میں ڈالے گئے اور بالکل ہلا دئے گئے۔ ۱۱ - ۹

---

غزوۂ احزاب (۵ھ) عرب قبائل اور یہود کی طرف سے مدینہ پر مشترک حملہ تھا۔ اس میں حملہ آوروں کی تعداد تقریباً ۱۲ ہزار تھی۔ مسلمان اس عظیم فوج سے لڑنے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی تدبیروں کے ذریعہ دشمنوں کو اس قدر خوف زدہ کیا کہ تقریباً ایک مہینہ کے محاصرہ کے بعد وہ خود مدینہ کو چھوڑ کر چلے گئے۔

اس طرح کے سخت حالات اسلامی دعوت کے ساتھ اس لئے پیش آتے ہیں کہ مسلمانوں کے گروہ سے مخلصین اور غیر مخلصین کو الگ کر دیں۔ اور دوسرے یہ کہ دشمن طاقتوں کو دکھا دیں کہ خدا اپنے دین کا خود حامی ہے۔ وہ کسی حال میں اس کو مغلوب ہونے نہیں دے گا۔

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا
غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ
وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ
اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا
الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ
مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ
الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ
مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْۗءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۭ

وَ لَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾

اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے، کہتے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے جو وعدہ ہم سے کیا تھا وہ صرف فریب تھا۔ اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ اے یثرب والو، تمہارے لئے ٹھہرنے کا موقع نہیں، تو تم لوٹ چلو۔ اور ان میں سے ایک گروہ پیغمبر سے اجازت مانگتا تھا، وہ کہتا تھا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، اور وہ غیر محفوظ نہیں۔ وہ صرف بھاگنا چاہتے تھے۔ اور اگر مدینہ کے اطراف سے ان پر کوئی گھس آتا اور ان کو فتنہ کی دعوت دیتا تو وہ مان لیتے اور وہ اس میں بہت کم دیر کرتے۔ اور انھوں نے اس سے پہلے اللہ سے عہد کیا تھا کہ وہ پیٹھ نہ پھیریں گے۔ اور اللہ سے کئے ہوئے عہد کی پوچھ ہوگی۔ کہو کہ اگر تم موت سے یا قتل سے بھاگو تو یہ بھاگنا تمہارے کچھ کام نہ آئے گا۔ اور اس حالت میں تم کو صرف تھوڑے دنوں فائدہ اٹھانے کا موقع ملے گا۔ کہو، کون ہے جو تم کو اللہ سے بچائے اگر وہ تم کو نقصان پہنچانا چاہے، یا وہ تم پر رحمت کرنا چاہے۔ اور وہ اپنے لئے اللہ کے مقابلہ میں کوئی حمایتی اور مددگار نہ پائیں گے۔

۱۲ - ۱۷

---

غزوۂ احزاب میں خطرات کا طوفان دیکھ کر منافق قسم کے لوگ گھبرا اٹھے اور بھاگنے کی راہیں تلاش کرنے لگے۔ مگر جو سچے اہل ایمان تھے وہ اللہ کے اعتماد پر قائم رہے۔ وہ جانتے تھے کہ آگے بھی خدا ہے اور پیچھے بھی خدا ہے۔ اسلام دشمنوں کے خطرہ سے بھاگنا اپنے آپ کو خدا کے خطرہ میں ڈالنا ہے جو کہ اس سے زیادہ سخت ہے۔ انھیں یقین تھا کہ اگر ہم دشمنوں کے مقابلے میں جمے رہے تو اللہ کی مدد ہم کو حاصل ہوگی اور اگر ہم اسلام کے محاذ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں تو آخر کار دنیا میں بھی اپنے آپ کو ہلاکت سے بچا نہیں سکتے اور آخرت میں خدا کی ہولناک پکڑ اس کے علاوہ ہے۔

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَ لَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚۖ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۭ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ

يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِى الْاَعْرَابِ
يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ۖ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ۝٢٠ ع ۱۸

اللہ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا ہے جو تم میں سے روکنے والے ہیں اور جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آجاؤ۔ اور وہ لڑائی میں کم ہی آتے ہیں۔ وہ تم سے بخل کرتے ہیں۔ پس جب خوف پیش آتا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ وہ تمہاری طرف اس طرح دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں اس شخص کی آنکھوں کی طرح گردش کر رہی ہیں جس پر موت کی بے ہوشی طاری ہو۔ پھر جب خطرہ دور ہو جاتا ہے تو وہ مال کی حرص میں تم سے تیز زبانی کے ساتھ ملتے ہیں۔ یہ لوگ یقین نہیں لائے تو اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دئے۔ اور یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ فوجیں ابھی گئی نہیں ہیں۔ اور اگر فوجیں آجائیں تو یہ لوگ یہی پسند کریں کہ کاش ہم بدؤوں کے ساتھ دیہات میں ہوں، تمہاری خبریں پوچھتے رہیں۔ اور اگر وہ تمہارے ساتھ ہوتے تو لڑائی میں کم ہی حصہ لیتے۔ ۲۰-۱۸

---

ایک آدمی وہ ہے جو قربانی کے وقت پیچھے رہ جائے تو اس پر شرمندگی طاری ہوتی ہے۔ اس کا بولنا بند ہو جاتا ہے۔ دوسرا شخص وہ ہے جو قربانی کے وقت قربانی نہیں دیتا۔ اور پھر دوسروں کو بھی اس سے روکتا ہے۔ یہ کوتاہی پر ڈھٹائی کا اضافہ ہے۔ کوتاہی قابل معافی ہو سکتی ہے مگر ڈھٹائی قابلِ معافی نہیں۔

جن لوگوں کے اندر ڈھٹائی کی نفسیات ہو وہ بظاہر کوئی اچھا عمل کریں تب بھی وہ بے قیمت ہیں۔ کیونکہ عمل کی اصل روح اخلاص ہے اور وہی ان کے اندر موجود نہیں۔

دین کے لئے قربانی نہ دینا ہمیشہ دنیا کی محبت میں ہوتا ہے۔ آدمی اپنی دنیا کو بچانے کے لئے اپنے دین کو کھو دیتا ہے۔ اس لئے ایسے لوگ جہاں دیکھتے ہیں کہ دین میں دنیا کا فائدہ بھی جمع ہو گیا ہے تو وہاں وہ خوب اپنے بولنے کا کمال دکھاتے ہیں، تاکہ دین کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعلق ظاہر کر کے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کر سکیں۔ مگر جہاں دین کا مطلب قربانی ہو وہاں دین دار بننے سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ

الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿٢١﴾ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا
اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿٢٢﴾
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى
نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿٢٣﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ
بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٢٤﴾ ۚ

تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ تھا، اس شخص کے لئے جو اللہ کا اور آخرت کے دن کا امید وار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔ اور جب ایمان والوں نے فوجوں کو دیکھا، وہ بولے یہ وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا۔ اور اس نے ان کے ایمان اور اطاعت میں اضافہ کر دیا۔ ایمان والوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کر دکھایا۔ پس ان میں سے کوئی اپنا ذمہ پورا کر چکا اور ان میں سے کوئی منتظر ہے۔ اور انھوں نے ذرا بھی تبدیلی نہیں کی۔ تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے اور منافقوں کو عذاب دے اگر چاہے یا ان کی توبہ قبول کرے۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ۲۴ - ۲۱

---

رسول اور اصحاب رسول کی زندگیاں قیامت تک کے اہل ایمان کے لئے خدا پرستانہ زندگی کا نمونہ ہیں، اس بات کا نمونہ کہ اللہ اور آخرت کی امیدواری کے معنی کیا ہیں۔ اللہ کو یاد کرنے کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ مشکل حالات میں ثابت قدمی کسے کہتے ہیں۔ خدا کے وعدوں پر بھروسہ کس طرح کیا جاتا ہے۔ اضافہ پذیر ایمان کیا ہے اور وہ کیوں کر حاصل ہوتا ہے۔ خدا سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرنے کا طریقہ کیا ہے۔

رسول اور اصحاب رسول نے ان چیزوں کا آخری نمونہ قائم کر دیا۔ شدید ترین حالات میں بھی انھوں نے کوئی کمزوری نہیں دکھائی۔ انھوں نے ہر معاملہ میں اسلامی فکر اور اسلامی کردار کا کامل ثبوت دیا۔ امتحان کا لمحہ آنے سے پہلے بھی وہ حق پر قائم تھے اور امتحان کا لمحہ آنے کے بعد بھی وہ حق پر قائم رہے۔

پھر رسول اور اصحاب رسول کی زندگیاں ہی اس بات کا نمونہ بھی ہیں کہ خدا کے یہاں کسی کا فیصلہ امتحان کے بغیر نہیں کیا جاتا۔ خدا کا طریقہ یہ ہے کہ وہ شدید حالات پیدا کرتا ہے تاکہ سچے اہل ایمان اور جھوٹے دعویدار ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں۔ اس خدائی قانون میں نہ پہلے کسی کا استثنار تھا اور نہ آئندہ کسی کا استثنار ہوگا۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ
وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ
صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾
وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي
ع ۳ ۱۹ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾

اور اللہ نے منکروں کو ان کے غصہ کے ساتھ پھیر دیا کہ ان کی کچھ بھی مراد پوری نہ ہوئی اور مومنین کی طرف سے اللہ لڑنے کے لئے کافی ہوگیا۔ اللہ قوت والا زبردست ہے۔ اور اللہ نے ان اہل کتاب کو جنھوں نے حملہ آوروں کا ساتھ دیا ان کے قلعوں سے اتارا۔ اور ان کے دلوں میں اس نے رعب ڈال دیا، تم ان کے ایک گروہ کو قتل کر رہے ہو اور ایک گروہ کو قید کر رہے ہو۔ اور اس نے ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا تم کو وارث بنا دیا۔ اور ایسی زمین کا بھی جس پر تم نے قدم نہیں رکھا۔ اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ ۲۵ - ۲۷

---

غزوۂ خندق (احزاب) میں حالات بے حد سخت تھے۔ مگر اس میں باقاعدہ جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کا طوفان اور فرشتوں کا لشکر بھیج کر دشمنوں کو اس طرح سراسیمہ کیا کہ وہ خود ہی میدان چھوڑ کر چلے گئے۔

مدینہ کے یہود (بنو قریظہ) کا مسلمانوں سے صلح اور امن کا معاہدہ تھا۔ مگر جنگ احزاب کے موقع پر انھوں نے غداری کی۔ وہ معاہدہ کو توڑ کر مشرکین کے ساتھی بن گئے۔ جب حملہ آوروں کا لشکر مدینہ سے واپس چلا گیا تو اللہ کے حکم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کی بستیوں پر چڑھائی کی۔ اسلامی فوج نے ان کے قلعوں کو گھیر لیا۔ ۲۵ دن تک محاصرہ جاری رہا۔ آخر میں خود ان کی درخواست پر سعد

بن معاذ حکم مقرر ہوئے۔ حضرت سعد بن معاذ نے وہی فیصلہ کیا جو خود ان کی کتاب تورات میں ایسے مجرمین کے لئے مقرر ہے۔ یعنی بنو قریظہ کے سب جوان قتل کر دئے جائیں۔ عورتیں اور لڑکے قیدِ غلامی میں لے لئے جائیں۔ اور ان کے مال اور جائداد کو ضبط کر لیا جائے (استثناء ۲۰ : ۱۰ - ۱۴)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ
اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ
الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ
مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ
عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

اے نبی، اپنی بیویوں سے کہو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ، میں تم کو کچھ مال و متاع دے کر خوبی کے ساتھ رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو تو اللہ نے تم میں سے نیک کرداروں کے لئے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔ اے نبی کی بیویو، تم میں سے جو کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کرے گی، اس کو دوہرا عذاب دیا جائے گا۔ اور یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔ ۲۸ - ۳۰

---

ہجرت نے مسلمانوں کی معاشیات کو درہم برہم کر دیا تھا۔ مزید یہ کہ ہجرت کے بعد اسلام دشمنوں نے مسلمانوں کو مسلسل جنگ میں الجھا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی معاشی حالت بالکل برباد ہو کر رہ گئی۔

اس کا سب سے زیادہ اثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑا۔ آپ کے گھر والوں کا حال یہ ہوا کہ ناگزیر ضرورت کی فراہمی بھی مشکل ہو گئی۔ یہاں تک کہ آپ کی ازواج نے تنگ آکر آپ سے نفقہ (خرچ) کا مطالبہ شروع کر دیا۔

ازواج کی طرف سے صرف ضروری خرچ کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اس کو اللہ نے زینتِ دنیا کے مطالبہ سے تعبیر فرمایا۔ یہ دراصل شدتِ اظہار ہے۔ اسی طرح "بے حیائی" کا لفظ بھی یہاں شدتِ اظہار کے لئے آیا ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم تاریخ کے ایک اہم ترین مشن کی تکمیل پر مامور تھے۔ یعنی دورِ شرک کا خاتمہ اور دورِ توحید کا قیام۔ ایسی حالت میں کسی بھی دوسری چیز کو اہمیت دینا آپ کے لئے ممکن نہ تھا۔ اس

لئے ازواج رسول سے فرمایا گیا کہ یا تو صبر اور قناعت کے ساتھ رسول کے ساتھ رہو۔ اور اگر یہ منظور نہیں ہے تو خوش اسلوبی کے ساتھ الگ ہو جاؤ۔ خانگی نزاع کھڑی کر کے پیغمبر کے ذہن کو منتشر کرنا کسی طرح بھی قابل برداشت نہیں۔

الثانی والعشرون ۲۲

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ
وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ
فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾

اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گی اور نیک عمل کرے گی تو ہم اس کو اس کا دہرا اجر دیں گے۔ اور ہم نے اس کے لئے باعزت روزی تیار کر رکھی ہے۔ اے نبی کی بیویو، تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم اللہ سے ڈرو تو تم لہجہ میں نرمی نہ اختیار کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہے وہ لالچ میں پڑ جائے اور معروف کے مطابق بات کہو۔ ۳۲ - ۳۱

---

پیغمبر کی بیویوں کو معاشرہ میں ایک طرح کا قائدانہ مقام حاصل تھا۔ ایسے لوگوں کو حق کے آگے جھکنے کے لئے اس سے زیادہ قربانی دینی پڑتی ہے جتنی ایک عام آدمی کو دینی پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ نے دہرا انعام کا وعدہ فرمایا ہے۔ وہ عمل کرنے کے لئے دوسروں سے زیادہ قوت ارادی استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے وہ اپنے عمل کی قیمت بھی دوسروں سے زیادہ پاتے ہیں۔

پیغمبر کی عورتوں کی اسی خصوصیت کی وجہ سے ان کا ربط بار بار دوسروں سے قائم ہوتا تھا۔ لوگ دینی امور میں رہنمائی کے لئے ان کے پاس آتے تھے۔ اس لئے حکم دیا گیا کہ دوسروں سے بات کرو تو کسی قدر خشک انداز سے بات کرو۔ اس طرح بے تکلف انداز میں بات نہ کرو جس طرح ایک محرم رشتہ دار سے بات کی جاتی ہے۔

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ
الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ
عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ

ع ۴
بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾

اور تم اپنے گھر میں قرار سے رہو اور سابقہ جاہلیت کی طرح دکھلائی نہ پھرو۔ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اللہ تو چاہتا ہے کہ تم اہل بیت سے آلودگی کو دور کرے اور تم کو پوری طرح پاک کردے۔ اور تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات اور حکمت کی جو تعلیم ہوتی ہے اس کو یاد رکھو۔ بے شک اللہ باریک بیں ہے خبر رکھنے والا ہے۔ ۳۴ - ۳۲

---

یہاں ازواج رسول کو خطاب کرتے ہوئے مسلم خواتین کو عام ہدایت دی گئی ہے کہ وہ اپنے گھروں میں کس طرح رہیں۔ ان کو اصولاً اپنے گھر کے دائرہ میں رہنا چاہئے۔ دنیا دار عورتوں کی طرح زیب وزینت کی نمائش ان کا مقصود نہیں ہونا چاہئے۔ ان کی توجہات کا مرکز یہ ہونا چاہئے کہ وہ اللہ کی عبادت گزار بن جائیں۔ وہ اپنے اثاثہ کو اللہ کے لئے خرچ کریں۔ زندگی کے معاملات میں اللہ اور رسول کا جو حکم ملے اس کو فوراً اختیار کرلیں۔ وہ اللہ اور رسول کی باتوں کو سننے اور سمجھنے میں اپنا وقت گزاریں۔

یہ طرز زندگی وہ ہے جو آدمی کو پاک باز بناتا ہے۔ اور پاک باز آدمی ہی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ
وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ
وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ
فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ
مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾

بے شک اطاعت کرنے والے مرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں۔ اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں۔ اور فرماں برداری کرنے والے مرد اور فرماں برداری کرنے والی عورتیں۔ اور راستباز مرد اور راستباز عورتیں۔ اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں۔ اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں۔ اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں۔ اور روزہ رکھنے والے

مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں۔ اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں۔ اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں ــــ ان کے لئے اللہ نے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔ ۳۵

---

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک مرد یا ایک عورت کو جیسا دیکھنا چاہتا ہے وہ کیا ہے۔ وہ حسب ذیل دس صفات ہیں ــــ اسلام، ایمان، قنوت، صدق، صبر، خشوع، صدقہ، روزہ عفت، ذکر اللہ۔

ان دس الفاظ میں اسلامی عقیدہ اور اسلامی کردار کے تمام پہلو سمٹ آئے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو اللہ کے یہاں مغفرت اور انعام کا امیدوار ہو اس کو ایسا بننا چاہئے کہ وہ اللہ کے حکم کے آگے جھکنے والا ہو۔ وہ اللہ پر یقین کرنے والا ہو۔ وہ اپنے پورے وجود کے ساتھ اللہ کے لئے یکسو ہو جائے۔ اس کی زندگی قول اور فعل کے تضاد سے خالی ہو۔ وہ ہر حال میں جما رہنے والا ہو۔ اللہ کی بڑائی کے احساس نے اسے متواضع بنا دیا ہو۔ وہ دوسروں کی ضرورت پوری کرنے کو بھی اپنی ذمہ داری شمار کرتا ہو۔ وہ روزہ دار ہو جو نفس کو کنٹرول کرنے کی تربیت ہے۔ وہ شہوانی خواہشات کے مقابلہ میں عفیف اور پاک دامن ہو۔ اس کے صبح و شام اللہ کی یاد میں بسر ہونے لگیں۔

یہ اوصاف جس طرح مردوں سے مطلوب ہیں اسی طرح وہ عورتوں سے بھی مطلوب ہیں۔ ان اوصاف کے اظہار کا دائرہ بعض اعتبار سے دونوں کے درمیان مختلف ہے۔ مگر جہاں تک خود اوصاف کا تعلق ہے وہ دونوں کے لئے یکساں ہے۔ کوئی عورت ہو یا کوئی مرد وہ اسی وقت خدا کے یہاں قابل قبول ٹھہرے گا جب کہ وہ ان دس صفتوں سے متصف ہو کر خدا کے یہاں پہنچے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝

کسی مومن مرد یا کسی مومن عورت کے لئے گنجائش نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دیں تو پھر ان کے لئے اس میں اختیار باقی رہے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی

کرے گا تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔ ۳۶

انسان کو خود مختار پیدا کیا گیا ہے۔ اس خود مختاری کو اسے خدا کے حوالے کرنا ہے۔ یہی موجودہ دنیا میں انسان کا اصل امتحان ہے۔ وہی شخص ہدایت پر ہے جو اس نازک امتحان میں پورا اترے۔

اس کی ایک مثال دور اول میں زید اور زینب کے نکاح کا واقعہ ہے۔ زید ایک آزاد کردہ غلام تھے۔ اس کے برعکس زینب قریش کے اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ کیونکہ وہ امیمہ بنت عبد المطلب کی صاحبزادی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کا نکاح زینب سے کرنا چاہا تو زینب کے گھر والے اس کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ خود زینب نے کہا کہ انا خیر منہ نسباً (میں نسب میں زید سے بہتر ہوں) مگر جب ان لوگوں کو قرآن کی مذکورہ آیت سنائی گئی تو وہ لوگ فوراً راضی ہو گئے۔ ۳ھ میں ان کا نکاح کر دیا گیا۔

یہی اسلام کا مزاج ہے اور یہی مزاج ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت میں ہونا چاہئے۔

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ ۖ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿٣٧﴾

اور جب تم اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے انعام کیا اور تم نے انعام کیا کہ اپنی بیوی کو روکے رکھو اور اللہ سے ڈرو۔ اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا۔ اور تم لوگوں سے ڈر رہے تھے، اور اللہ زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔ پھر جب زید اس سے اپنی غرض تمام کر چکا، ہم نے تم سے اس کا نکاح کر دیا تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کچھ تنگی نہ رہے جب کہ وہ ان سے اپنی غرض تمام کر لیں۔ اور اللہ کا حکم ہونے والا ہی تھا۔ ۳۷

حضرت زید کے ساتھ حضرت زینب کا نکاح ۳ھ میں ہوا۔ مگر نباہ نہ ہو سکا اور اگلے سال

دونوں میں علیحدگی ہوگئی ۔ حضرت زید نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلاق کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ نے سبب پوچھا ۔ انھوں نے کہا کہ وہ اپنے خاندانی شرف کی وجہ سے میرے مقابلہ میں بڑائی کا احساس رکھتی ہیں (تتعظّم علی بشرفہا) تاہم آپ نے انھیں روکا ۔ بار بار کی درخواست پر آخر کار آپ نے انھیں علیحدگی کی اجازت دیدی ۔

زید اور زینب کے نکاح سے اولاً یہ رسم توڑی گئی تھی کہ معاشرتی فرق کو نکاح میں حائل نہیں ہونا چاہئے ۔ مگر جب ان کے درمیان علیحدگی ہوگئی تو اب اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہوئی کہ زینب کو ایک اور غلط رسم کے توڑنے کا ذریعہ بنایا جائے ۔

قدیم جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ متبنیٰ (منھ بولے بیٹے) کو بالکل حقیقی بیٹے کی طرح سمجھتے تھے ۔ ہر اعتبار سے اس کے وہی حقوق تھے جو حقیقی بیٹے کے ہوتے ہیں ۔ اس رسم کو توڑنے کی بہترین صورت یہ تھی کہ طلاق کے بعد حضرت زینب کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیا جائے ۔ زید رسول اللہ کے متبنیٰ تھے ۔ حتیٰ کہ ان کو زید بن محمد کہا جانے لگا تھا ۔ ایسی حالت میں منھ بولے بیٹے کی مطلقہ عورت سے آپ کا نکاح کرنا اس رسم کے خلاف ایک دھماکہ کی حیثیت رکھتا تھا ۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ متبنیٰ کی منکوحہ باپ پر حرام ہے جس طرح حقیقی بیٹے کی منکوحہ باپ پر حرام ہوتی ہے ۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پیشگی طور پر بتایا جا چکا تھا کہ اگر دونوں میں علیحدگی ہوئی تو اس جاہلی رسم کو توڑنے کی تدبیر کے طور پر زینب کو آپ کے نکاح میں دیدیا جائے گا ۔ چونکہ اس قسم کا نکاح قدیم ماحول میں زبردست بدنامی کا ذریعہ ہوتا ۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید کو روکتے رہے کہ اگر وہ طلاق نہ دیں تو میں اس شدید آزمائش سے بچ جاؤں گا ۔ مگر جو چیز علم الٰہی میں مقدر تھی وہ ہو کر رہی ۔ زید نے زینب کو طلاق دیدی اور اس رسم کو توڑنے کی عملی تدبیر کے طور پر ۵ھ میں زینب کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیا گیا ۔

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ ۖ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا ﴿٣٨﴾ الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ﴿٣٩﴾ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَٰكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

عَلِيۡمًا ﴿۴۰﴾ ع ۵ ۲

پیغمبر کے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں جو اللہ نے اس کے لئے مقرر کر دیا ہو۔ یہی اللہ کی سنت ان پیغمبروں کے معاملہ میں رہی ہے جو پہلے گزر چکے ہیں۔ اور اللہ کا حکم ایک قطعی فیصلہ ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے پیغاموں کو پہنچاتے تھے اور اسی سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ اور اللہ حساب لینے کے لئے کافی ہے۔ محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں۔ اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ ۴۰ - ۳۸

---

اس واقعہ کے بعد حسب توقع آپ کے خلاف زبردست پروپگنڈا شروع ہوگیا۔ کہا جانے لگا کہ پیغمبر نے اپنی بہو سے نکاح کرلیا، حالانکہ بیٹے کی منکوحہ باپ پر حرام ہوتی ہے۔ فرمایا کہ ــــ محمد کا معاملہ تو یہ ہے کہ ان کی صرف لڑکیاں ہیں۔ وہ مردوں میں سے کسی کے باپ ہی نہیں۔ زید بن حارثہ ان کے صرف منھ بولے بیٹے تھے اور منھ بولا بیٹا واقعی بیٹا کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کی مطلقہ سے نکاح آپ کے لئے جائز نہ ہو۔

آپ خدا کے پیغمبر تھے، پھر بھی آپ کے ساتھ اتنے اتار چڑھاؤ کے واقعات کیوں پیش آئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پیغمبر پر اگرچہ خدا کی وحی آتی ہے۔ مگر اس کو عام انسانوں کی طرح رہنا ہوتا ہے۔ موجودہ امتحان کی دنیا میں اس کو بھی ویسے ہی حالات پیش آتے ہیں جیسے حالات دوسروں کو پیش آتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو پیغمبر کی زندگی عام انسانوں پر حجت نہ بن سکے۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبرانہ رہنمائی حقیقی حالات کے ڈھانچہ میں دی جاتی ہے نہ کہ مصنوعی حالات کے ڈھانچہ میں۔

خاتم النبیین کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ آپ نبیوں کی مہر ہیں۔ خاتم کا لفظ اسٹمپ (Stamp) کے لئے نہیں آتا ہے بلکہ سیل (Seal) کے لئے آتا ہے۔ یعنی آخری عمل۔ لفافہ کو سیل کرنے کا مطلب اس کو آخری طور پر بند کرنا ہے کہ اس کے بعد نہ کوئی چیز اس کے اندر سے باہر نکلے اور نہ باہر سے اندر جائے۔ چنانچہ عربی میں قوم کا خاتم قوم کے آخری شخص کو کہا جاتا ہے (خاتم القوم آخرهم)

اس واقعہ کے ذیل میں آپ کے خاتم النبیین ہونے کے اعلان کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد چونکہ کوئی اور نبی آنے والا نہیں، اس لئے ضروری ہے کہ تمام خدائی باتوں کا اظہار آپ کے ذریعہ سے کر دیا جائے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ﴿۴۱﴾ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿۴۲﴾ هُوَ

الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُهٗ لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ وَکَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا ﴿۴۳﴾ تَحِیَّتُهُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا کَرِیْمًا ﴿۴۴﴾

اے ایمان والو، اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو۔ اور اس کی تسبیح کرو صبح اور شام۔ وہی ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تاکہ تم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائے۔ اور وہ مومنوں پر بہت مہربان ہے۔ جس روز وہ اس سے ملیں گے، ان کا استقبال سلام سے ہوگا۔ اور اس نے ان کے لئے باعزت صلہ تیار کر رکھا ہے۔ ۴۱-۴۴

---

جب مادی دین کا غلبہ ہو، اس وقت سچے دین کو اختیار کرنا ہمیشہ مشکل ترین کام ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں اہل ایمان کے دل میں بعض اوقات دل شکستگی اور مایوسی کے جذبات طاری ہونے لگتے ہیں۔ اس سے بچنے کی صرف ایک ہی یقینی صورت ہے ــــ ظاہری ناخوشگواریوں کے پیچھے جو خوش گوار پہلو چھپا ہوا ہے، اس پر نظر کو جمائے رکھنا۔

لوگ مادیات کے بل پر جیتے ہیں۔ مومن کو افکار (Ideas) کے بل پر جینا پڑتا ہے۔ افکار کی سطح پر جینا یہ ہے کہ آدمی اللہ کی یادوں میں جینے لگے۔ فرشتوں کا غیر مسموع کلام اسے سنائی دینے لگے۔ اس کو صحیح مقصد کی شکل میں جو فکری دریافت ہوئی ہے اس کو وہ سب سے بڑی چیز سمجھے۔ دنیا کو دے کر آخرت میں جو کچھ ملنے والا ہے اس پر وہ پوری طرح راضی اور مطمئن ہو جائے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ﴿۴۶﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا کَبِیْرًا ﴿۴۷﴾ وَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَکِیْلًا ﴿۴۸﴾

اے نبی، ہم نے تم کو گواہی دینے والا اور خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور اللہ کی طرف، اس کے اذن سے، دعوت دینے والا اور ایک روشن چراغ۔ اور مومنوں کو بشارت دے دو کہ ان کے

لئے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے۔ اور تم کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانو اور ان کے ستانے کو نظر انداز کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اور اللہ بھروسہ کے لئے کافی ہے۔ ۴۵ - ۴۸

---

شاہد، مبشر، نذیر، داعی، یہ سب ایک ہی حقیقت کے مختلف پہلو ہیں۔ پیغمبر کا مشن یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو زندگی کی حقیقت سے آگاہ کرے۔ وہ لوگوں کو جنت اور جہنم کی خبر دے۔ یہ ایک دعوتی عمل ہے اور اسی دعوتی عمل کی بنیاد پر پیغمبر آخرت کی عدالت میں ان لوگوں کے بارے میں گواہی دے گا جس پر اس نے امر حق پہنچایا اور پھر کسی نے مانا اور کسی نے نہ مانا۔

پیغمبر کا جو مشن ہے وہ امت مسلمہ کا مشن بھی ہے۔ اس راہ میں لوگوں کی طرف سے اذیتیں پیش آتی ہیں۔ کوئی ساتھ نہیں دیتا اور کوئی وقتی طور پر ساتھ دیتا ہے اور پھر جھوٹے الفاظ بول کر الگ ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں صرف خدا پر بھروسہ ہی وہ چیز ہے جو پیغمبر (یا اس کی پیروی کرنے والے داعی) کو دعوتی عمل پر ثابت قدم رکھ سکتا ہے۔ لوگوں کی طرف سے جو کچھ پیش آئے اس پر صبر کرنا اور اس کو نظر انداز کرنا اور ہر حال میں خدا پر اپنی نظر جمائے رکھنا، یہی اسلامی دعوت کا کام کرنے والے کا اصل سرمایہ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا ۖ فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ﴿٤٩﴾

اے ایمان والو، جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو، پھر ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو ان کے بارے میں تم پر کوئی عدت لازم نہیں ہے جس کا تم شمار کرو۔ پس ان کو کچھ متاع دے دو اور خوبی کے ساتھ ان کو رخصت کر دو۔ ۴۹

---

ایک شخص کسی عورت سے نکاح کرے لیکن ملاقات کی نوبت آنے سے پہلے اس کو طلاق دے دے تو ایسی حالت میں عدت کی وہ پابندی نہیں ہے جو عام نکاح میں ہوتی ہے۔ البتہ اسلامی اخلاق کا تقاضا ہے کہ جس طرح باعزت انداز میں دونوں کے درمیان تعلق کا معاملہ ہوا تھا اسی طرح باعزت طور پر دونوں کے درمیان جدائی کا معاملہ بھی کیا جائے۔ اس خاتون کا اگر مہر باندھا گیا تھا تو مرد کو مقررہ مہر کا نصف دینا ہوگا

ورنہ عرف اور حیثیت کے مطابق کچھ دے کر خوبصورتی سے رخصت کر دیا جائے۔ عورت اگر چاہے تو فوراً ہی دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ اس صورت میں اس کے لئے عدت گزارنے کی شرط نہیں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ
اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ
الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ
اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ
فِيْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝٥٠

اے نبی، ہم نے تمہارے لئے حلال کر دیں تمہاری وہ بیویاں جن کی مہر تم دے چکے ہو اور وہ عورتیں بھی جو تمہاری مملوکہ ہیں جو اللہ نے غنیمت میں تم کو دی ہیں اور تمہارے چچا کی بیٹیاں اور تمہاری پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تمہارے ماموؤں کی بیٹیاں اور تمہاری خالاؤں کی بیٹیاں جنھوں نے تمہارے ساتھ ہجرت کی ہو۔ اور اس مسلمان عورت کو بھی جو اپنے آپ کو پیغمبر کو دے دے، بشرطیکہ پیغمبر اس کو نکاح میں لانا چاہے، یہ خاص تمہارے لئے ہے، مسلمانوں سے الگ۔ ہم کو معلوم ہے جو ہم نے ان پر ان کی بیویوں اور ان کی لونڈیوں کے باب میں فرض کیا ہے، تاکہ تم پر کوئی تنگی نہ رہے اور اللہ بخشنے والا، مہربان ہے۔ ۵۰

---

عام مسلمانوں کے لئے بیویوں کی آخری تعداد کو چار تک محدود رکھا گیا ہے۔ مگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ پابندی نہیں تھی۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی خصوصی اجازت کے تحت چار سے زیادہ نکاح کیا۔ اس کی مصلحت یہ تھی کہ رسول کے اوپر کوئی تنگی نہ رہے۔

تنگی سے مراد پیغمبرانہ مشن کی ادائیگی میں تنگی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف دعوتی اور اصلاحی تقاضوں کے تحت ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ آپ زیادہ عورتوں کو اپنے نکاح میں لا سکیں۔ اسی دینی مصلحت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے چار کی قید نہیں رکھی۔ مثال کے طور پر حضرت عائشہ سے نکاح میں یہ مصلحت تھی کہ ایک کم عمر اور ذہین خاتون آپ کی مستقل صحبت میں رہیں تاکہ آپ کے بعد لمبی مدت تک لوگوں کو دین سکھاتی رہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ آپ کی وفات کے بعد نصف صدی تک

امت کے لئے ایک زندہ کیسٹ ریکارڈر بنی رہیں۔ اسی طرح حضرت ام سلمہ اور حضرت ام حبیبہ سے نکاح کا یہ فائدہ ہوا کہ خالد بن ولید اور ابو سفیان بن حرب کی مخالفت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔ وغیرہ۔

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ تَقَرَّ اَعْیُنُهُنَّ وَلَا یَحْزَنَّ وَیَرْضَیْنَ بِمَاۤ اٰتَیْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا ﴿۵۱﴾ لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا ﴿۵۲﴾

ع

تم ان میں سے جس جس کو چاہو دور رکھو اور جس کو چاہو اپنے پاس رکھو۔ اور جن کو دور کیا تھا ان میں سے پھر کسی کو طلب کرو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اس میں زیادہ توقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی، اور وہ رنجیدہ نہ ہوں گی۔ اور وہ اس پر راضی رہیں جو تم ان سب کو دو۔ اور اللہ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اور اللہ جاننے والا ہے، بردبار ہے۔ ان کے علاوہ اور عورتیں تمہارے لئے حلال نہیں ہیں۔ اور نہ یہ درست ہے کہ تم ان کی جگہ دوسری بیویاں کر لو، اگرچہ ان کی صورت تم کو اچھی لگے مگر جو تمہاری مملوکہ ہو۔ اور اللہ ہر چیز پر نگراں ہے۔ ۵۲ - ۵۱

---

جہاں کئی خواتین کا مسئلہ ہو وہاں شکایت کا امکان بڑھ جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئی بیویاں تھیں اس بنا پر اندیشہ تھا کہ حقوق زوجیت کے بارے میں خواتین کو عدم مساوات کی شکایت ہو اور اس کا نتیجہ یہ نکلے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکسوئی کے ساتھ دینی مہم کی ادائگی نہ فرما سکیں۔ اس لئے اعلان فرمایا کہ پیغمبر کا معاملہ خصوصی معاملہ ہے۔ وہ عام مسلمانوں کی طرح حقوق زوجیت میں مساوات کے پابند نہیں ہیں۔ حقوق زوجیت کی رعایت اور حقوق اسلام کی رعایت میں ٹکراؤ ہو تو پیغمبر کے لئے جائز ہو گا کہ وہ حقوق اسلام کی رعایت کو ترجیح دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عام ضابطہ سے مستثنیٰ کرنے کا مقصد یہ تھا کہ خواتین کے اندر شکایتی ذہن کی پیدائش کو روکا جا سکے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اختیار کو عملاً بہت ہی کم استعمال فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ
طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَ
لَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ ۖ وَاللَّهُ
لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ ۚ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ
ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ
تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا ﴿٥٣﴾ إِنْ تُبْدُوا
شَيْئًا أَوْ تُخْفُوهُ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٥٤﴾

اے ایمان والو، نبی کے گھروں میں مت جایا کرو مگر جس وقت تم کو کھانے کے لئے اجازت دی جائے، ایسے طور پر کہ اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو۔ لیکن جب تم کو بلایا جائے تو داخل ہو۔ پھر جب تم کھا چکو تو اٹھ کر چلے جاؤ اور باتوں میں لگے ہوئے بیٹھے نہ رہو۔ اس بات سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے۔ مگر وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں۔ اور اللہ حق بات کہنے میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا۔ اور جب تم ازواج رسول سے کوئی چیز مانگو تو پردے کی اوٹ سے مانگو۔ یہ طریقہ تمہارے دلوں کے لئے زیادہ پاکیزہ ہے اور ان کے دلوں کے لئے بھی۔ اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف دو اور نہ یہ جائز ہے کہ تم ان کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی نکاح کرو یہ اللہ کے نزدیک بڑی سنگین بات ہے۔ تم کسی چیز کو ظاہر کرو یا اس کو چھپاؤ تو اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ ۵۳ - ۵۴

---

یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں حکم دیتے ہوئے مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ ان کی گھریلو معاشرت کے آداب کس قسم کے ہونے چاہئیں ـــــ وہ دوسروں کے گھروں میں داخل ہوں تو اجازت لے کر داخل ہوں۔ کھانے یا کسی اور ضرورت کے لئے کسی کے یہاں بلایا جائے تو صرف بقدر ضرورت وہاں بیٹھیں اور فراغت کے بعد فوراً واپس ہو جائیں۔ دوسروں سے ملنے جائیں تو غیر ضروری باتوں سے شدید پرہیز کریں۔ عورتوں سے متعلق کوئی کام ہو تو پردے کی آڑ سے اس کو انجام دیں، وغیرہ۔

معاشرتی زندگی میں آدمی کو صرف اپنی خواہش یا ضرورت نہیں دیکھنا چاہئے بلکہ اس کو نہایت شدت

سے یہ بات ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اس کے رویہ سے دوسرے شخص کو تکلیف نہ پہنچے۔ اس کی غیر ضروری باتیں دوسرے کا وقت ضائع کرنے والی نہ ہوں۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ
وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾

پیغمبر کی بیویوں پر اپنے باپوں کے بارے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور نہ اپنے بیٹوں کے بارے میں اور نہ اپنے بھائیوں کے بارے میں اور نہ اپنے بھتیجوں کے بارے میں اور نہ اپنے بھانجوں کے بارے میں اور نہ اپنی عورتوں کے بارے میں اور نہ اپنی لونڈیوں کے بارے میں۔ اور تم اللہ سے ڈرتی رہو، بے شک اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھتا ہے۔ ۵۵

---

اوپر کی آیت میں مردوں کے لئے یہ ممانعت تھی کہ وہ ازواج رسول کے سامنے نہ آئیں۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ محرم رشتہ دار اور میل جول کی عورتیں ان پابندیوں سے مستثنیٰ ہیں۔ یہاں جن رشتوں کا ذکر ہے اس میں وہ رشتے بھی آجائیں گے جو ان کے حکم میں داخل ہوں۔ اس قرآنی ہدایت کی مزید تفصیل سورہ نور (آیت ۳۱) میں موجود ہے۔

تمام احکام کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت ہو یا مرد اس کے دل میں اللہ کا ڈر ہو۔ وہ یہ سمجھ کر زندگی گزارے کہ اللہ ہر حال میں اس کی نگرانی کر رہا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَي النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ
وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا
وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
ع ۷ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾

اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو، تم بھی اس پر درود و سلام بھیجو۔ جو لوگ اللہ

اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں۔ اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو اذیت دیتے ہیں بغیر اس کے کہ انہوں نے کچھ کیا ہو تو انھوں نے بہتان کا اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھایا۔ ۵۸ - ۵۶

---

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں خدا کے دین کا اظہار کرنے کے لئے بھیجے گئے۔ اللہ کا جو بندہ اس طرح کے مقدس کام کے لئے اٹھے اس کو خدا اور اس کے فرشتوں کی کامل تائید حاصل ہوتی ہے۔ اس کی ہم نوائی کرنا خدا اور اس کے فرشتوں کی ہم نوائی کرنا ہوتا ہے۔ اور اس سے اعراض کرنا خدا اور اس کے فرشتوں سے اعراض کرنا ہوتا ہے۔

جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا وہ اپنے خیال کے مطابق صرف ایک انسان کو ستا رہے تھے۔ مگر وہ بھول گئے کہ وہ خدا کے نمائندہ کو ستا رہے ہیں۔ اور جو لوگ خدا کے نمائندہ کو ستائیں، انھوں نے مالک کائنات کی نظر میں ہمیشہ کے لئے اپنے آپ کو ملعون بنا لیا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ
مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي
الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَاۤ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۰﴾ ۚ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ
اَيْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ
قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾

اے نبی، اپنی بیویوں سے کہو اور اپنی بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہ نیچے کر لیا کریں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں اس سے جلدی پہچان ہو جائے گی تو وہ ستائی نہ جائیں گی۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے اور جو مدینہ میں جھوٹی خبریں پھیلانے والے ہیں، اگر وہ باز نہ آئے تو ہم تم کو ان کے پیچھے لگا دیں گے۔ پھر وہ تمہارے ساتھ مدینہ میں بہت کم رہنے پائیں گے۔ پھٹکارے ہوئے، جہاں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور بری طرح مارے جائیں گے۔ یہ اللہ کا دستور ہے ان لوگوں کے بارے میں جو پہلے گزر چکے ہیں۔ اور تم اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔ ۶۲ - ۵۹

مسلمان عورت جب کسی ضرورت سے اپنے گھر کے باہر نکلے تو وہ کس طرح نکلے۔ اس کو ایسے لباس میں نکلنا چاہئے جو اس بات کا ایک خاموش اعلان ہو کہ وہ ایک شریف اور حیا دار عورت ہے۔ وہ سنجیدہ ضرورت کے تحت باہر نکلی ہے نہ کہ تفریح اور دل لگی کے لئے۔ سادہ کپڑے، حیا دار چال، چادر یا برقعہ سے جسم ڈھکا ہوا ہونا اسی کی ایک علامت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جسمانی نمائش کے ساتھ باہر نکلنا دوسروں کو دعوتِ التفات دینا ہے۔ اور جسمانی نمائش کے بغیر نکلنا گویا عمل کی زبان میں دوسروں سے یہ کہنا ہے کہ میں صرف اپنے کام سے باہر نکلی ہوں، مجھے تم سے کوئی مطلب نہیں۔

"دل کے مریضوں" سے یہاں مراد غالباً یہود ہیں۔ کیونکہ وہی لوگ مسلمانوں کو اور مسلم خواتین کو زیادہ پریشان کر رہے تھے اور یہی لوگ تھے جو مذکورہ تنبیہ کے مطابق قتل کئے گئے یا شہر سے نکال دے گئے تھے۔

يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ
السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿٦٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿٦٤﴾
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٦٥﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ
فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿٦٦﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ
اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿٦٧﴾ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ
ع ٥ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿٦٨﴾

لوگ تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہو کہ اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے۔ اور تم کو کیا خبر، شاید قیامت قریب آ گئی ہو۔ بے شک اللہ نے منکروں کو رحمت سے دور کر دیا ہے۔ اور ان کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار ہے، اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہ نہ کوئی حامی پائیں گے اور نہ کوئی مددگار۔ جس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کئے جائیں گے، وہ کہیں گے، اے کاش ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور ہم نے رسول کی اطاعت کی ہوتی۔ اور وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب، ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کا کہنا مانا تو انھوں نے ہم کو راستے سے بھٹکا دیا۔ اے ہمارے رب، ان کو دہرا عذاب دے اور ان پر بھاری لعنت کر۔ ۶۸ - ۶۳

قیامت کی تاریخ پوچھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ لوگ قیامت کے آنے کو سرے سے مانتے ہی نہ تھے۔ یہ در اصل قیامت کا استہزار نہ تھا بلکہ قیامت کی خبر دینے والے کا استہزار تھا۔ وہ نفس قیامت کے منکر نہ تھے بلکہ قیامت کی اس نوعیت کے منکر تھے جس کی رسول اور اصحاب رسول انھیں خبر دے رہے تھے۔

ان کی اصل غلطی یہ تھی کہ انھوں نے اپنے قومی اکابر کو بڑا سمجھا اور پیغمبر کو بڑا نہ سمجھا۔ اس لئے انھیں اپنے قومی اکابر کی بات قابل لحاظ نظر آئی اور پیغمبر کی بات قابل لحاظ نظر نہ آئی۔ چنانچہ قیامت میں جب اصل حقیقت کھلے گی تو وہ افسوس کریں گے کہ کاش ہم جھوٹی بڑائی اور سچی بڑائی کے فرق کو سمجھتے اور جھوٹی بڑائی کے فریب میں مبتلا ہو کر گمراہ نہ ہوتے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَ
كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿۶۹﴾ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا
سَدِيْدًا ﴿۷۰﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ
رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾

اے ایمان والو، تم ان لوگوں کی طرح نہ بنو جنھوں نے موسیٰ کو اذیت پہنچائی تو اللہ نے اس کو ان لوگوں کی باتوں سے بری ثابت کیا۔ اور وہ اللہ کے نزدیک باعزت تھا۔ اے ایمان والو، اللہ سے ڈرو اور درست بات کہو۔ وہ تمہارے اعمال سدھارے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔ ۷۱ - ۶۹

---

"یہودیوں کی طرح پیغمبر کو نہ ستاؤ" سے کیا مراد ہے، اس کی وضاحت ایک واقعہ سے ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تھے کہ ایک بار آپ کے پاس کچھ مال آیا۔ آپ نے اس کو لوگوں کے درمیان تقسیم کیا۔ اس کے بعد انصار میں سے ایک شخص نے دوسرے شخص سے کہا: خدا کی قسم محمد نے اس تقسیم سے اللہ کی رضا اور آخرت کا گھر نہیں چاہا ہے (واللہ ما اراد محمد بقسمتہ وجہ اللہ ولا الدار الاخرۃ)۔ اس واقعہ کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کی رحمت موسیٰ پر ہو۔ ان کو اس سے زیادہ اذیت دی گئی مگر انھوں نے صبر کیا۔ (رحمۃ اللہ علی موسیٰ لقد اوذی باکثر من ھذا فصبر، تفسیر ابن کثیر)

کلام کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ہے سدید کلام۔ دوسرا ہے غیر سدید کلام۔ سدید کلام وہ ہے جو عین مطابقِ حقیقت ہو۔ جو واقعاتی تجزیہ پر مبنی ہو۔ جو ٹھوس دلائل کے ساتھ پیش کیا جائے۔ اس کے برعکس غیر سدید کلام وہ ہے جس میں حقیقت کی رعایت شامل نہ ہو۔ جس کی بنیاد ظن وگمان پر قائم ہو جس کی حیثیت محض رائے زنی کی ہو نہ کہ حقیقتِ واقعہ کے اظہار کی۔ اول الذکر کلام مومنانہ کلام ہے اور ثانی الذکر کلام منافقانہ کلام۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿٧٢﴾ لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٧٣﴾ ع

ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کیا اور وہ اس سے ڈر گئے، اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔ بے شک وہ ظالم اور جاہل تھا۔ تاکہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دے۔ اور مومن مردوں اور مومن عورتوں پر توجہ فرمائے۔ اور اللہ بخشنے والا، مہربان ہے۔ ۷۳ - ۷۲

---

امانت سے مراد اختیار ہے۔ اختیار کو امانت اس لئے فرمایا کہ وہ اللہ کی ایک چیز ہے جس کو اس نے عارضی مدت کے لئے انسان کو بطور آزمائش دیا ہے تاکہ انسان خود اپنے ارادہ سے خدا کا تابعدار بنے۔ امانت، دوسرے لفظوں میں، اپنے اوپر خدا کا قائم مقام بننا ہے۔ اپنے آپ پر وہ کرنا ہے جو خدا ستاروں اور سیاروں پر کر رہا ہے۔ یعنی اپنے اختیار سے اپنے آپ کو خدا کے کنٹرول میں دیدینا۔

اس کائنات میں صرف اللہ حاکم ہے اور تمام چیزیں اسی کی محکوم ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوئی کہ وہ ایک ایسی آزاد مخلوق پیدا کرے جو کسی جبر کے بغیر خود اپنے اختیار سے وہی کرے جو خدا اس سے کروانا چاہتا ہے۔ یہ اختیاری اطاعت بڑی نازک آزمائش تھی۔ آسمان اور زمین اور پہاڑ بھی اس کا تحمل نہیں کرسکتے۔ تاہم انسان نے شدید اندیشہ کے باوجود اس کو قبول کرلیا۔ اب انسان موجودہ دنیا میں خدا کی ایک امانت کا امین ہے۔ اس کو اپنے اوپر وہی کرنا ہے جو خدا دوسری چیزوں پر کر رہا ہے۔

انسان کو اپنے آپ پر خدا کا حکم چلانا ہے۔ انسان حالتِ امتحان میں ہے اور موجودہ دنیا اس کے لئے وسیع امتحان گاہ۔

یہ امانت ایک بے حد نازک ذمہ داری ہے۔ کیونکہ اسی کی وجہ سے جزا و سزا کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ دوسری مخلوقات مجبور و مقہور ہیں۔ اس لئے ان کے واسطے جزا و سزا کا مسئلہ نہیں۔ انسان آزاد ہے۔ اس لئے وہ جزا و سزا کا مستحق بنتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امانت کو آدم کے سامنے پیش کیا۔ تو آدم نے پوچھا کہ امانت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اگر تم اچھا کروگے تو تم کو اس کا بدلہ ملے گا اور اگر تم برا کروگے تو تم کو سزا دی جائے گی (قال إن أحسنت جُزيت وإن أسأت عوقبت، تفسیر ابن کثیر)

---

سُورَةُ سَبَإٍ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ أَرْبَعٌ وَخَمْسُونَ آيَةً وَسِتُّ رُكُوعَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْآخِرَةِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ① يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ۚ وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ ②

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

تعریف خدا کے لئے ہے جس کا وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور اسی کی تعریف ہے آخرت میں اور وہ حکمت والا جاننے والا ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ زمین کے اندر داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے۔ اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے۔ اور وہ رحمت والا بخشنے والا ہے۔ ۲-۱

---

کائنات اپنے خالق کا تعارف ہے۔ اس کی ہیبت ناک وسعت خالق کی عظمت کو بتاتی ہے۔ اس کا حد کمال تک موزوں ہونا بتاتا ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا ایک کامل و مکمل ہستی ہے۔ اس کے تمام اجزاء کا حد درجہ توافق کے ساتھ عمل کرنا ثابت کرتا ہے کہ اس کا چلانے والا انتہائی حد تک حکیم اور علیم ہے۔ کائنات کا

انسان کے لیے مکمل طور پر سازگار ہونا ظاہر کرتا ہے کہ اس کا خالق اپنی مخلوقات کے لئے بے حد رحیم وکریم ہے۔

جو شخص کائنات پر غور کرے گا وہ خدا کے جلال وکمال کے احساس سے سرشار ہو جائے گا۔ وہ یقین کرلے گا کہ ازل سے ابد تک تمام عظمتیں صرف ایک خدا کے لئے ہیں۔ اس کے سوا کسی اور کے لئے نہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ
عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَ
لَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۳ ۙ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۴ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ
اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝۵ وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ
الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝۶

اور جنھوں نے انکار کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی۔ کہو کہ کیوں نہیں، قسم ہے میرے پروردگار عالم الغیب کی، وہ ضرور تم پر آئے گی۔ اس سے ذرہ برابر کوئی چیز مخفی نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی اور نہ بڑی، مگر وہ ایک کھلی کتاب میں ہے۔ تاکہ وہ ان لوگوں کو بدلہ دے جو ایمان لائے اور نیک کام کیا۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے معافی ہے اور عزت کی روزی۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو عاجز کرنے کی کوشش کی، ان کے لئے سختی کا دردناک عذاب ہے۔ اور جن کو علم دیا گیا ہے وہ، اس چیز کو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس بھیجا گیا ہے، جانتے ہیں کہ وہ حق ہے اور وہ خدائے عزیز وحمید کا راستہ دکھاتا ہے۔ ۳-۶

---

قرآن کے مخاطبین قیامت کے منکر نہ تھے۔ وہ صرف اس کے منکر تھے کہ قیامت ان کے لئے رسوائی اور عذاب بن کر آئے گی۔ موجودہ دنیا میں وہ اپنے کو مادی اعتبار سے محفوظ حالت میں پاتے تھے۔ اس لئے ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اگلی دنیا میں پہنچ کر وہ غیر محفوظ کیوں کر ہو جائیں گے۔

مگر یہ قیاس سراسر باطل ہے۔ موجودہ دنیا کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اس کی تخلیق اخلاقی اصولوں پر

ہوئی ہے۔ اور جب کائنات کی تخلیق اخلاقی بنیاد پر ہوئی ہے تو اس کا آخری فیصلہ بھی لازماً اخلاقی بنیاد پر ہونا چاہئے نہ کہ کسی اور مزعومہ بنیاد پر۔

حیات اور کائنات کی یہ حقیقت تمام آسمانی کتابوں میں موجود ہے۔ قرآن کا مشن یہ ہے کہ اس حقیقت کو وہ اس کی خالص اور بے آمیز صورت میں ظاہر کردے۔ اب جو لوگ اس کے مخالف بن کر کھڑے ہوں وہ زبردست جسارت کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ خدا کے یہاں وہ سخت ترین سزا کے مستحق قرار دئے جائیں گے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ يُنَبِّئُكُمْ إِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ
مُمَزَّقٍ إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۝ أَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَمْ بِهِ جِنَّةٌ
بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ ۝ أَفَلَمْ يَرَوْا
إِلَىٰ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنْ نَشَأْ نَخْسِفْ
بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِنَ السَّمَاءِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً
لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ ۝ ع

اور جنہوں نے انکار کیا وہ کہتے ہیں، کیا ہم تم کو ایک ایسا آدمی بتائیں جو تم کو خبر دیتا ہے کہ جب تم بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو پھر تم کو نئے سرے سے بننا ہے۔ کیا اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے یا اس کو کسی طرح کا جنون ہے۔ بلکہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہی عذاب میں اور دور کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ تو کیا انھوں نے آسمان اور زمین کی طرف نظر نہیں کی جو ان کے آگے ہے اور ان کے پیچھے بھی۔ اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان سے ٹکڑے گرا دیں۔ بے شک اس میں نشانی ہے ہر اس بندے کے لئے جو متوجہ ہونے والا ہو۔ ۹ - ۷

---

مکہ کے لوگ رسول اور اصحاب رسول کو حقیر سمجھتے تھے، اس لئے وہ ان کی ہر بات کا مذاق اڑاتے رہے۔ اس کی اصل وجہ آخرت کے بارہ میں ان کی بے یقینی تھی۔ آخرت کی پکڑ کا اندیشہ ان کے دلوں میں نہ تھا۔ اس لئے وہ آخرت کی باتوں کے متعلق زیادہ سنجیدہ بھی نہ ہو سکے۔

اس دنیا میں سب سے بڑا عذاب یہ ہے کہ آدمی صحتِ فکر سے محروم ہو جائے۔ ایسا آدمی کسی چیز کو اس کے صحیح روپ میں نہیں دیکھ پاتا۔ کھلی ہوئی حقیقتوں سے بھی اس کو نصیحت حاصل نہیں ہوتی۔ شلاً اوپری فضا سے مسلسل بے شمار پتھر نہایت تیز رفتاری کے ساتھ زمین کی طرف آتے رہتے ہیں۔ اگر یہ پتھر انسانی بستیوں پر برسنے لگیں تو انسانی نسل کا خاتمہ ہو جائے۔ اسی طرح زمین کے نیچے کا زیادہ حصہ گرم پگھلا ہوا لاوا ہے۔ اگر وہ غیر محدود طور پر پھٹ پڑے تو سطح زمین کی ہر چیز جل کر ختم ہو جائے۔ مگر خدا اپنے خصوصی انتظام کے تحت ایسا ہونے نہیں دیتا۔ آسمان اور زمین میں اس قسم کی واضح نشانیاں ہیں جو انسان کے عجز کو بتا رہی ہیں۔ مگر آدمی جب صحتِ فکر سے محروم ہو جائے تو کوئی نشانی اس کو ہدایت دینے والی نہیں بنتی۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۖ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ﴿۱۰﴾ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۖ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱﴾

اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑی نعمت دی۔ اے پہاڑو تم بھی اس کے ساتھ تسبیح میں شرکت کرو۔ اور اسی طرح پرندوں کو حکم دیا۔ اور ہم نے لوہے کو اس کے لئے نرم کر دیا کہ تم کشادہ زرہیں بناؤ اور کڑیوں کو اندازے سے جوڑو۔ اور نیک عمل کرو، جو کچھ تم کرتے ہو اس کو میں دیکھ رہا ہوں۔ ۱۱ - ۱۰

---

ایک مومن جب خدا کی یاد سے سرشار ہو کر اس کی تسبیح کرتا ہے تو اس وقت وہ ساری کائنات کا ہمنوا ہوتا ہے۔ زمین و آسمان کی تمام چیزیں تسبیح خداوندی میں اس کی شریک آواز ہو جاتی ہیں۔ تاہم کائنات کی یہ ہم نوائی خاموش زبان میں ہوتی ہے۔ مگر حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت دی کہ جب وہ تسبیح کرتے تو پہاڑ اور چڑیاں محسوس طور پر آپ کے ساتھ تسبیح خوانی میں شریک ہو جاتیں۔

اسی طرح حضرت داؤد کو اللہ تعالیٰ نے لوہے کی صنعت سکھائی۔ انھوں نے لوہے کے پگھلانے اور ڈھالنے کے فن کو اتنی ترقی دی کہ وہ نہایت باریک کڑیوں کی زرہیں بنانے لگے جن کو آدمی کپڑے کی طرح پہن سکے۔ اس وقت دنیا میں یہ فن موجود نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے براہ راست طور پر فرشتوں کے ذریعہ یہ فن آپ کو سکھایا۔

مومن صنعت اور سائنس میں بڑی بڑی ترقیاں کر سکتا ہے۔ مگر اس کے لئے لازم ہے کہ وہ انسانی ترقی

کو صرف اصلاح کے دائرہ میں استعمال کرے۔ وہ جو کچھ کرے اس احساس کے تحت کرے کہ آخر کار اس کو جواب دہی کے لئے خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ
الْقِطْرِ ۭ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ
اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝۱۲ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَاۗءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَ
تَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۭ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ
عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ۝۱۳

اور سلیمان کے لئے ہم نے ہوا کو مسخر کر دیا، اس کی صبح کی منزل ایک مہینہ کی ہوتی اور اس کی شام کی منزل ایک مہینہ کی۔ اور ہم نے اس کے لئے تانبا کا چشمہ بہا دیا۔ اور جنات میں سے ایسے تھے جو اس کے رب کے حکم سے اس کے آگے کام کرتے تھے۔ اور ان میں سے جو کوئی ہمارے حکم سے پھرے تو ہم اس کو آگ کا عذاب چکھائیں گے۔ وہ اس کے لئے بناتے جو وہ چاہتا، عمارتیں اور تصویریں اور حوض جیسے لگن اور جمی ہوئی دیگیں ــــ اے آل داؤد، شکر گزاری کے ساتھ عمل کرو اور میرے بندوں میں کم ہی شکر گزار ہیں۔ ۱۲-۱۳

---

حضرت سلیمان علیہ السلام نے سمندری سفر اور سمندری تجارت کو بہت ترقی دی تھی۔ انھوں نے اعلیٰ درجہ کے بادبانی جہاز تیار کئے۔ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا مزید فضل یہ ہوا کہ ان کے سمندری جہازوں کو اکثر موافق ہوا ملتی تھی۔ اسی طرح تانبا پگھلا کر سامان بنانے کا فن بھی ان کے زمانہ میں بہت ترقی کر گیا۔ ان غیر معمولی قوتوں سے حضرت سلیمان مختلف قسم کا تعمیری اور اصلاحی کام لیتے تھے۔ انھیں میں سے ان چیزوں کی تیاری بھی تھی جن کا ذکر آیت میں کیا گیا ہے۔

انسان سراپا خدا کا احسان ہے۔ اس لئے اس کے اندر سب سے زیادہ خدا کے شکر اور احسان مندی کا جذبہ ہونا چاہئے۔ مگر یہی وہ چیز ہے جو انسان کے اندر سب سے کم پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موجودہ امتحان کی دنیا میں انسان کو جو کچھ ملتا ہے وہ اسباب کے پردہ میں ملتا ہے۔ اس لئے آدمی اس کو اسباب کا نتیجہ سمجھ لیتا ہے۔ مگر یہی انسان کا اصل امتحان ہے۔ انسان سے یہ مطلوب ہے کہ وہ اسباب کے ذریعہ

ملتی ہوئی چیز کو خدا سے ملتا ہوا دیکھے۔ بظاہر اپنی عقل اور محنت سے حاصل ہونے والی چیز کو براہ راست خدا کا عطیہ سمجھے۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ ۖ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿١٤﴾

پھر جب ہم نے اس پر موت کا فیصلہ نافذ کیا تو کسی چیز نے ان کو اس کے مرنے کا پتہ نہیں دیا مگر زمین کے کیڑے نے، وہ اس کی عصا کو کھا تا تھا۔ پس جب وہ گر پڑا تب جنوں پر کھلا کہ اگر وہ غیب کو جانتے تو اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے۔ 14

---

حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا وقت آیا تو وہ اپنا عصا ٹیکے ہوئے تھے اور جنوں سے کوئی تعمیری کام کرا رہے تھے۔ موت کے فرشتے نے آپ کی روح قبض کرلی۔ مگر آپ کا بے جان جسم عصا کے سہارے بدستور قائم رہا۔ جنات یہ سمجھ کر اپنے کام میں لگے رہے کہ آپ ان کے قریب موجود ہیں اور نگرانی کر رہے ہیں۔ اس کے بعد عصا میں دیمک لگ گئی۔ ایک عرصے کے بعد دیمک نے عصا کو کھوکھلا کر دیا تو آپ کا جسم زمین پر گر پڑا۔ اس وقت جنوں کو معلوم ہوا کہ آپ وفات پا چکے ہیں۔

یہ واقعہ اس صورت میں غالباً اس لئے پیش آیا تاکہ لوگوں کے اس غلط عقیدہ کی عملی تردید ہو جائے کہ جنات غیب کا علم رکھتے ہیں۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۖ جَنَّتَانِ عَن يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۖ كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ ﴿١٥﴾ فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُم بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِّن سِدْرٍ قَلِيلٍ ﴿١٦﴾ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِمَا كَفَرُوا ۖ وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ ﴿١٧﴾

سبا کے لئے ان کے اپنے مسکن میں نشانی تھی۔ دو باغ دائیں اور بائیں، اپنے رب کے رزق سے کھاؤ اور اس کا شکر کرو۔ عمدہ شہر اور بخشنے والا رب۔ پس انھوں نے سرتابی کی تو ہم نے ان پر بند کا سیلاب بھیج دیا اور ان کے باغوں کو دو ایسے باغوں سے بدل دیا جن میں بدمزہ پھل اور جھاؤ کے درخت اور کچھ تھوڑے سے بیر۔ یہ ہم نے ان کی ناشکری کا بدلہ دیا اور ایسا بدلہ ہم اسی کو دیتے ہیں جو ناشکر ہو۔

۱۷-۱۵ ______

سبا قدیم زمانہ میں ایک نہایت ترقی یافتہ قوم تھی۔ اس کی آبادیاں موجودہ یمن میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کا مرکزی شہر مارب تھا۔ زمانہ قبل مسیح میں اس نے زبردست ترقی کی۔ اور تقریباً ایک ہزار سال تک عروج پر رہی۔ ایک طرف وہ لوگ خشکی اور سمندر کے ذریعہ اپنی تجارتیں پھیلائے ہوئے تھے۔ دوسری طرف انھوں نے بند بنائے۔ مارب کے قریب ان کا ایک بڑا بند تھا جو ۱۴ میٹر اونچا اور تقریباً ۶۰۰ میٹر لمبا تھا۔ اس کے ذریعہ پہاڑی نالوں کا پانی روک کر نہریں نکالی گئی تھیں۔ اور ان سے زمینوں کو سیراب کیا جاتا تھا۔ اس طرح علاقہ میں اتنی سرسبزی آئی کہ آدمی جہاں کھڑا ہو تو دائیں اور بائیں اس کو باغ ہی باغ دکھائی دے۔

یہ تمام ترقیاں خدائی انتظامات کی وجہ سے ممکن ہوئیں۔ اس لئے سبا کے لوگوں کو خدا کا شکر گزار بننا چاہئے تھا۔ مگر وہ غفلت اور سرکشی میں پڑ گئے جیسا کہ عام طور پر خوش حال قوموں میں ہوتا ہے۔ اس کے بعد سد مارب (Marib Dam) میں شگاف پڑنا شروع ہوا۔ یہ گویا ابتدائی تنبیہہ تھی۔ مگر وہ ہوش میں نہ آئے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے بیان کے مطابق ساتویں صدی عیسوی میں ایک زلزلے نے بند کو ناقابل مرمت حد تک توڑ دیا۔ اس کے نتیجہ میں ایسا سیلاب آیا جس سے پورا علاقہ تباہ ہو گیا۔ مزید یہ کہ زرخیز مٹی ختم ہو جانے کی وجہ سے یہ علاقہ بعد کو صرف جنگلی جھاڑیوں کے لئے موزوں رہ گیا۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ ۖ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ ﴿۱۸﴾ فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿۱۹﴾

اور ہم نے ان کے اور ان کی بستیوں کے درمیان، جہاں ہم نے برکت رکھی تھی، ایسی بستیاں آباد کیں جو نظر

آتی تھیں ۔ اور ہم نے ان کے درمیان سفر کی منزلیں ٹھہرا دیں ۔ ان میں رات دن امن کے ساتھ چلو ۔ پھر انھوں نے کہا کہ اے ہمارے رب ، ہمارے سفروں کے درمیان دوری ڈال دے ۔ اور انھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہم نے ان کو افسانہ بنا دیا اور ہم نے ان کو بالکل تتر بتر کر دیا ۔ بے شک اس میں نشانی ہے ہر صبر کرنے والے ، شکر کرنے والے کے لئے ۔ ۱۹ - ۱۸

---

برکت والی بستیوں سے مراد شام کا سرسبز و شاداب علاقہ ہے ۔ اس سرسبز علاقہ میں یمن سے شام تک خوبصورت آبادیوں کی قطاریں چلی گئی تھیں ۔ ان کے درمیان سفر ایک قسم کی خوش گوار سیر بن گیا تھا ۔ یہ ماحول اپنی حقیقت کے اعتبار سے ربانی جذبات پیدا کرنے والا تھا ۔ گویا کہ خدا نے یہاں ایک خاموش کتبہ لگا دیا ہو کہ —— بے خوف و خطر چلو اور اپنے رب کا شکر کرو ۔

مگر سبا کے غافل لوگ اس خدائی کتبہ کو نہ پڑھ سکے ۔ انھوں نے اپنے رویہ سے ان خدائی نعمتوں کا استحقاق کھو دیا ۔ چنانچہ وہ اس طرح مٹے کہ وہ ماضی کی داستان بن گئے ۔ علاقہ کی تباہی کے بعد سبا کے مختلف قبائل اپنے وطن سے نکل کر دور دور کے علاقوں میں منتشر ہو گئے ۔

یہ واقعات تاریخ کے معلوم واقعات ہیں ۔ مگر ان کو جاننے والا حقیقۃً وہ ہے جو ان سے یہ سبق لے کہ اس کو خوش حالی ملے تو وہ ناز میں مبتلا نہ ہو ۔ اس کو جو کچھ ملے اس کو خدا کا عطیہ سمجھ کر وہ خدا کا شکر گزار بن جائے ۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٠﴾
وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يُؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ
مِنْهَا فِي شَكٍّ ۗ وَرَبُّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿٢١﴾ ع ۸

اور ابلیس نے ان کے اوپر اپنا گمان سچ کر دکھایا ۔ پس انھوں نے اس کی پیروی کی مگر ایمان والوں کا ایک گروہ ۔ اور ابلیس کو ان کے اوپر کوئی اختیار نہ تھا ، مگر یہ کہ ہم معلوم کر لیں ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان لوگوں سے ( الگ کر کے ) جو اس کی طرف سے شک میں ہیں ۔ اور تمہارا رب ہر چیز پر نگراں ہے ۔ ۲۱ - ۲۰

---

ابلیس یا اس کے نمائندے ہمیشہ انسان کے خلاف اپنا منصوبہ بناتے ہیں ۔ ایسے موقع پر انسان کا

کام یہ ہے کہ وہ ان کے منصوبہ کا شکار نہ ہو۔ اور اس طرح وہ ان کو ناکام بنادے۔ مگر سبا کے لوگ دوسرے لوگوں کی طرح اس دانائی کا ثبوت نہ دے سکے۔ وہ شیطانی ترغیبات کے زیر اثر آکر تباہی کے راستہ پر چل پڑے۔ صرف تھوڑے سے حق پرست تھے جو اس امتحان میں کامیاب ہوئے۔

شیطان کو یا اس کے نمائندہ کو خدا نے کسی کے اوپر عملی اختیار نہیں دیا ہے۔ اس کو صرف بہکانے کا اختیار ہے۔ یہ اس لئے ہے تاکہ انسان کی آزمائش ہو۔ اس آزمائش میں پورا اترنے والا شخص وہ ہے جو شیطانی ترغیبات سے غیر متاثر رہ کر حق وصداقت پر قائم رہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ ۖ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُم مِّن ظَهِيرٍ ﴿٢٢﴾ وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ۚ حَتَّىٰ إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ۖ قَالُوا الْحَقَّ ۖ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿٢٣﴾

کہو کہ ان کو پکارو جن کو تم نے خدا کے سوا معبود سمجھ رکھا ہے، وہ نہ آسمانوں میں ذرہ برابر اختیار رکھتے اور نہ زمین میں اور نہ ان دونوں میں ان کی کوئی شرکت ہے۔ اور نہ ان میں سے کوئی اس کا مددگار ہے۔ اور اس کے سامنے کوئی شفاعت کام نہیں آتی مگر اس کے لئے جس کے لئے وہ اجازت دے۔ یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوگی تو وہ پوچھیں گے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا۔ وہ کہیں گے کہ حق بات کا حکم فرمایا۔ اور وہ سب سے اوپر ہے، سب سے بڑا ہے۔ ۲۳ - ۲۲

---

اگرچہ ہر دور میں بیشتر لوگ آخرت کو مانتے رہے ہیں۔ مگر ہر دور میں شیطان نے ایسے خود ساختہ عقیدے لوگوں کے درمیان رائج کر دئے جنھوں نے ان کو آخرت کی پکڑ سے بے خوف کر دیا۔ انھیں میں سے ایک یہ فرضی عقیدہ بھی ہے کہ بعض ہستیوں کو خدا کے یہاں اتنا مقام حاصل ہے کہ وہ اپنی سفارش سے جس کو چاہیں بخشوا سکتے ہیں۔

مگر اس قسم کا ہر عقیدہ خدا کی خدائی کا کمتر اندازہ ہے۔ یہ واقعہ بھی کیسا عجیب ہے کہ جن ہستیوں کا اپنا یہ حال ہے کہ خدا کی عظمت کے احساس نے انھیں سراسیمہ کر رکھا ہے، ان کے بارہ میں ان کے پرستاروں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ خدا کے یہاں ان کی نجات کے لئے کافی ہو جائیں گے۔

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلٰى
هُدًى أَوْ فِي ضَلٰلٍ مُبِينٍ ﴿٢٤﴾ قُلْ لَا تُسْأَلُونَ عَمَّا أَجْرَمْنَا وَلَا نُسْأَلُ عَمَّا
تَعْمَلُونَ ﴿٢٥﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۚ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ ﴿٢٦﴾
قُلْ أَرُونِيَ الَّذِينَ أَلْحَقْتُمْ بِهِ شُرَكَاءَ كَلَّا ۚ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٧﴾

کہو کہ کون تم کو آسمانوں اور زمین سے رزق دیتا ہے۔ کہو کہ اللہ۔ اور ہم میں اور تم میں سے کوئی ایک ہدایت پر ہے یا کھلی ہوئی گمراہی میں۔ کہو کہ جو قصور ہم نے کیا اس کی کوئی پوچھ تم سے نہ ہوگی۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس کی بابت ہم سے نہیں پوچھا جائے گا۔ کہو کہ ہمارا رب ہم کو جمع کرے گا، پھر ہمارے درمیان حق کے مطابق فیصلہ فرمائے گا۔ اور وہ فیصلہ فرمانے والا ہے، علم والا ہے۔ کہو، مجھے ان کو دکھاؤ جن کو تم نے شریک بنا کر خدا کے ساتھ ملا رکھا ہے۔ ہرگز نہیں، بلکہ وہ اللہ زبردست ہے، حکمت والا ہے۔ ۲۴ - ۲۷

---

کائنات ناقابل قیاس حد تک عظیم ہے۔ اسی کے ساتھ اس کے اندر کمال درجہ کی حکمت اور معنویت پائی جاتی ہے۔ ایسی کائنات خدائے عزیز وحکیم ہی کا کارنامہ ہو سکتی ہے۔ کوئی بھی شخص سنجیدہ طور پر یہ گمان نہیں کر سکتا کہ وہ دوسری ہستیاں اس کی خالق ومالک ہیں جن کو جدید یا قدیم انسان نے خدا کے سوا فرض کر رکھا ہے۔ پھر خدا کے سوا کون ہو سکتا ہے جس کو اس کائنات میں بڑائی کا مقام حاصل ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ کائنات کا مطالعہ تمام مشرکانہ نظریات کو باطل ٹھہراتا ہے۔ اس کائنات میں وہ تمام عقیدے بے جوڑ ثابت ہوتے ہیں جن میں ایک خدا کے سوا کسی اور کے لئے کسی قسم کی بڑائی تسلیم کی گئی ہو۔ ایسی حالت میں وہی نظریہ صحیح ہو سکتا ہے جو ایک خدا کی بنیاد پر بنے۔ جس نظریہ میں ایک خدا کے سوا کسی اور ہستی کی کارفرمائی مانی جائے وہ اپنی تردید آپ ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٨﴾ وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿٢٩﴾ قُلْ لَكُمْ
مِيعَادُ يَوْمٍ لَا تَسْتَأْخِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ ﴿٣٠﴾

اور ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لیے خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو۔ کہو کہ تمہارے لئے ایک خاص دن کا وعدہ ہے کہ اس سے نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو۔ ۳۰ - ۲۸

---

ہر نبی نے براہ راست طور پر صرف اپنی قوم کے اوپر دعوتی کام کیا۔ اور یہی عملاً ممکن تھا۔ اسی طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم بھی براہ راست طور پر اپنی ہی قوم کے لئے منذر اور مبشر بنے (الانعام ۹۲) مگر چونکہ آپ پر نبوت ختم ہوگئی اس لئے اب تمام قوموں کے لئے حکماً آپ ہی منذر اور مبشر ہیں۔ اپنے زمانہ میں اپنے مخاطبین اول پر جس طرح آپ نے انذار وتبشیر کا کام کیا اسی طرح بعد کے زمانہ میں دوسرے تمام مخاطبین پر آپ کی امت کو نیابتہً انذار وتبشیر کا کام کرنا ہے۔ یہ سارا کام آپ کی نبوت کے تسلسل میں شمار ہوگا۔ آپ کی زندگی میں کیا جانے والا دعوتی کام براہ راست طور پر آپ کے دائرۂ نبوت میں داخل ہے۔ اور آپ کی دنیوی زندگی کے بعد کیا جانے والا کام بالواسطہ طور پر۔

پیغمبر کا کام ہمیشہ صرف پہنچانا ہوتا ہے۔ اس کے بعد قوموں کے عملی انجام کا فیصلہ کرنا خدا کا کام ہے، موجودہ دنیا میں بھی اور آئندہ آنے والی دنیا میں بھی۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن نُّؤْمِنَ بِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِندَ رَبِّهِمْ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ الْقَوْلَ يَقُولُ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَوْلَا أَنتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ﴿٣١﴾ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا أَنَحْنُ صَدَدْنَاكُمْ عَنِ الْهُدَىٰ بَعْدَ إِذْ جَاءَكُم ۖ بَلْ كُنتُم مُّجْرِمِينَ ﴿٣٢﴾ وَقَالَ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ إِذْ تَأْمُرُونَنَا أَن نَّكْفُرَ بِاللَّهِ وَنَجْعَلَ لَهُ أَندَادًا ۚ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ ۚ وَجَعَلْنَا الْأَغْلَالَ فِي أَعْنَاقِ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٣٣﴾

اور جن لوگوں نے انکار کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز نہ اس قرآن کو مانیں گے اور نہ اس کو جو اس کے آگے ہے۔

اور اگر تم اس وقت کو دیکھو جب کہ یہ ظالم اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے۔ ایک دوسرے پر بات ڈالتا ہوگا۔ جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے وہ بڑا بننے والوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان والے ہوتے۔ بڑا بننے والے کمزور لوگوں کو جواب دیں گے، کیا ہم نے تم کو ہدایت سے روکا تھا جب کہ وہ تم کو پہنچ چکی تھی، بلکہ تم خود مجرم ہو۔ اور کمزور لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے، نہیں بلکہ تمہاری رات دن کی تدبیروں سے، جب کہ تم ہم سے کہتے تھے کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں اور اس کے شریک ٹھہرائیں اور وہ اپنی پشیمانی کو چھپائیں گے جب کہ وہ عذاب دیکھیں گے۔ اور ہم منکروں کی گردن میں طوق ڈالیں گے۔ وہ وہی بدلہ پائیں گے جو وہ کرتے تھے۔ ۳۳-۳۱

---

حقیقت کا انکار سب سے بڑا جرم ہے۔ دنیا میں اس جرم کا انجام سامنے نہیں آتا۔ اس لئے دنیا میں آدمی بے خوف ہو کر حقیقت کا انکار کر دیتا ہے۔ مگر آخرت میں جب انکار حق کا برا انجام لوگوں کے اوپر ٹوٹ پڑے گا تو اس وقت لوگوں کا عجیب حال ہوگا۔

عوام اپنے جن بڑوں پر دنیا میں فخر کرتے تھے وہاں ان بڑوں کو اپنی گمراہی کا ذمہ دار ٹھہرا کر وہ ان پر لعنت کریں گے۔ بڑے ان کو جواب دیں گے کہ اپنے آپ کو شرمندگی سے بچانے کے لئے ہمیں ملزم نہ ٹھہراؤ یہ ہم نہ تھے بلکہ تمہاری اپنی خواہشیں تھیں جنھوں نے تم کو گمراہ کیا۔ ہمارا ساتھ تم نے صرف اس لئے دیا کہ ہماری بات تمہاری اپنی خواہشوں کے مطابق تھی۔ تم ایسا دین چاہتے تھے جس میں اپنے آپ کو بدلے بغیر دیندار بننے کا کریڈٹ حاصل ہو جائے اور وہ ہم نے تم کو فراہم کر دیا۔ تم نے ہمارا پھندا خود اپنی گردن میں ڈالا، ورنہ ہمارے پاس کوئی طاقت نہ تھی کہ ہم اس کو تمہاری گردن میں ڈال دیتے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ
كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۳۵﴾ قُلْ اِنَّ
رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَ ع
مَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ
صَالِحًا ۡ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۳۹﴾

اور ہم نے جس بستی میں بھی کوئی ڈرانے والا بھیجا تو اس کے خوش حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم تو اس کے منکر ہیں جو دے کر تم بھیجے گئے ہو۔ اور انھوں نے کہا کہ ہم مال اور اولاد میں زیادہ ہیں اور ہم کبھی سزا پانے والے نہیں۔ کہو کہ میرا رب جس کو چاہتا ہے زیادہ روزی دیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے کم کر دیتا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد وہ چیز نہیں جو درجہ میں تم کو ہمارا مقرب بنا دے، البتہ جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیا، ایسے لوگوں کے لئے ان کے عمل کا دونا بدلہ ہے۔ اور وہ بالا خانوں میں اطمینان سے رہیں گے۔ اور جو لوگ ہماری آیتوں کو نیچا دکھانے کے لئے سرگرم ہیں وہ عذاب میں داخل کئے جائیں گے۔ کہو کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے کشادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ اور جو چیز بھی تم خرچ کرو گے تو وہ اس کا بدلہ دے گا۔ اور وہ بہتر رزق دینے والا ہے۔ ۳۴-۳۹

---

جن لوگوں کے پاس قوت اور مال آجائے ان کو موجودہ دنیا میں بڑائی کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ چیز ان کے اندر جھوٹا اعتماد پیدا کر دیتی ہے۔ ایسے لوگوں کو جب آخرت سے ڈرایا جاتا ہے تو وہ اس کو اہمیت نہیں دے پاتے۔ ان کو یقین نہیں آتا کہ دنیا میں جب خدا نے ان کو عزت دی ہے تو آخرت میں وہ انھیں بے عزت کر دے گا۔

یہی جھوٹا اعتماد ہر دور کے بڑوں کے لئے دعوت حق کو نہ ماننے کا سب سے بڑا سبب رہا ہے۔ اور وقت کے بڑے لوگ جب ایک چیز کو حقیر کر دیں تو چھوٹے لوگ بھی اس کو حقیر سمجھ لیتے ہیں۔ اس طرح خواص اور عوام دونوں حق کو قبول کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔

دنیا کا مال و اسباب امتحان ہے نہ کہ انعام۔ دنیا کے مال و اسباب کی زیادتی نہ کسی آدمی کے مقرب ہونے کی علامت ہے اور نہ اس کی کمی اس کے غیر مقرب ہونے کی۔ اللہ کے یہاں قربت کا مقام اسی شخص کے لئے ہے جو اس بات کا ثبوت دے کہ جو کچھ اس کو دیا گیا تھا اس میں وہ خدا کی یادوں کے ساتھ جیا اور خدا کی مقرر کی ہوئی حدوں کا اپنے آپ کو پابند رکھا۔ یہی لوگ ہیں جو آخرت میں خدا کے ابدی انعامات کے مستحق

قرار دے جائیں گے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَٰؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿٤٠﴾ قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنتَ وَلِيُّنَا مِن دُونِهِم ۖ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ ۖ أَكْثَرُهُم بِهِم مُّؤْمِنُونَ ﴿٤١﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَلَا ضَرًّا وَنَقُولُ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿٤٢﴾

اور جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا پھر وہ فرشتوں سے پوچھے گا، کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے۔ وہ کہیں گے پاک ہے تیری ذات، ہمارا تعلق تجھ سے ہے نہ کہ ان لوگوں سے۔ بلکہ یہ جنوں کی عبادت کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر لوگ انھیں کے مومن تھے۔ پس آج تم میں سے کوئی ایک دوسرے کو نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔ اور ہم ظالموں سے کہیں گے کہ آگ کا عذاب چکھو جس کو تم جھٹلاتے تھے۔ ۴۰ - ۴۲

---

فرشتے انسان کو نظر نہیں آتے۔ یہ دراصل پیغمبر ہیں جنھوں نے انسان کو فرشتوں کے وجود کی خبر دی۔ یہ خبر انھیں اس لئے دی گئی تھی کہ وہ خدا کے عظمت و جلال کو محسوس کریں اور پوری طرح اس کی عبادت میں لگ جائیں۔ مگر شیطان نے عجیب و غریب طور پر لوگوں کو سکھایا کہ براہ راست خدا کا تقرب حاصل کرنا مشکل ہے۔ اس لئے انھیں چاہئے کہ وہ فرشتوں کی عبادت کریں اور ان کے ذریعہ سے خدا کا تقرب حاصل کریں۔ چنانچہ ساری دنیا میں فرشتوں کے بت بنا کر ان کی عبادت شروع کر دی گئی۔ دیوی دیوتاؤں کا عقیدہ بھی دراصل فرشتوں ہی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ جو فرشتہ بارش پر مقرر تھا اس کو بارش کا دیوتا سمجھ لیا۔ جو فرشتہ ہوا پر مقرر تھا اس کو ہوا کا دیوتا سمجھ لیا۔ وغیرہ۔

فرشتے آخرت میں ایسے عبادت گزاروں سے برأت ظاہر کریں گے۔ آخرت میں ان کو نہ خدا کی مدد حاصل ہوگی اور نہ فرشتوں کی۔ وہ ہمیشہ کے لئے بے یار و مددگار ہو کر رہ جائیں گے۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَٰذَا إِلَّا رَجُلٌ يُرِيدُ أَن يَصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُكُمْ وَقَالُوا مَا هَٰذَا إِلَّا إِفْكٌ مُّفْتَرًى ۚ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا

لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۳﴾ وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ
يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿۴۴﴾ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ
وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۵﴾

اور جب ان کو ہماری کھلی کھلی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ تو بس ایک شخص ہے جو چاہتا ہے کہ تم کو ان سے روک دے جن کی تمہارے باپ دادا عبادت کرتے تھے۔ اور انھوں نے کہا، یہ تو محض ایک جھوٹ ہے گھڑا ہوا۔ اور ان منکروں کے سامنے جب حق آیا تو انھوں نے کہا کہ یہ تو بس کھلا ہوا جادو ہے۔ اور ہم نے ان کو کتابیں نہیں دی تھیں جن کو وہ پڑھتے ہوں۔ اور ہم نے تم سے پہلے ان کے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا۔ اور ان سے پہلے والوں نے بھی جھٹلایا۔ اور یہ اس کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے جو ہم نے ان کو دیا تھا۔ پس انھوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا، تو کیسا تھا ان پر میرا عذاب۔ ۴۵-۴۳

---

قرآن اپنے مخاطبین کے سامنے کھلے کھلے دلائل دے رہا تھا۔ مخاطبین دلیل سے اس کا توڑ نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے باوجود وہ عوام کو اس سے روکنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کی اس کامیابی کا واحد راز یہ تھا کہ انھوں نے لوگوں کو یہ کہہ کر اس کی طرف سے مشتبہ کر دیا کہ یہ ہمارے اسلاف کے طریقہ کے خلاف ہے۔ قرآن میں جو معجزانہ ادب تھا اس کا انکار ناممکن تھا۔ اس کے بارے میں لوگوں کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیا گیا کہ یہ محض جادو بیانی کا کرشمہ ہے، وحی الٰہی ہونے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ محض قلم کا زور ہے نہ کہ علم حقیقت کا زور ــــــ تاریخ کا یہ تجربہ نہایت عجیب ہے کہ ہر دور کے لوگوں کے لئے دلیل کے مقابلہ میں تعصب زیادہ طاقتور ثابت ہوا ہے۔

قرآن کے مخاطبین کے پاس قرآن کا انکار کرنے کے لئے یا تو عقلی دلائل ہوتے جن کے ذریعہ وہ اس کو رد کر سکتے یا ان کے پاس کوئی دوسری آسمانی کتاب ہوتی جس سے قرآن کی تردید نکالی جا سکتی۔ مخاطبین قرآن کے پاس ان دونوں میں سے کوئی چیز موجود نہ تھی۔ مزید یہ کہ دنیوی ترقی میں بھی وہ دوسری قوموں سے بہت زیادہ پیچھے تھے۔ جن لوگوں کا یہ حال ہو وہ اگر دعوتِ حق کا انکار کرتے ہیں تو اس کی وجہ ہٹ دھرمی ہے نہ کہ معقولیت۔

قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُم بِوَاحِدَةٍ ۖ أَن تَقُومُوا لِلَّهِ مَثْنَىٰ وَفُرَادَىٰ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا ۚ
مَا بِصَاحِبِكُم مِّن جِنَّةٍ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُم بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ﴿۴۶﴾
قُلْ مَا سَأَلْتُكُم مِّنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ
شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۴۷﴾

کہو میں تم کو ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں۔ یہ کہ تم خدا کے واسطے کھڑے ہو جاؤ، دو دو اور ایک ایک، پھر سوچو کہ تمہارے ساتھی کو جنون نہیں ہے۔ وہ تو بس ایک سخت عذاب سے پہلے تم کو ڈرانے والا ہے۔ کہو کہ میں نے تم سے کچھ معاوضہ مانگا ہو تو وہ تمہارا ہی ہے۔ میرا معاوضہ تو بس اللہ کے اوپر ہے۔ اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ ۴۶ - ۴۷

---

پیغمبر کے معاصرین نے پیغمبر کی دعوت کا انکار کر دیا۔ مگر اس کے پیچھے ضد اور تعصب کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ ضد اور تعصب سے خالی ہو کر سوچتے، خواہ اکیلے اکیلے سوچتے، یا چند آدمی مل کر اجتماعی طور پر غور کرتے، تو وہ پاتے کہ ان کا پیغمبر کوئی دیوانہ آدمی نہیں ہے۔ آپ کی سابقہ زندگی آپ کی سنجیدگی کی گواہی دیتی۔ آپ کا دردمندانہ انداز بتاتا کہ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہی آپ کے دل کی آواز ہے۔ آپ کے کلام کا حکیمانہ اسلوب اس کی صحت کی داخلی شہادت نظر آتا۔ آپ کا کسی معاوضہ کا طالب نہ ہونا ظاہر کرتا کہ آپ نے اس کام کو محض اللہ کی خاطر شروع کیا ہے نہ کہ ذاتی تجارت کی خاطر۔ غیر جانب دارانہ غور و فکر میں وہ جان لیتے کہ آپ کی بے قراری جنون کی بے قراری نہیں ہے بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ آپ جس خطرہ سے ڈرانے کے لئے اٹھے ہیں اس کو اپنی آنکھوں سے آتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔ مگر وہ دعوت حق کے بارہ میں سنجیدہ نہ تھے اس لئے یہ کھلے ہوئے حقائق ان کو نظر بھی نہ آسکے۔

قُلْ إِنَّ رَبِّي يَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿۴۸﴾ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ
الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ﴿۴۹﴾ قُلْ إِن ضَلَلْتُ فَإِنَّمَا أَضِلُّ عَلَىٰ نَفْسِي ۖ وَإِنِ
اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوحِي إِلَيَّ رَبِّي ۚ إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ ﴿۵۰﴾

کہو کہ میرا رب حق کو (باطل پر) مارے گا، وہ چھپی چیزوں کو جاننے والا ہے۔ کہو کہ حق آگیا اور باطل نہ آغاز کرتا ہے اور نہ اعادہ۔ کہو کہ اگر میں گمراہی پر ہوں تو میری گمراہی کا وبال مجھ پر ہے اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو یہ اس وحی کی بدولت ہے جو میرا رب میری طرف بھیج رہا ہے۔ بے شک وہ سننے والا ہے، قریب ہے۔ ۵۰ - ۴۸

---

دنیا کی تخلیق حق پر ہوئی ہے۔ یہاں سارا زور حق کی طرف ہے۔ یہاں تمام دلائل حق کی تائید کرتے ہیں۔ حقیقتِ واقعہ کے اعتبار سے یہاں باطل کو کوئی زور اور کوئی دلیل حاصل نہیں۔ ایسی حالت میں یہ ہونا چاہئے کہ حق یہاں ہمیشہ سر بلند رہے اور باطل یہاں سراسر بے وزن ہو کر رہ جائے۔ مگر عملاً ایسا نہیں ہوتا۔ اس دنیا میں حق اتنا طاقتور نہیں کہ وہ خود اپنے زور پر باطل کا خاتمہ کر دے اور باطل اتنا بے وقعت نہیں کہ اس کی بنیاد پر کسی شخص کے لئے عزت اور سربلندی حاصل کرنا ممکن نہ ہو۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دنیا امتحان کی جگہ ہے۔ یہاں آزمائش کا قانون جاری ہے۔ اس لئے یہاں باطل کو بھی ابھرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ مگر یہ صورت حال عارضی طور پر صرف امتحان کی مدت تک ہے۔ قیامت آتے ہی یہ غیر واقعی صورت حال یکسر ختم ہو جائے گی۔ اس وقت تمام نظری اور عملی زور صرف حق کی طرف ہوگا اور باطل سراسر بے قیمت ہو کر رہ جائے گا۔

یہ واقعہ اپنی کامل صورت میں قیامت میں ظاہر ہوگا۔ مگر جب اللہ چاہتا ہے اس کو جزئی طور پر موجودہ دنیا میں بھی ظاہر کر دیتا ہے تاکہ لوگوں کے لئے سبق ہو۔ دور اول میں اسلام کا غلبہ اسی قسم کا ایک جزئی اظہار تھا۔ چنانچہ جب کہ فتح ہوا اور توحید کو شرک کے اوپر بالاتری حاصل ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ آیت تھی: جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ فَزِعُوا فَلَا فَوْتَ وَأُخِذُوا مِنْ مَكَانٍ قَرِيبٍ ﴿٥١﴾ وَقَالُوا آمَنَّا بِهِ
وَأَنَّىٰ لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ ﴿٥٢﴾ وَقَدْ كَفَرُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ وَ
يَقْذِفُونَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ ﴿٥٣﴾ وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا

فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ۝ ع ۶ / ۱۲

اور اگر تم دیکھو، جب یہ گھبرائے ہوئے ہوں گے۔ پس وہ بھاگ نہ سکیں گے اور قریب ہی سے پکڑ لئے جائیں گے۔ اور وہ کہیں گے کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ اور اتنی دور سے ان کے لئے اس کا پانا کہاں۔ اور اس سے پہلے انھوں نے اس کا انکار کیا۔ اور بن دیکھے دور جگہ سے باتیں پھینکتے رہے۔ اور ان کی اور ان کی آرزو میں آڑ کر دی جائے گی جیسا کہ اس سے پہلے ان کے ہم مشربوں کے ساتھ کیا گیا۔ وہ بڑے دھوکے والے شک میں پڑے رہے۔ ۵۱ - ۵۴

---

موجودہ دنیا میں آدمی حق کا انکار کرتا ہے تو فوراً اس کا انجام سامنے نہیں آتا۔ یہ صورت حال اس کو انکار حق کے معاملہ میں ڈھیٹ بنا دیتی ہے۔ وہ حق کی دعوت کو سنجیدہ توجہ کے قابل نہیں سمجھتا۔ وہ حقارت آمیز الفاظ میں اس کا ذکر کرتا ہے۔ وہ بے پروائی کے ساتھ اس کو رد کر دیتا ہے۔ وہ اس پر اس طرح غیر ذمہ دارانہ انداز میں تبصرہ کرتا ہے جیسے کہ وہ کسی لحاظ کا مستحق ہی نہیں۔

مگر جب دنیا کا موجودہ نظام ختم ہوگا تو اچانک سارا معاملہ بالکل بدل جائے گا۔ اب آدمی کو نظر آئے گا کہ وہی چیز سب سے زیادہ اہم تھی جس کو وہ سب سے زیادہ نظر انداز کئے ہوئے تھا۔ یہ دیکھ کر اس کی ساری اکڑ ختم ہو جائے گی۔ وہ اس حق کا والہانہ اعتراف کرنے لگے گا جس کو وہ دنیا میں کسی توجہ کے لائق نہیں سمجھتا تھا۔ مگر اب وقت نکل چکا ہوگا۔ اس سے کہا جائے گا کہ اعتراف کی قیمت عالم غیب میں تھی، عالم شہود میں اعتراف کی کوئی قیمت نہیں۔

"شک مریب" کا مطلب ہے تردد میں ڈالنے والا شک۔ یہ منکرین کی نفسیاتی حالت کی تصویر ہے۔ دنیا میں جو حق ان کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا وہ زبان و بیان کے اعتبار سے اتنا طاقت ور تھا کہ وہ اپنے آپ کو اس سے بے بس پاتے تھے کہ دلیل کے ذریعہ اس کو رد کر سکیں۔ مگر یہ حق چونکہ ان کے ذہنی سانچہ کے خلاف تھا اس لئے وہ اس کو قبول کرنے پر بھی آمادہ نہ ہو سکے۔ اس دو طرفہ صورت حال نے انھیں ایک قسم کے اندرونی خلجان میں مبتلا رکھا۔ یہاں تک کہ موت کے فرشتہ نے آکر وہ پردہ ان کی آنکھ سے ہٹا دیا جس کو انھیں خود اپنے ہاتھ سے ہٹانا تھا۔ مگر وہ اس کو ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

سُورَةُ فَاطِرٍ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَاٰيَاتُهَا ۴۵ رُكُوْعَاتُهَا ۵

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ
مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ①
مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ
مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ②

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

تعریف اللہ کے لئے ہے، آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا، فرشتوں کو پیغام رساں بنانے والا جن کے پر ہیں دو دو اور تین تین اور چار چار۔ وہ پیدائش میں جو چاہے زیادہ کر دیتا ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ جو رحمت لوگوں کے لئے کھولے تو کوئی اس کا روکنے والا نہیں۔ اور جس کو وہ روک لے تو کوئی اس کو کھولنے والا نہیں۔ اور وہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔ ۲-۱

---

فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے پیغام رسانی کے لئے اور اپنے احکام کی تنفیذ کے لئے پیدا کیا ہے۔ مگر شیطان نے لوگوں کو سکھایا کہ فرشتے مستقل بالذات حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ دنیا میں برکت اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ چنانچہ کچھ قومیں لات اور منات جیسے ناموں سے ان کی فرضی تصویریں بنا کر ان کی عبادت کرنے لگیں۔ کچھ قوموں نے ان کو دیوی دیوتا قرار دے کر انھیں پوجنا شروع کر دیا۔ موجودہ زمانہ میں قانون فطرت (Law of nature) کی تعظیم بھی اسی گمراہی کا جدید ایڈیشن ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ فرشتے ہوں یا قانون فطرت، سب ایک خدا کے محکوم ہیں۔ سب ایک خدا کے کارگزار ہیں، خواہ وہ دو بازوؤں والے ہوں یا ۶۰۰ بازوؤں والے یا ۶۰۰ کرور بازوؤں والے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ
مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ڮ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ③ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ
كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ④

اے لوگو اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو تم کہاں سے دھوکا کھا رہے ہو۔ اور اگر یہ لوگ تم کو جھٹلائیں تو تم سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر جھٹلائے جا چکے ہیں۔ اور سارے امور اللہ ہی کی طرف رجوع ہونے والے ہیں۔ ۴-۳

---

انسان اپنی زندگی کے لئے بے شمار چیزوں کا محتاج ہے۔ مثلاً روشنی، پانی، ہوا، خوراک، معدنیات وغیرہ۔ ان میں سے ہر چیز ایسی ہے کہ اس کو وجود میں لانے کے لئے کائناتی طاقتوں کا متحدہ عمل درکار ہے۔ ایک خدا کے سوا کون ہے جو اتنے بڑے واقعہ کو ظہور میں لانے کی طاقت رکھتا ہو۔ مشرک اور ملحد لوگ بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ ان اسباب حیات کی فراہمی ایک خدا کے سوا کوئی اور کر سکتا ہے۔ پھر جب ان تمام چیزوں کا خالق اور منتظم ایک خدا ہے تو اس کے سوا دوسروں کو معبود بنانا کیوں کر درست ہو سکتا ہے۔

تاریخ کا یہ عجیب تجربہ ہے کہ جو لوگ خدا کے سوا دوسروں کو بڑائی کا مقام دئے ہوئے ہوں وہ ان کو چھوڑ کر خدا کو اپنا بڑا بنانے پر راضی نہیں ہوتے، خواہ اس کی دعوت پیغمبرانہ سطح پر کیوں نہ دی جا رہی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ ہمیشہ مانے ہوئے کو مانتے ہیں۔ جب کہ پیغمبر پر یقین کرنے کا مطلب اس وقت یہ ہوتا ہے کہ آدمی نہ مانے ہوئے کو مانے۔ اس قسم کے ایمان کو حاصل کرنے کی شرط یہ ہے کہ آدمی خود اپنی فکری قوتوں کو بیدار کرے، وہ اپنی ذاتی بصیرت سے سچائی کو دریافت کرے۔ اور بلا شبہ یہ کسی انسان کے لئے ہمیشہ سب سے زیادہ مشکل کام رہا ہے۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۗ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ
بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝٥ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ
لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝٦ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ڛ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
ع ۱۲ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝٧

اے لوگو بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ تو دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے۔ اور نہ وہ بڑا دھوکہ باز تم کو اللہ کے باب میں دھوکہ دینے پائے۔ بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم اس کو دشمن ہی سمجھو وہ تو اپنے گروہ کو اسی لئے بلاتا ہے کہ وہ دوزخ والوں میں سے ہو جائیں۔ جن لوگوں نے انکار کیا ان کے

لئے سخت عذاب ہے۔ اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کیا ان کے لئے معافی ہے اور بڑا اجر ہے۔ ۷-۵

---

خدا نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ زندگی کی نوعیت کے بارے میں جو خبر دی ہے وہ بظاہر ایک خیالی بات معلوم ہوتی ہے۔ کیوں کہ آدمی فوراً ان سے دوچار نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس دنیا کی چیزیں حقیقی نظر آتی ہیں۔ کیوں کہ آدمی آج ہی ان سے دوچار ہو رہا ہے۔ موت اور زلزلہ اور حادثات آدمی کو چونکا کرتے ہیں۔ یہ گویا قیامت سے پہلے قیامت کی اطلاع ہیں۔ مگر شیطان فوراً ہی لوگوں کے ذہن کو یہ کہہ کر پھیر دیتا ہے کہ یہ سب اسباب کے تحت پیش آنے والے واقعات ہیں نہ کہ خدائی مداخلت کے تحت۔ مگر اس قسم کا ہر خیال شیطان کا فریب ہے۔ وہ دن آنا لازمی ہے جب کہ جھوٹ اور سچ میں تفریق ہو جب کہ اچھے لوگوں کو ان کی اچھائی کا انعام ملے اور برے لوگوں کو ان کی برائی کی سزا دی جائے۔

أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا ۖ فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۝٨

کیا ایسا شخص جس کو اس کا برا عمل اچھا کر کے دکھایا گیا، پھر وہ اس کو اچھا سمجھنے لگا، پس اللہ جس کو چاہتا ہے بھٹکا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ پس ان پر افسوس کر کے تم اپنے کو ہلکان نہ کرو۔ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ ۸

---

اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کو یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ سوچے اور حق اور ناحق کے درمیان تمیز کر سکے۔ جو آدمی اپنی اس فطری صلاحیت کو استعمال کرتا ہے وہ ہدایت پاتا ہے۔ اور جو شخص اس فطری صلاحیت کو استعمال نہیں کرتا وہ ہدایت نہیں پاتا۔

آدمی کے سامنے جب حق آئے تو فوراً اس کے ذہن کو جھٹکا لگتا ہے۔ اس وقت اس کے لئے دو راستے ہوتے ہیں۔ اگر وہ حق کا اعتراف کرلے تو اس کا ذہن صحیح سمت میں چل پڑتا ہے۔ وہ حق کا مسافر بن جاتا ہے اس کے برعکس اگر ایسا ہو کہ کوئی مصلحت یا کوئی نفسیاتی پیچیدگی اس کے سامنے آئے اور وہ اس سے متاثر ہو کر حق کا اعتراف کرنے سے رک جائے تو اس کا ذہن اپنے عدم اعتراف کو جائز ثابت کرنے کے لئے باتیں گھڑنا شروع کرتا ہے۔ وہ اپنے برے عمل کو اچھا عمل ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ ایک ذہنی بیماری ہے۔ اور جو لوگ اس قسم کی ذہنی بیماری میں مبتلا ہو جائیں وہ کبھی حق کا اعتراف نہیں کر پاتے۔

یہاں تک کہ اسی حال میں مرکر وہ خدا کے یہاں پہنچ جاتے ہیں۔ تاکہ اپنے کیے کا انجام پائیں۔

وَاللّٰهُ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝۹ مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِیْعًا ؕ اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ ؕ وَالَّذِیْنَ یَمْكُرُوْنَ السَّیِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ یَبُوْرُ ۝۱۰

اور اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے۔ پھر وہ بادل کو اٹھاتی ہیں۔ پھر ہم اس کو ایک مردہ دیس کی طرف لے جاتے ہیں۔ پس ہم نے اس سے اس زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد پھر زندہ کر دیا۔ اسی طرح ہوگا دوبارہ جی اٹھنا۔ جو شخص عزت چاہتا ہو تو عزت تمام تر اللہ کے لئے ہے۔ اس کی طرف پاکیزہ کلام چڑھتا ہے اور عمل صالح اس کو اوپر اٹھاتا ہے۔ اور جو لوگ بری تدبیریں کر رہے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ اور ان کی تدبیریں نابود ہو کر رہیں گی۔ ۱۰—۹

---

موجودہ دنیا آخرت کی تمثیل ہے۔ بارش ایک معلوم واقعہ کی صورت میں نامعلوم واقعہ کو ممثل کر رہی ہے۔ بارش کیا ہے۔ بارش پوری کائنات کے ایک متحدہ عمل کا نتیجہ ہے۔ سورج اور ہوا اور سمندر اور کشش اور دوسرے بہت سے عالمی اسباب کامل ہم آہنگی کے ساتھ عمل کرتے ہیں۔ اس طرح وہ بارش ظہور میں آتی ہے جو خشک زمین پر زندگی پیدا کر دے۔

بارش کا یہ عمل ثابت کرتا ہے کہ کائنات کا ناظم پوری کائنات پر کامل اختیار رکھتا ہے۔ وہ ایک واقعہ کو اپنے منصوبہ کے تحت ظہور میں لاتا ہے۔ اور پھر اس کے مٹنے کے بعد اس کو دوبارہ ظاہر کر دیتا ہے، خواہ اس کو دوبارہ ظاہر کرنے کے لئے پوری کائنات کو متحرک کرنا پڑے۔

مُردہ زمین کو دوبارہ سرسبز کرنا، اور مردہ انسان کو دوبارہ زندہ کرنا، دونوں یکساں درجہ کے واقعات ہیں۔ پھر جب پہلا واقعہ ممکن ثابت ہو جائے تو اس کے بعد اسی کے مماثل دوسرے واقعہ کا ممکن ہونا اپنے آپ ثابت ہو جاتا ہے۔

موجودہ دنیا امتحان کی جگہ ہے، اس لئے یہاں عزت وقتی طور پر ایک غیر مستحق کو بھی مل جاتی ہے۔ مگر آخرت میں ساری عزت ان لوگوں کا حصہ ہوگی جو واقعی اس کا استحقاق رکھتے ہوں۔ اس استحقاق کا معیار

کلمہ طیب اور عمل صالح ہے۔ یعنی اللہ کو اس طرح پانا کہ وہی آدمی کی یاد بن جائے جس میں وہ جیے۔ وہی اس کا عمل بن جائے جس میں وہ اپنی قوتیں صرف کرے۔ جو لوگ اس طرح اپنی زندگی کی تعمیر کریں خدا ان کا مددگار بن جاتا ہے اور جن لوگوں کا خدا مددگار بن جائے انھیں زیر کرنے والا کوئی نہیں۔

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا ۚ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ۚ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُعَمَّرٍ وَلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهِ إِلَّا فِي كِتَابٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿١١﴾

اور اللہ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر پانی کی بوند سے، پھر تم کو جوڑے جوڑے بنایا۔ اور کوئی عورت نہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے۔ اور نہ کوئی عمر والا بڑی عمر پاتا ہے اور نہ کسی کی عمر گھٹتی ہے مگر وہ ایک کتاب میں درج ہے۔ بے شک یہ اللہ پر آسان ہے۔ ۱۱

---

پہلا انسان ارضی اجزاء سے بنایا گیا۔ پھر خدا نے انسان کو ایک بوند میں بشکل بیج رکھ دیا۔ پھر انسانوں کو عورت اور مرد میں تقسیم کرکے ان کے جوڑے سے انسانی نسل چلائی۔ یہ واقعہ خدا کی بے پناہ قدرت کو بتاتا ہے۔

پھر ایک بچہ جب پیٹ میں پرورش پانا شروع کرتا ہے تو وہ پاتا ہے کہ پیٹ کے اندر وہ تمام موافق اسباب بلا طلب موجود ہیں جو اس کو ناگزیر طور پر مطلوب تھے۔ یہ واقعہ مزید ثابت کرتا ہے کہ بچے کا پیدا کرنے والا بچے کی ضرورتوں کو پہلے سے جانتا تھا ورنہ وہ پیشگی طور پر اس کا اتنا مکمل انتظام کس طرح کرتا۔

یہی معاملہ عمر کا ہے۔ کوئی شخص اس پر قادر نہیں کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق اپنی عمر کا تعین کرسکے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عمر کا معاملہ تمام تر کسی خارجی ہستی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے کم عمری میں اٹھا لیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے لمبی عمر دے دیتا ہے۔ ان سارے واقعات میں ایک خدا کے سوا کسی کا کوئی دخل نہیں پھر کیسے درست ہوسکتا ہے کہ آدمی ایک خدا کے سوا کسی اور سے اندیشہ رکھے، وہ کسی اور سے امیدیں قائم کرے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۖ وَمِنْ

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۖ وَمِنْ
كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ
مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿١٢﴾ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ
النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ ذٰلِكُمُ
اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۭ﴿١٣﴾
اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ
ع ٢ ١٤ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿١٤﴾

اور دونوں دریا یکساں نہیں۔ یہ میٹھا ہے، پیاس بجھانے والا، پینے کے لئے خوشگوار۔ اور یہ کھاری کڑوا ہے۔ اور تم دونوں سے تازہ گوشت کھاتے ہو اور زینت کی چیز نکالتے ہو جس کو پہنتے ہو۔ اور تم دیکھتے ہو جہازوں کو کہ وہ اس میں پھاڑتے ہوئے چلتے ہیں۔ تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔ وہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور وہ داخل کرتا ہے دن کو رات میں۔ اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا ہے۔ ہر ایک چلتا ہے ایک مقرر وقت کے لئے۔ یہ اللہ ہی تمہارا رب ہے، اسی کے لئے بادشاہی ہے۔ اور اس کے سوا تم جنھیں پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے ایک چھلکے کے بھی مالک نہیں۔ اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہیں سنیں گے۔ اور اگر وہ سنیں تو وہ تمہاری فریادرسی نہیں کرسکتے۔ اور وہ قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کریں گے۔ اور ایک باخبر کی طرح کوئی تم کو نہیں بتا سکتا۔ ۱۴ - ۱۲

---

زمین پر پانی کا عظیم الشان ذخیرہ ہے، وسیع سمندروں میں کھاری پانی کی صورت میں، اور دریاؤں اور جھیلوں اور چشموں میں میٹھے پانی کی صورت میں۔ یہ پانی آدمی کے لئے بے شمار فوائد کا ذریعہ ہے۔ وہ پینے کے لئے اور آب پاشی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس سے آبی جانور حاصل ہوتے ہیں جو انسان کے لئے قیمتی خوراک ہیں۔ کرۂ ارض کے تین چوتھائی حصہ میں پھیلے ہوئے سمندر گویا وسیع آبی سڑکیں ہیں جنھوں نے سفر اور بار برداری کو بے حد آسان کر دیا ہے۔ سمندروں سے موتی اور دوسری قیمتی چیزیں حاصل ہوتی ہیں، وغیرہ۔

پھر وسیع خلا میں خدا نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے جن میں بے شمار فائدے ہیں۔ اس نے زمین کو سورج کے گرد اپنے محور پر کامل حساب کے ساتھ گھمار کھا ہے جس سے رات اور دن پیدا ہوتے ہیں۔ اس

طرح کے بے شمار کائناتی انتظامات ہیں جو صرف خدا کے قائم کردہ ہیں۔ پھر خدا کے سوا کون ہے جو انسان کے جذبۂ شکر کا مستحق ہو۔ اتھاہ طاقتیں رکھنے والا خدا انسان کی حاجتیں پوری کر سکتا ہے یا وہ مفروضہ معبود جو کسی قسم کا کوئی اختیار نہیں رکھتے۔

يَاأَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿١٥﴾ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ
وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٦﴾ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ﴿١٧﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ
أُخْرَىٰ ۚ وَإِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۗ
إِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ۚ وَمَنْ تَزَكَّىٰ فَإِنَّمَا يَتَزَكَّىٰ
لِنَفْسِهِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿١٨﴾

اے لوگو، تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تو بے نیاز ہے تعریف والا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم کو لے جائے اور ایک نئی مخلوق لے آئے۔ اور یہ اللہ کے لئے کچھ مشکل نہیں۔ اور کوئی اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ اور اگر کوئی بھاری بوجھ والا اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے پکارے تو اس میں سے ذرا بھی نہ اٹھایا جائے گا، اگرچہ وہ قرابت والا کیوں نہ ہو۔ تم تو صرف انھیں لوگوں کو ڈرا سکتے ہو جو بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں۔ اور جو شخص پاک ہوتا ہے وہ اپنے لئے پاک ہوتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

۱۸-۱۵

موجودہ دنیا میں انسان انتہائی حد تک غیر محفوظ (Vulnerable) ہے۔ انسان کا سارا معاملہ فطرت کے خاص توازن پر منحصر ہے۔ یہ توازن باقی نہ رہے تو ایک لمحہ میں انسانی زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔

سورج اگر اپنے موجودہ فاصلہ کو ختم کر کے زمین کے قریب آجائے تو اچانک تمام انسان جل بھن کر خاک ہو جائیں۔ زمین کے اندر اس کا بڑا حصہ بے حد گرم مادہ کی صورت میں ہے۔ اس گرم مادہ کی حرکت اوپر کی طرف ہو جائے تو سطح زمین پر ایسا زلزلہ پیدا ہو کہ تمام آبادیاں کھنڈر بن کر رہ جائیں۔ اوپری فضا سے ہر وقت شہابی پتھر (Meteors) برستے رہتے ہیں۔ اگر موجودہ انتظام بگڑ جائے تو یہ شہابیے ایک ایسی سنگ باری کی صورت اختیار کر لیں جس سے کسی حال میں بھی بچاؤ ممکن نہ ہو۔ اس طرح کے بے شمار ہلاکت خیز امکانات ہر وقت انسان کو گھیرے میں لئے ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان ایک ایسی مخلوق ہے جو کامل طور پر محتاج ہے۔ انسان کو خدا کی ضرورت ہے نہ کہ خدا کو انسان کی ضرورت۔

قیامت کا بوجھ خود اپنے گناہوں کا بوجھ ہوگا نہ کہ اینٹ پتھر کا بوجھ۔ اینٹ پتھر کے بوجھ میں ایک شخص کسی دوسرے شخص کا حصہ دار بن سکتا ہے مگر خود اپنے برے عمل سے جو رسوائی اور تکلیف کسی شخص کو لاحق ہو وہ انتہائی ذاتی نوعیت کا عذاب ہوتا ہے۔ اس میں کسی دوسرے کے لئے حصہ دار بننے کا سوال نہیں۔

حقیقت نہایت واضح ہے مگر حقیقت کو وہی شخص سمجھتا ہے جو اس کو سمجھنا چاہے۔ جو شخص اس بارے میں سنجیدہ ہی نہ ہو کہ حقیقت کیا ہے اور بے حقیقت کیا، اس کو کوئی بات سمجھائی نہیں جا سکتی۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿١٩﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿٢٠﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا
الْحَرُوْرُ ﴿٢١﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَآءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ أَنْتَ
بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿٢٢﴾ إِنْ أَنْتَ إِلَّا نَذِيْرٌ ﴿٢٣﴾ إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ
نَذِيْرًا ۚ وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿٢٤﴾ وَإِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ أَخَذْتُ
ع ۳ ۱۵ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿٢٦﴾

اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں۔ اور نہ اندھیرا اور نہ اجالا۔ اور نہ سایہ اور نہ دھوپ۔ اور زندہ اور مُردہ برابر نہیں ہو سکتے۔ بے شک اللہ سناتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے۔ اور تم ان کو سنانے والے نہیں بن سکتے جو قبروں میں ہیں۔ تم تو بس ایک خبردار کرنے والے ہو۔ ہم نے تم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر۔ اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔ اور اگر یہ لوگ تم کو جھٹلاتے ہیں تو ان سے پہلے جو لوگ ہوئے ہیں۔ انھوں نے بھی جھٹلایا۔ ان کے پاس ان کے پیغمبر کھلے دلائل اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے۔ پھر جن لوگوں نے نہ مانا ان کو میں نے پکڑ لیا، تو دیکھو کہ کیسا ہوا ان کے اوپر میرا عذاب۔ ۲۶ ـ ۱۹

یہ ایک حقیقت ہے کہ جو ابہد روشنی سے کی جا سکتی ہے وہ تاریکی سے نہیں کی جا سکتی۔ اسی طرح سایہ سے جو چیز ملے گی وہ دھوپ سے ملنے والی نہیں۔ یہی معاملہ انسان کا ہے۔ انسانوں میں کچھ آنکھ والے ہوتے ہیں اور کچھ اندھے ہوتے ہیں۔ آنکھ والا فوراً اپنے راستہ کو دیکھ کر اسے پہچان لیتا ہے۔ مگر جو اندھا ہو وہ صرف

بھٹکتا پھرے گا۔ اس کو کبھی اپنے راستہ کی پہچان نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح اندرونی معرفت کے اعتبار سے بھی دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک جاندار اور دوسرے بے جان۔ جاندار انسان وہ ہے جو باتوں کو اس کی گہرائی کے ساتھ دیکھتا ہے۔ جو لفظی فریب کا پردہ پھاڑ کر معانی کا ادراک کرتا ہے۔ جو سطحی پہلوؤں سے گزر کر حقیقت واقعہ کو جاننے کی کوشش کرتا ہے۔ جو چیزوں کو ان کے جوہر کے اعتبار سے پرکھتا ہے نہ کہ محض ان کے ظاہر کے اعتبار سے۔ جس کی نگاہ ہمیشہ اصل حقیقت پر رہتی ہے نہ کہ غیر متعلق موشگافیوں پر۔ جو اس کا تحمل نہیں کر سکتا کہ سچائی کو جان لینے کے بعد وہ اپنے آپ کو اس سے وابستہ نہ کرے۔ یہی جاندار لوگ ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کو موجودہ دنیا میں حق کو قبول کرنے کی توفیق ملتی ہے۔ اور جو لوگ اس کے برعکس صفات رکھتے ہوں وہ مُردہ انسان ہیں۔ وہ امتحان کی اس دنیا میں کبھی قبول حق کی توفیق نہیں پاتے۔ وہ دعوت حق کے مقابلہ میں اندھے بنے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ مر کر خدا کے یہاں چلے جاتے ہیں تاکہ اپنے اندھے پن کا انجام بھگتیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ وَ
مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿٢٧﴾ وَمِنَ
النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ
عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿٢٨﴾

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا۔ پھر ہم نے اس سے مختلف رنگوں کے پھل پیدا کر دئے۔ اور پہاڑوں میں بھی سفید اور سرخ مختلف رنگوں کے ٹکڑے ہیں اور گہرے سیاہ بھی۔ اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی مختلف رنگ کے ہیں۔ اللہ سے اس کے بندوں میں سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔ بے شک اللہ زبردست ہے، بخشنے والا ہے۔ ۲۸-۲۷

---

بادل سے ایک ہی پانی برستا ہے مگر اس سے مختلف قسم کی چیزیں اگتی ہیں۔ اچھے درخت بھی اور جھاڑ جھنکاڑ بھی۔ اسی طرح ایک ہی مادہ ہے جو پہاڑوں کی صورت میں منجمد ہوتا ہے مگر ان میں کچھ سرخ و سفید ہیں اور کچھ بالکل کالے۔ اسی طرح جاندار بھی سب ایک غذا کھاتے ہیں۔ مگر ان میں سے کوئی انسان کے لئے کارآمد ہے اور کوئی بے کار۔

اس سے معلوم ہوا کہ فیض خواہ عام ہو مگر اس سے فائدہ ہر ایک کو اس کی اپنی استعداد کے مطابق پہنچتا ہے۔

یہی معاملہ انسان کا بھی ہے۔ دعوت حق کی صورت میں خدا کی جو رحمت بکھیری جاتی ہے وہ اگرچہ بذات خود ایک ہوتی ہے مگر مختلف انسان اپنے اندرونی مزاج کے مطابق اس سے مختلف قسم کا تاثر قبول کرتے ہیں۔ کوئی شخص حق کی دعوت میں اپنی روح کی غذا پا لیتا ہے، وہ فوراً اس کو قبول کر کے اپنے آپ کو اس سے وابستہ کر دیتا ہے اور کسی کی نفسیات اس کے لیے حق کو ماننے میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ وہ اس سے بدکتا ہے، حتیٰ کہ اس کا مخالف بن کر کھڑا ہو جاتا ہے۔

حق کی دعوت جس شخص کے لئے اس کے دل کی آواز ثابت ہو وہی علم والا انسان ہے۔ اس کے اندر فطرت کی خدائی روشنی زندہ تھی۔ اس لئے اس نے حق کے ظاہر ہوتے ہی اس کو پہچان لیا۔ اس کے مقابلہ میں وہ لوگ جاہل ہیں جو اپنی فطرت کی روشنی پر پردہ ڈالے ہوئے ہوں اور جب حق ان کے سامنے بے نقاب ہو تو اس کو پہچاننے میں ناکام رہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَنْ تَبُورَ ﴿٢٩﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٣٠﴾ وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿٣١﴾

جو لوگ اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا کیا ہے اس میں سے چھپے اور کھلے خرچ کرتے ہیں، وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی ماند نہ ہوگی تاکہ اللہ ان کو ان کا پورا اجر دے۔ اور ان کے لئے اپنے فضل سے اور زیادہ کر دے۔ بیشک وہ بخشنے والا ہے، قدردان ہے۔ اور ہم نے تمہاری طرف جو کتاب وحی کی ہے وہ حق ہے، اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس کے پہلے سے موجود ہے۔ بیشک اللہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا ہے، دیکھنے والا ہے۔ ۳۱-۲۹

---

علم والا وہ ہے جو معرفت والا ہو۔ اور جس شخص کو معرفت حاصل ہو جائے وہ خدا کی کتاب کو اپنا فکری رہبر بنا لیتا ہے۔ وہ اللہ کا عبادت گزار بندہ بن جاتا ہے۔ انسانوں کے حق میں وہ اتنا مہربان ہو جاتا ہے کہ اپنی محنت کی کمائی میں سے ان کے لئے بھی حصہ لگاتا ہے۔ اس کے اندر یہ حوصلہ

پیدا ہو جاتا ہے کہ ہمہ تن اپنے آپ کو خدا کے کام میں لگا دے اور اس پر قانع رہے کہ اس کا انعام اس کو آخرت میں دیا جائے گا۔

قرآن کی صداقت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ وہ عین ان پیشین گوئیوں کے مطابق ہے جو پچھلی کتابوں میں اس سے پہلے آچکی تھیں۔ اگر کوئی شخص سنجیدہ ہو تو یہی واقعہ اس کے قرآن پر ایمان لانے کے لئے کافی ہو جائے۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَ
مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۳۲
جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ
فِيْهَا حَرِيْرٌ ۳۳ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۳۴
الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا
لُغُوْبٌ ۳۵

پھر ہم نے کتاب کا وارث بنایا ان لوگوں کو جن کو، ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا۔ پس ان میں سے کچھ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور ان میں سے کچھ بیچ کی چال پر ہیں۔ اور ان میں سے کچھ اللہ کی توفیق سے بھلائیوں میں سبقت کرنے والے ہیں۔ یہی سب سے بڑا افضل ہے۔ ہمیشہ رہنے والے باغ ھیں جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے، وہاں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے، اور وہاں ان کا لباس ریشم ہوگا۔ اور وہ کہیں گے، شکر ہے اللہ کا جس نے ہم سے غم کو دور کیا۔ بے شک ہمارا رب معاف کرنے والا، قدر کرنے والا ہے۔ جس نے ہم کو اپنے فضل سے آباد رہنے کے گھر میں اتارا، اس میں ہم کو نہ کوئی مشقت پہنچے گی اور نہ کبھی تکان لاحق ہوگی۔ ۳۵-۳۲

---

حضرت یعقوب حضرت ابراہیم کے پوتے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام سے لے کر حضرت مسیح علیہ السلام تک تمام پیغمبر بنی اسرائیل کی نسل میں پیدا ہوتے رہے۔ اس طرح تقریباً دو ہزار سال تک پیغمبری کا سلسلہ یہود کی نسل میں جاری رہا۔ مگر بعد کے دور میں یہود اس قابل نہ رہے کہ وہ کتاب الٰہی کے حامل بن سکیں۔ چنانچہ دوسری زندہ قوم (بنو اسماعیل) کو کتاب الٰہی کا حامل بننے کے لئے منتخب

کیا گیا۔ بنو اسماعیل میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اسی فیصلۂ الٰہی کی تعمیل تھی۔ اس آیت میں "منتخب بندوں" سے مراد یہی بنو اسماعیل ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بنو اسماعیل کے سامنے قرآن پیش کیا تو ان میں تین قسم کے لوگ نکلے ایک وہ جو اس کے مخالف بن کر کھڑے ہوگئے۔ دوسرے وہ جنھوں نے درمیانی راہ اختیار کی۔ تیسرا گروہ آگے بڑھنے والوں کا تھا۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے پیغمبر آخر الزماں کا ساتھ دے کر اسلام کی عظیم تاریخ بنائی۔

قرآن کا ساتھ دینے کے لئے انھیں ہر قسم کی راحت سے محروم ہوجانا پڑا۔ اس کے نتیجے میں ان کی زندگی عملاً صبر اور مشقت کی زندگی بن گئی۔ اس قربانی کی قیمت انھیں آخرت میں اس طرح ملے گی کہ خدا انھیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جہاں وہ ہمیشہ کے لئے غم اور تکلیف سے محفوظ ہو جائیں گے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۝ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاۗءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝ ع ۱۶

اور جنھوں نے انکار کیا ان کے لئے جہنم کی آگ ہے، نہ ان کی قضا آئے گی کہ وہ مر جائیں اور نہ دوزخ کا عذاب ہی ان سے ہلکا کیا جائے گا۔ ہم ہر کافر کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ اور وہ لوگ اس میں چلائیں گے اے ہمارے رب ہم کو نکال لے۔ ہم نیک عمل کریں گے، اس سے مختلف جو ہم کیا کرتے تھے۔ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی کہ جس کو سمجھنا ہوتا وہ سمجھ سکتا۔ اور تمہارے پاس ڈرانے والا آیا۔ اب چکھو کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ ۳۷ - ۳۶

---

دنیا میں حق کا انکار کرنے والے آخرت میں حق کا مکمل اعتراف کریں گے۔ مگر یہ اعتراف ان کے کچھ کام نہ آئے گا۔ کیونکہ آخرت کا اعتراف مجبور انسان کا اعتراف ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو جو اعتراف مطلوب ہے وہ اختیاری اعتراف ہے نہ کہ جبری اعتراف۔

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ هُوَ الَّذِيْ

جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ؕ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ؕ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ۝

اللہ آسمانوں اور زمین کے غیب کو جاننے والا ہے۔ بے شک وہ دل کی باتوں سے بھی باخبر ہے۔ وہی ہے جس نے تم کو زمین میں آباد کیا۔ تو جو شخص انکار کرے گا اس کا انکار اسی پر پڑے گا۔ اور منکروں کے لئے ان کا انکار، ان کے رب کے نزدیک، ناراضی ہی بڑھنے کا باعث ہوتا ہے۔ اور منکروں کے لئے ان کا انکار خسارہ ہی میں اضافہ کرے گا۔ ۳۸—۳۹

---

اس آیت میں خلیفہ سے مراد پچھلی قوموں کا خلیفہ بننا ہے۔ "تم کو زمین میں خلیفہ بنایا" کا مطلب ہے پچھلی قوموں کے گزرنے کے بعد تم کو ان کی جگہ زمین میں آباد کیا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ ہے کہ وہ ایک قوم کو زمین میں بسنے اور عمل کرنے کا موقع دیتا ہے۔ پھر جب وہ قوم اپنی نااہلی ثابت کر دیتی ہے تو اس کو ہٹا کر دوسری قوم کو اس کی جگہ لے آتا ہے۔ اس طرح زمین پر ایک کے بعد ایک قوم کی آبادکاری کا سلسلہ جاری رہے گا۔ یہاں تک کہ قیامت آجائے۔

موجودہ زمانہ میں فطرت کے جو قوانین دریافت ہوئے ہیں وہ بتاتے ہیں کہ یہاں اس کا امکان ہے کہ اندھیرے میں کسی چیز کا فوٹو لیا جائے۔ بظاہر نہ سنائی دینے والی آواز کو مشین کی مدد سے قابل سماعت بنایا جاسکے۔ تخلیق میں اس طرح کے امکانات خالق کی قدرت کا تعارف ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کائنات کا خالق ایک ایسی ہستی ہے جو غیب کو جانے اور دل کے اندر چھپی ہوئی بات کو سن سکے۔ گویا انسان کا معاملہ ایک ایسے علیم اور قدیر خدا سے ہے جس سے نہ کسی جرم کو چھپایا جاسکتا اور نہ ہی ممکن ہے کہ اس کے فیصلہ کو کسی طرح بدلوایا جاسکے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝

کہو ، ذرا تم دیکھو اپنے ان شریکوں کو جن کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو۔ مجھ کو دکھاؤ کہ انھوں نے زمین میں سے کیا بنایا ہے۔ یا ان کی آسمانوں میں کوئی حصہ داری ہے۔ یا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے تو وہ اس کی کسی دلیل پر ہیں بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے سے صرف دھوکہ کی باتوں کا وعدہ کر رہے ہیں۔ بے شک اللہ ہی آسمانوں اور زمینوں کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ ٹل نہ جائیں۔ اور اگر وہ ٹل جائیں تو اس کے سوا کوئی اور ان کو تھام نہیں سکتا۔ بے شک وہ تحمل والا ہے، بخشنے والا ہے۔ ۴۱ - ۴۰

---

کائنات کی تخلیق اور انتھاہ خلا میں بے شمار اجرام سماوی کا نظام ہیبت ناک حد تک عظیم ہے۔ یہ بالکل ناقابل قیاس ہے کہ اس عظیم کارنامہ کو جزئی یا کلی طور پر ان ہستیوں میں سے کسی کی طرف منسوب کیا جاسکے جن کو لوگ بطور خود معبود بنا کر پوجتے ہیں۔ اسی طرح اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں کہ خدا نے خود یہ خبر دی ہو کہ کوئی اور ہے جو اس کے ساتھ خدائی میں شریک ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ غیر اللہ کی پرستش کا سارا معاملہ صرف فریب پر قائم ہے۔ اس قسم کا فریب اسی وقت تک چلے گا جب تک قیامت نہ آئے۔ قیامت کے آتے ہی ان کا اس طرح خاتمہ ہو جائے گا جیسے کہ ان کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ
اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿٤٢﴾ اِسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَ
مَكْرَ السَّيِّئِ ۗ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ۗ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ
الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿٤٣﴾ اَوَ
لَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْا اَشَدَّ
مِنْهُمْ قُوَّةً ۗ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۗ اِنَّهٗ
كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿٤٤﴾

اور انھوں نے اللہ کی تاکیدی قسمیں کھائی تھیں کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آیا تو وہ ہر ایک امت سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے۔ پھر جب ان کے پاس ایک ڈرانے والا آیا تو صرف ان کی بیزاری ہی کو ترقی ہوئی ، زمین میں اپنے کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے ، اور ان کی بری تدبیروں کو۔ اور بری تدبیروں

کا وبال تو بری تدبیر کرنے والوں ہی پر پڑتا ہے۔ تو کیا یہ اسی دستور کے منتظر ہیں جو اگلے لوگوں کے باب میں ظاہر ہوا۔ پس تم خدا کے دستور میں نہ کوئی تبدیلی پاؤ گے اور نہ خدا کے دستور کو ٹلتا ہوا پاؤ گے۔ کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ وہ دیکھتے کہ کیسا ہوا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے ہیں، اور وہ قوت میں ان سے بڑھے ہوئے تھے۔ اور خدا ایسا نہیں کہ کوئی چیز اس کو عاجز کردے، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ بیشک وہ علم والا ہے، قدرت والا ہے۔ ۴۴ - ۴۲

---

عرب کے لوگ جب سنتے کہ یہود نے اور دوسری قوموں نے اپنے نبیوں کی نافرمانی کی تو وہ پرجوش طور پر کہتے کہ اگر ایسا ہو کہ ہمارے درمیان کوئی نبی آئے تو ہم اس کو پوری طرح مانیں اور اس کی اطاعت کریں۔ مگر جب ان کے درمیان ایک پیغمبرؐ آیا تو وہ اس کے مخالف بن گئے۔

یہ نفسیات کسی نہ کسی شکل میں تمام لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ اس دنیا میں ہر آدمی کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے کو حق پسند کے روپ میں ظاہر کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب بھی کوئی صحیح بات اس کے سامنے آئے گی تو وہ ضرور اس کو مان لے گا۔ مگر جب حق کھلے کھلے دلائل کے ساتھ آتا ہے تو وہ اس کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ حتی کہ اس کا مخالف بن جاتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ انکار حق کسی خاص قوم کی خصوصیت نہیں۔ وہ انسانی نفسیات کی عام خصوصیت ہے۔ حق کو ماننا اکثر حالات میں اپنی بڑائی کو ختم کرنے کے ہم معنی ہوتا ہے۔ آدمی اپنی بڑائی کو کھونا نہیں چاہتا۔ اس لئے وہ حق کو ماننے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتا۔ وہ بھول جاتا ہے کہ حق کا انکار ضرور اس کے بس میں ہے مگر حق کے انکار کے انجام سے اپنے آپ کو بچانا ہرگز اس کے بس میں نہیں۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ ع ۵ ۱۷

اور اگر اللہ لوگوں کے اعمال پر ان کو پکڑتا تو زمین پر وہ ایک جاندار کو بھی نہ چھوڑتا لیکن وہ ان کو ایک مقرر مدت تک مہلت دیتا ہے۔ پھر جب ان کی مدت پوری ہو جائے گی تو اللہ اپنے بندوں کو خود دیکھنے والا ہے۔ ۴۵

---

انسان کو دنیا میں عمل کی آزادی دی گئی تھی۔ مگر اس نے اس کا غلط استعمال کیا۔ یہ غلطیاں اتنی زیادہ ہیں کہ اگر انسان کو اس کی غلط کاریوں پر فوراً پکڑا جانے لگے تو زمین سے انسانی نسل کا خاتمہ ہو جائے۔ مگر

انسان کی آزادی برائے امتحان ہے۔ اور اس امتحان کی ایک مدت مقرر ہے۔ ایک فرد کی مدت موت تک ہے اور مجموعی طور پر پوری انسانیت کی مدت قیامت تک۔ اسی بنا پر انسان کی نسل زمین پر باقی ہے۔ تاہم جس طرح یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ مہلت کی مقرر مدت سے پہلے کسی کو نہیں پکڑتا۔ اسی طرح یہ بھی ایک سنگین حقیقت ہے کہ مہلت کی مقرر مدت گزر جانے کے بعد وہ ضرور انسان کو پکڑے گا۔ کوئی شخص اس کی پکڑ سے بچنے والا نہیں۔

---

سُوْرَةُ یٰسٓ مَکِّیَّةٌ وَّهِیَ ثَلٰثٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰیَةً وَّخَمْسُ رُکُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰسٓ ﴿۱﴾ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ﴿۲﴾ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۳﴾ عَلٰی صِرَاطٍ
مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۴﴾ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ﴿۵﴾ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ
فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۶﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

یٰس۔ قسم ہے با حکمت قرآن کی۔ بے شک تم رسولوں میں سے ہو۔ نہایت سیدھے راستے پر۔ یہ خدائے عزیز و رحیم کی طرف سے اتارا گیا ہے۔ تاکہ تم ان لوگوں کو ڈرا دو جن کے اگلوں کو نہیں ڈرایا گیا۔ پس وہ بے خبر ہیں۔ ۶-۱

---

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کے پیغمبر ہونے کا ثبوت خود وہ قرآن حکیم ہے جس کو آپ نے یہ کہہ کر پیش کیا کہ یہ میرے اوپر خدا کی طرف سے اترا ہے۔ قرآن کے حکیم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ صراط مستقیم کا داعی ہے۔ یعنی وہ اس راستے کی طرف رہنمائی کر رہا ہے جو بالکل سیدھا اور سچا ہے۔ اس کی کوئی بات عقل اور فطرت سے ٹکرانے والی نہیں۔ قرآن کے نزول کو اب ڈیڑھ ہزار سال ہو رہے ہیں۔ مگر آج تک اس میں کسی خلاف عقل یا خلاف فطرت بات کی نشان دہی نہ کی جا سکی۔ قرآن کی یہی امتیازی صفت اس کے کتاب الٰہی ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

"تاکہ تم قوم کو ڈرا دو" میں قوم سے مراد بنو اسماعیل ہیں۔ ہر نبی اولاً اپنی قوم کے لئے آتا ہے۔

اسی طرح پیغمبر اسلام کی اولین مخاطب بھی ان کی اپنی قوم تھی۔ مگر چونکہ آپ کے بعد نبوت ختم ہوگئی اس لئے اب قیامت تک کے لئے آپ کی نبوت کا تسلسل جاری ہے۔ فرق یہ ہے کہ بنو اسماعیل پر آپ نے براہ راست حجت تمام کی اور آپ کے بعد مختلف اقوام پر دعوت اور اتمام حجت کا کام آپ کی نیابت میں آپ کی امت کو انجام دینا ہے۔

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓی اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۷ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ
اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝۸ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ
اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝۹
وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰ اِنَّمَا تُنْذِرُ
مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ۝۱۱

ان میں سے اکثر لوگوں پر بات ثابت ہوچکی ہے تو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دئے ہیں سو وہ ٹھوڑیوں تک ہیں، پس ان کے سر اونچے ہورہے ہیں۔ اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کردی ہے اور ایک آڑ ان کے پیچھے کردی۔ پھر ہم نے ان کو ڈھانک دیا تو ان کو دکھائی نہیں دیتا۔ اور ان کے لئے یکساں ہے، تم ان کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ تم تو صرف اس شخص کو ڈرا سکتے ہو جو نصیحت پر چلے اور خدا سے ڈرے بن دیکھے۔ تو ایسے شخص کو معافی کی اور باعزت ثواب کی بشارت دے دو۔ ۱۱ — ۷

---

آدمی کی گردن میں طوق بھرا ہوا ہو تو اس کا سر اٹھا رہ جائے گا اور وہ نیچے کی چیز کو نہ دیکھ سکے گا۔ یہ ان مغرور لوگوں کی تصویر ہے جو اپنی بڑائی میں اتنا گم ہوں کہ اپنے سے باہر کی کوئی حقیقت انھیں دکھائی ہی نہ دے۔ ایسے لوگوں کو کبھی حق کے اعتراف کی توفیق حاصل نہیں ہوتی۔

ہدایت پانے کے لئے سب سے زیادہ اہمیت اس بات کی ہے کہ آدمی کے اندر اعتراف کا مادہ ہو، اس کو خدا کے سامنے حاضری کا کھٹکا لگا ہوا ہو۔ وہ کلی صداقت سے کم کسی چیز پر راضی نہ ہوسکے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو حق کے ظاہر ہوتے ہی اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور اس کے نتیجے میں اللہ کا سب سے بڑا انعام پاتے ہیں۔

اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۭۣ وَكُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ
فِیْۤ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ۝۱۲ ع ١ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا
الْمُرْسَلُوْنَ ۝۱۳

یقیناً ہم مُردوں کو زندہ کریں گے۔ اور ہم لکھ رہے ہیں جو انھوں نے آگے بھیجا اور جو انھوں نے پیچھے چھوڑا۔ اور ہر چیز ہم نے درج کر لی ہے ایک کھلی کتاب میں۔ ۱۲

---

جدید تحقیقات نے بتایا ہے کہ انسان اپنے منہ سے جو آواز نکالتا ہے وہ نقوش کی صورت میں فضا میں محفوظ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح انسان جو عمل کرتا ہے اس کا عکس بھی حرارتی لہروں کی شکل میں مستقل طور پر دنیا میں موجود ہو جاتا ہے۔ گویا اس دنیا میں ہر آدمی کی ویڈیو ریکارڈنگ ہو رہی ہے۔ یہ تجربہ بتاتا ہے کہ اس دنیا میں یہ ممکن ہے کہ انسان کے علم کے بغیر اور اس کے ارادہ سے آزاد اس کا قول اور عمل مکمل طور پر محفوظ کیا جا رہا ہو اور کسی بھی لمحہ اس کو دہرایا جا سکے۔

اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمُ اثْنَیْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْۤا اِنَّاۤ اِلَیْكُمْ
مُّرْسَلُوْنَ ۝۱۴ قَالُوْا مَاۤ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَاۤ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ ۙ اِنْ
اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ۝۱۵ قَالُوْا رَبُّنَا یَعْلَمُ اِنَّاۤ اِلَیْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ۝۱۶ وَمَا عَلَیْنَاۤ اِلَّا
الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۝۱۷ قَالُوْۤا اِنَّا تَطَیَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَیَمَسَّنَّكُمْ
مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝۱۸ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ
مُّسْرِفُوْنَ ۝۱۹

اور ان کو بستی والوں کی مثال سناؤ، جب کہ اس میں رسول آئے۔ جب کہ ہم نے ان کے پاس دو رسول بھیجے تو انھوں نے دونوں کو جھٹلایا، پھر ہم نے تیسرے سے ان کی تائید کی، انھوں نے کہا کہ ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ تم تو ہمارے ہی جیسے بشر ہو اور رحمان نے کوئی چیز نہیں اتاری ہے، تم محض جھوٹ بولتے ہو۔ انھوں نے کہا کہ ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم بے شک تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں۔ اور ہمارے ذمہ تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ ہم تو تم کو منحوس سمجھتے ہیں، اگر تم لوگ باز نہ آئے

تو ہم تم کو سنگسار کر دیں گے اور تم کو ہماری طرف سے سخت تکلیف پہنچے گی۔ انہوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے، کیا اتنی بات پر کہ تم کو نصیحت کی گئی۔ بلکہ تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو۔ ۱۹-۱۳

---

بستی سے مراد غالباً مصر کی بستی ہے۔ یہاں بیک وقت دو پیغمبر (حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون) لوگوں کو خبردار کرنے کے لئے بھیجے گئے۔ مگر انہوں نے انکار کیا۔ پھر ان کی اپنی قوم سے تیسرا شخص اٹھا اور اس نے دونوں رسولوں کی تائید کی۔ اس تیسرے شخص سے مراد غالباً وہی رجل مومن ہے جس کا ذکر قرآن میں سورہ مومن میں تفصیل سے آیا ہے۔

ہر زمانہ میں آدمی کے لئے سب سے زیادہ تلخ چیز یہ رہی ہے کہ اس کو ایسی نصیحت کی جائے جو اس کے مزاج کے خلاف ہو۔ ایسی بات سن کر آدمی فوراً بگڑ جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ معتدل ذہن کے ساتھ اس پر غور نہیں کر پاتا۔ وہ اس کو دلیل کے اعتبار سے نہیں جانچتا بلکہ ضد اور نفرت کے تحت اس کے خلاف غیر متعلق باتیں کہتا رہتا ہے۔ کسی بات کو دلیل سے جانچنا حد کے اندر رہنا ہے اور بے دلیل مخالفت کرنا حد سے باہر نکل جانا۔

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ۝۲۰
اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۲۱

اور شہر کے دور مقام سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا۔ اس نے کہا، اے میری قوم رسولوں کی پیروی کرو۔ ان لوگوں کی پیروی کرو جو تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتے۔ اور وہ ٹھیک راستے پر ہیں۔ ۲۱-۲۰

---

دونوں رسول اس وقت بظاہر بالکل بے زور تھے۔ مگر تیسرے شخص نے اپنے آپ کو انہیں کے ساتھ وابستہ کیا۔ حق اور ناحق کے مقابلہ میں آدمی کو حق کا ساتھ دینا پڑتا ہے، خواہ وہ طاقت ور کے مقابلہ میں کمزور کا ساتھ دینے کے ہم معنی کیوں نہ ہو۔

تیسرے شخص نے قوم کے لوگوں سے کہا کہ یہ رسول تم سے اجر نہیں مانگتے، اور وہ ہدایت یاب بھی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف بے غرضی آدمی کے ہدایت یاب ہونے کی کافی دلیل نہیں ہے۔ بے غرض اور نیک نیت ہونے کے باوجود آدمی کی بات دلیل کے معیار پر پرکھی جائے گی اور وہ اسی وقت صحیح سمجھی جائے گی جب کہ وہ دلیل کے معیار پر پوری اترے۔

النصف
وَمَا لِيَ لَآ أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٢﴾ ءَأَتَّخِذُ مِنْ دُونِهِۦٓ ءَالِهَةً إِنْ
يُرِدْنِ الرَّحْمَٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَلَا يُنقِذُونِ ﴿٢٣﴾ إِنِّيٓ إِذًا
لَّفِي ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ﴿٢٤﴾ إِنِّيٓ ءَامَنتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُونِ ﴿٢٥﴾ قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۖ
قَالَ يَٰلَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ ﴿٢٧﴾

اور میں کیوں نہ عبادت کروں اس ذات کی جس نے مجھ کو پیدا کیا اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ کیا میں اس کے سوا دوسروں کو معبود بناؤں۔ اگر رحمٰن مجھ کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش میرے کچھ کام نہ آئے گی اور نہ وہ مجھ کو چھڑا سکیں گے۔ بے شک اس وقت میں ایک کھلی ہوئی گمراہی میں ہوں گا۔ میں تمہارے رب پر ایمان لایا تو تم بھی میری بات سن لو ـــــ ارشاد ہوا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اس نے کہا کاش میری قوم جانتی کہ میرے رب نے مجھ کو بخش دیا اور مجھ کو عزت داروں میں شامل کر دیا۔ ۲۷ - ۲۲

---

مرد حق نے اپنی زندگی خطرہ میں ڈال کر پیغمبروں کی دعوت کی تائید کی تھی۔ اس کا یہ عمل اتنا قیمتی تھا کہ اس کے بعد اس کو جنت میں داخل کر دیا گیا۔ جنت میں داخل ہونے کے بعد وہ اپنی ظالم قوم کو برا نہیں کہتا۔ بلکہ یہ تمنا کرتا ہے کہ کاش وہ لوگ میرا انجام جانتے تو وہ حق کے مخالف نہ بنتے۔ یہ سچے مومن کی تصویر ہے۔ مومن ہر حال میں لوگوں کا خیر خواہ ہوتا ہے، خواہ لوگ اس کے ساتھ کیسا ہی ظالمانہ سلوک کریں۔

وقف غفران
وَمَآ أَنزَلْنَا عَلَىٰ قَوْمِهِۦ مِنۢ بَعْدِهِۦ مِن جُندٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنزِلِينَ ﴿٢٨﴾
إِن كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَٰحِدَةً فَإِذَا هُمْ خَٰمِدُونَ ﴿٢٩﴾ يَٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا
يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِۦ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٣٠﴾ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا
قَبْلَهُم مِّنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿٣١﴾ وَإِن كُلٌّ لَّمَّا جَمِيعٌ لَّدَيْنَا
مُحْضَرُونَ ﴿٣٢﴾ ع

اور اس کے بعد اس کی قوم پر ہم نے آسمان سے کوئی فوج نہیں اتاری، اور ہم فوج نہیں اتارا کرتے۔ بس ایک دھماکہ ہوا تو یکایک وہ سب بجھ کر رہ گئے۔ افسوس ہے بندوں کے اوپر، جو رسول بھی ان کے پاس

آیا وہ اس کا مذاق ہی اڑاتے رہے۔ کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی قومیں ھلاک کر دیں۔ اب وہ ان کی طرف واپس آنے والی نہیں۔ اور ان میں کوئی ایسا نہیں جو اکٹھا ہو کر ہمارے پاس حاضر نہ کیا جائے۔ ۳۲ - ۲۸

---

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب کسی قوم کی ھلاکت کا فیصلہ کیا جاتا ہے تو اتنا ہی کافی ہوتا ہے کہ زمینی اسباب کو اس کے خلاف کر دیا جائے۔ ساری آسمانی طاقتوں کو اس کے خلاف استعمال کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

پیغمبروں کا استہزا کیوں کیا گیا، اس کا جواب خود لفظ "استہزار" میں موجود ہے۔ استہزار کرنے والے ہمیشہ اس انسان کا استہزار کرتے ہیں جو ان کو حقیر دکھائی دیتا ہو۔ پیغمبروں کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا۔ پیغمبر کی شخصیت کو ان کے ہم زمانہ لوگوں نے اس سے کم سمجھا کہ ان کی زبان سے خدائی صداقت کا اعلان ہو اس لئے انھوں نے پیغمبروں کو ماننے سے انکار کر دیا۔

وَ اٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۖۚ اَحْيَيْنٰهَا وَ اَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ
جَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ وَّ فَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ﴿۳۴﴾ لِيَاْكُلُوْا
مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَ مَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ
الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ مِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور ایک نشانی ان کے لئے مردہ زمین ہے۔ اس کو ہم نے زندہ کیا اور اس سے ہم نے غلہ نکالا۔ پس وہ اس میں سے کھاتے ہیں۔ اور اس میں ہم نے کھجور کے اور انگور کے باغ بنائے۔ اور اس میں ہم نے چشمے جاری کئے۔ تاکہ لوگ اس کے پھل کھائیں۔ اور اس کو ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا۔ تو کیا وہ شکر نہیں کرتے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے سب چیز کے جوڑے بنائے، ان میں سے بھی جن کو زمین اگاتی ہے اور خود ان کے اندر سے بھی۔ اور ان میں سے بھی جن کو وہ نہیں جانتے۔ ۳۶ - ۳۳

---

زمین کی سطح پر زرخیز مٹی کا جمع ہونا، اس کے لئے پانی اور دھوپ اور ہوا کا انتظام، پھر بیج کے اندر نشو و نما کی صلاحیت۔ اس طرح کے بے شمار معلوم اور غیر معلوم اسباب ہیں جو بالآخر غلہ اور پھل

اور سبزی کی شکل اختیار کر کے انسان کی خوراک بنتے ہیں۔ یہ پورا نظام انسان کے بنائے بغیر بنا ہے۔ اس کو وجود میں لانا اور اس کو قائم رکھنا سراسر خدا کی رحمت سے ہوتا ہے۔ اگر انسان اس پر سوچے تو وہ شکر کے جذبہ سے بھر جائے۔

پھر اسی نظام میں ایک عظیم تر حقیقت کی نشانی بھی موجود ہے۔ مطالعہ بتاتا ہے کہ دنیا کی تمام چیزوں میں جوڑے کا اصول کارفرما ہے۔ پھر جب کائنات کا نظام اس اصول پر قائم ہے کہ یہاں تمام چیزیں اپنے جوڑے کے ساتھ مل کر اپنی تکمیل کریں تو موجودہ دنیا کا بھی ایک جوڑا ہونا چاہئے جس کے ملنے سے اس کی تکمیل ہوتی ہو۔ اس طرح موجودہ دنیا میں جوڑے کا نظام آخرت کے امکان کو ثابت کر دیتا ہے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ
ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ
الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَ
كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾

اور ایک نشانی ان کے لئے رات ہے، ہم اس سے دن کو کھینچ لیتے ہیں تو وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔ اور سورج، وہ اپنی ٹھہری ہوئی راہ پر چلتا رہتا ہے۔ یہ عزیز و علیم کا باندھا ہوا اندازہ ہے۔ اور چاند کے لئے ہم نے منزلیں مقرر کر دیں، یہاں تک کہ وہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی شاخ۔ نہ سورج کے بس میں ہے کہ وہ چاند کو پکڑ لے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے۔ اور سب ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں۔ ۳۷ ۔ ۴۰

---

زمین اور چاند اور سورج سب کا ایک مدار مقرر ہے۔ سب اپنے اپنے مدار پر حد درجہ صحت کے ساتھ گھوم رہے ہیں۔ اس گردش سے مختلف مظاہر وجود میں آتے ہیں۔ مثلاً زمین پر رات اور دن کا پیدا ہونا، چاند کا کم و بیش ہو کر فلکیاتی کیلنڈر کا کام کرنا، وغیرہ۔ یہ نظام کروڑوں سال سے قائم ہے اور پھر بھی اس میں کسی قسم کا کوئی خلل واقع نہیں ہوا۔

یہ مشاہدہ خدا کی انتھاہ قدرت کا ایک تعارف ہے۔ اگر آدمی اس سے سبق لے تو ایک خدا کی عظمت اس کے ذہن پر اس طرح چھائے کہ دوسری تمام عظمتیں اپنے آپ اس کے ذہن سے حذف ہو جائیں۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿٤١﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ
مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿٤٣﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا
وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿٤٤﴾

اور ایک نشانی ان کے لئے یہ ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ اور ہم نے ان کے لئے اسی کے مانند اور چیزیں پیدا کیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں۔ اور اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں، پھر نہ کوئی ان کی فریاد سننے والا ہو اور نہ وہ بچائے جا سکیں۔ مگر یہ ہماری رحمت ہے اور ان کو ایک وقت معین تک فائدہ دینا ہے۔ ۴۱-۴۴

---

ہماری دنیا میں خشکی بھی ہے اور سمندر بھی۔ اور ہمارے اوپر وسیع فضا بھی۔ خدا نے اس دنیا میں ایسے امکانات رکھ دئے ہیں کہ آدمی تینوں میں سے کسی حصہ میں بھی سفر سے عاجز نہ ہو۔ وہ خشکی میں اور پانی اور فضا میں یکساں طور پر سفر کر سکے۔

یہ تمام سفر سراسر خدا کے انتظام کے تحت ممکن ہوتے ہیں۔ یہ انسان کے لئے اتنی بڑی رحمت ہیں کہ انسان اگر ان پر غور کرے تو وہ بالکل اپنے آپ کو خدا کے آگے ڈال دے۔ اور کبھی سرکشی کا طریقہ اختیار نہ کرے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَمَا
تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَاِذَا قِيْلَ
لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ
يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٤٧﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس سے ڈرو جو تمہارے آگے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اور ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی بھی ان کے پاس ایسی نہیں آتی جس سے وہ اعراض نہ کرتے ہوں۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرو تو جن لوگوں نے انکار کیا وہ ایمان لانے والوں سے کہتے ہیں کہ کیا ہم ایسے لوگوں کو کھلائیں جن کو اللہ چاہتا تو وہ ان کو کھلا دیتا۔

تم لوگ تو کھلی گمراہی میں ہو۔ ۴۵ - ۴۷

آدمی کے پیچھے اس کے اعمال ہیں، اور اس کے آگے حساب کتاب کا دن ہے۔ زندگی گویا عمل کی دنیا سے انجام کی دنیا کی طرف سفر ہے۔ یہ بے حد نازک صورت حال ہے۔ آدمی کو اس کا واقعی احساس ہو تو وہ کانپ اٹھے۔ مگر آدمی نہ غور کرتا اور نہ کوئی نشانی اس کی آنکھ کھولنے والی ثابت ہوتی۔ وہ جھوٹی تاویلوں کے ذریعہ اپنے اعمال کو صحیح ثابت کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ مرجاتا ہے۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۴۸﴾ مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً
وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ﴿۴۹﴾ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ
يَرْجِعُونَ ﴿۵۰﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ ﴿۵۱﴾ ع ۱۸
قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا ۜ هَٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴿۵۲﴾
إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿۵۳﴾

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو۔ یہ لوگ بس ایک چنگھاڑ کی راہ دیکھ رہے ہیں جو ان کو آپکڑے گی اور وہ جھگڑتے ہی رہ جائیں گے۔ پھر وہ نہ کوئی وصیت کر پائیں گے اور نہ اپنے لوگوں کی طرف لوٹ سکیں گے۔ اور صور پھونکا جائے گا تو یکایک وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف چل پڑیں گے۔ وہ کہیں گے، ہائے ہماری بدبختی، ہماری قبر سے کس نے ہم کو اٹھایا —— یہ وہی ہے جس کا رحمان نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا۔ بس وہ ایک چنگھاڑ ہوگی، پھر یکایک سب جمع ہو کر ہمارے پاس حاضر کر دئے جائیں گے۔ ۴۸-۵۳

---

جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ آخرت کی طرف سے اس طرح بے فکر رہتے ہیں گویا کہ آخرت کوئی بہت دور کی چیز ہے۔ ان میں سے جو لوگ زیادہ غیر سنجیدہ ہیں وہ بعض اوقات آخرت کا مذاق بھی اڑانے لگتے ہیں۔ اس طرح کے لوگ اپنی اسی غفلت میں پڑے رہیں گے یہاں تک کہ قیامت آجائے قیامت انھیں اس طرح دفعۃً پکڑ لے گی کہ وہ اس کے خلاف کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔

حدیث میں ہے کہ اسرافیل صور اپنے منھ میں لئے ہوئے عرش کی طرف دیکھ رہے ہیں اور اس بات کے منتظر ہیں کہ کب حکم ہو اور وہ اس میں پھونک ماردیں۔ صور کا پھونکا جانا ایسا ہی ہے جیسے

امتحان کا وقت ختم ہو جانے کا گھنٹہ بجنا۔ اس کے فوراً بعد دنیا کا نظام بدل جائے گا۔ اس کے بعد انجام کا مرحلہ شروع ہوگا، جب کہ آج ہم عمل کے مرحلہ سے گزر رہے ہیں۔

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٤﴾ إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ
الْيَوْمَ فِي شُغُلٍ فَاكِهُونَ ﴿٥٥﴾ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلَالٍ عَلَى الْأَرَائِكِ مُتَّكِئُونَ ﴿٥٦﴾
لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُمْ مَا يَدَّعُونَ ﴿٥٧﴾ سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبٍّ رَحِيمٍ ﴿٥٨﴾

پس آج کے دن کسی شخص پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔ اور تم کو وہی بدلہ ملے گا جو تم کرتے تھے۔ بے شک جنت کے لوگ آج اپنے مشغلوں میں خوش ہوں گے۔ وہ اور ان کی بیویاں، سایوں میں مسہریوں پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے۔ ان کے لئے وہاں میوے ہوں گے اور ان کے لئے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ مانگیں گے۔ ان کو سلام کہلایا جائے گا مہربان رب کی طرف سے۔ ۵۸-۵۴

---

موجودہ دنیا میں آدمی کے عمل کے معنوی نتائج سامنے نہیں آتے۔ آخرت وہ جگہ ہے جہاں ہر آدمی اپنے عمل کے معنوی نتائج کو پائے گا۔ جو شخص یہاں صرف وقتی مفادات کے لئے سرگرم رہا وہ آخرت کی ابدی دنیا میں اس طرح اٹھے گا کہ وہاں وہ بالکل خالی ہاتھ ہوگا۔ اس کے برعکس جو لوگ اعلیٰ مقصد کے لئے جئے وہ وہاں شاندار انجام میں خوش ہو رہے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایات اس کے علاوہ ہوں گی۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٩﴾ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا
الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿٦٠﴾ وَأَنِ اعْبُدُونِي هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٦١﴾ وَ
لَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ﴿٦٢﴾ هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي
كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٦٣﴾ اصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٦٤﴾ الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَى أَفْوَاهِهِمْ
وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٦٥﴾

اور اے مجرمو، آج تم الگ ہو جاؤ۔ اے اولاد آدم، کیا میں نے تم کو تاکید نہیں کر دی تھی کہ تم شیطان

کی عبادت نہ کرنا۔ بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ اور یہ کہ تم میری ہی عبادت کرنا، یہی سیدھا راستہ ہے۔ اور اس نے تم میں سے ایک کثیر گروہ کو گمراہ کر دیا۔ تو کیا تم سمجھتے نہیں تھے۔ یہ ہے جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ اب اپنے کفر کے بدلے میں اس میں داخل ہو جاؤ۔ آج ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بولیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے جو کچھ یہ لوگ کرتے تھے۔ ۶۵-۵۹

---

موجودہ زندگی میں اچھے لوگ اور برے لوگ ایک ہی دنیا میں رہتے ہیں۔ اگلی زندگی میں دونوں کی دنیائیں الگ الگ کر دی جائیں گی۔ شیطان کے بندے شیطان کے ساتھ اور رحمان کے بندے رحمان کے ساتھ۔

کوئی آدمی شیطان کے نام پر شیطان کی پرستش نہیں کرتا۔ مگر بالواسطہ طور پر غیر اللہ کا ہر پرستار دراصل شیطان کا پرستار ہے۔ کیونکہ وہ شیطان ہی کی تزئین کے تحت ایسا کر رہا ہے۔ مثلاً فرشتوں اور قومی بزرگوں کی پرستش اس طرح شروع ہوئی کہ شیطان نے ان کے بارہ میں جھوٹے عقیدے لوگوں کے ذہن میں ڈالے اور لوگ ان شیطانی ترغیبات سے متاثر ہو کر ان کی پرستش کرنے لگے۔

جدید تحقیقات سے یہ ثابت ہوا ہے کہ انسان کی کھال ایک قسم کا ریکارڈ ہے جس پر آدمی کی بولی ہوئی آوازیں مرتسم ہو جاتی ہیں اور ان کو دہرایا جا سکتا ہے۔ یہ ایک نشانی ہے جو اس بات کو قابل فہم بنا رہی ہے کہ کس طرح آخرت میں آدمی کے ہاتھ اور پاؤں آدمی کے احوال سنانے لگیں گے۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ۝ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ۝ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِى الْخَلْقِ ۭ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ۝

اور اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھوں کو مٹا دیتے۔ پھر وہ راستہ کی طرف دوڑتے تو ان کو کہاں نظر آتا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان کی جگہ ہی پر ان کی صورتیں بدل دیتے تو وہ نہ آگے بڑھ سکتے اور نہ پیچھے لوٹ سکتے۔ اور ہم جس کی عمر زیادہ کر دیتے ہیں تو اس کو اس کی پیدائش میں پیچھے لوٹا دیتے ہیں، تو کیا وہ سمجھتے نہیں۔ ۶۸-۶۶

---

انسان کو آنکھ اور ہاتھ پاؤں اور دوسری جو صلاحیتیں حاصل ہیں ان کو پاکر وہ سرکش بن جاتا ہے۔ حالانکہ اگر وہ سوچے تو یہی واقعہ اس کی نصیحت کے لئے کافی ہو جائے کہ یہ صلاحیتیں اس کی اپنی بنائی ہوئی نہیں ہیں بلکہ خالق کے دینے سے اس کو ملی ہیں۔ اور جب دینے والا کوئی اور ہو تو اس نے جس طرح دیا ہے اسی طرح وہ ان کو واپس لے سکتا ہے۔

مزید یہ کہ بڑھاپے کی صورت میں اس امکان کی ایک جھلک عملاً بھی لوگوں کو دکھائی جارہی ہے۔ آدمی جب زیادہ بوڑھا ہوتا ہے تو اس کی تمام طاقتیں بھی چھن جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ وہ دوبارہ ویسا ہی کمزور اور محتاج ہو جاتا ہے جیسا کہ وہ اس وقت تھا جب کہ وہ ایک چھوٹا بچہ تھا۔ مگر انسان اتنا نادان ہے کہ اس کے باوجود وہ کوئی سبق نہیں لیتا۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۝

اور ہم نے اس کو شعر نہیں سکھایا اور نہ یہ اس کے لائق ہے۔ یہ تو صرف ایک نصیحت ہے اور واضح قرآن ہے تاکہ وہ اس شخص کو خبردار کر دے جو زندہ ہو اور انکار کرنے والوں پر حجت قائم ہو جائے۔ ۶۹ - ۷۰

---

قرآن کا معجزانہ اسلوب سننے والوں کو اپنی طرف کھینچتا تھا۔ چنانچہ مخالفین نے لوگوں کے تاثر کو گھٹانے کے لئے یہ کہنا شروع کیا کہ یہ ایک شاعرانہ کلام ہے نہ کہ کوئی خدائی کلام۔

مگر یہ سراسر بے اصل بات ہے۔ قرآن میں انتہا درجہ تک جو سنجیدہ فضا ہے۔ اس میں حقائق غیب کا جو بے مثال انکشاف ہے۔ اس میں معرفت حق کی جو اعلیٰ ترین تعلیمات ہیں۔ اس میں شروع سے آخر تک جو نادر اتحاد خیال ہے۔ اس میں خدا کی خدائی کی جو ناقابل بیان جھلکیاں ہیں۔ یہ سب یقینی طور پر اشارہ کر رہی ہیں کہ قرآن اس سے برتر کلام ہے کہ اس کو انسانی شاعری کہا جا سکے۔

مگر حقیقت کو ہمیشہ زندہ لوگ مانتے ہیں۔ اسی طرح قرآن کی صداقت بھی صرف زندہ انسانوں کو نظر آئے گی، مُردہ انسان اس کو دیکھنے والے نہیں بن سکتے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ۝ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ

اَفَلَا یَشْکُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اٰلِہَۃً لَّعَلَّہُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ
نَصْرَہُمْ ۙ وَہُمْ لَہُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَا یَحْزُنْکَ قَوْلُہُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا وقف لازم
یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾

کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لئے مویشی پیدا کئے، تو وہ ان کے مالک ہیں۔ اور ہم نے ان کو ان کا تابع بنا دیا، تو ان میں سے کوئی ان کی سواری ہے اور کسی کو وہ کھاتے ہیں۔ اور ان کے لئے ان میں فائدے ہیں اور پینے کی چیزیں بھی۔ تو کیا وہ شکر نہیں کرتے۔ اور انھوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنائے کہ شاید ان کی مدد کی جائے۔ وہ ان کی مدد نہ کرسکیں گے، اور وہ ان کی فوج ہو کر حاضر کئے جائیں گے۔ تو ان کی بات تم کو غمگین نہ کرے۔ ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔ ۷۱-۷۶

---

مویشی جانور ایک قسم کی زندہ علامت ہیں جو بتاتے ہیں کہ مادی دنیا کو اس کے بنانے والے نے اس طرح بنایا ہے کہ انسان اس کو مسخر کرکے اس کو استعمال کرسکے۔ مادی دنیا کی اسی صلاحیت کے اوپر انسانی تہذیب کی پوری عمارت قائم ہے۔ اگر گھوڑے اور بیل میں بھی وہی وحشیانہ مزاج ہو جو ریچھ اور بھیڑیے میں ہوتا ہے۔ یا لوہا اور پٹرول اسی طرح انسان کے قابو سے باہر ہوں جس طرح زمین کے اندر کا آتش فشانی مادہ انسان کے قابو سے باہر ہے تو تہذیب انسانی کا ارتقاء ناممکن ہو جائے۔

جس خالق نے یہ عظیم احسانات کئے ہیں، انسان کو چاہئے تھا کہ وہ اسی کا شکر کرے اور اسی کا عبادت گزار بنے۔ مگر وہ دوسروں کو اپنا معبود بناتا ہے، اور جب اس کو نصیحت کی جائے تو وہ اس پر دھیان نہیں دیتا۔ یہ بلاشبہ سب سے بڑی سرکشی ہے جس کے انجام سے بچنا کسی کے لئے ممکن نہیں۔

اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰہُ مِنْ نُّطْفَۃٍ فَاِذَا ہُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ﴿۷۷﴾ وَضَرَبَ لَنَا
مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَہٗ ۭ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَہِیَ رَمِیْمٌ ﴿۷۸﴾ قُلْ یُحْیِیْہَا الَّذِیْٓ
اَنْشَاَہَآ اَوَّلَ مَرَّۃٍ ۭ وَہُوَ بِکُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُۨ ﴿۷۹﴾ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الشَّجَرِ
الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْہُ تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۭ بَلٰی ۤ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ
اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ﴿۸۲﴾ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ
شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾



کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو ایک بوند سے پیدا کیا، پھر وہ صریح جھگڑالو بن گیا۔ اور وہ ہم پر مثال چسپاں کرتا ہے اور وہ اپنی پیدائش کو بھول گیا۔ وہ کہتا ہے کہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جب کہ وہ بوسیدہ ہوگئی ہوں۔ کہو، ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ اور وہ سب طرح پیدا کرنا جانتا ہے۔ وہی ہے جس نے تمہارے لئے ہرے بھرے درخت سے آگ پیدا کردی۔ پھر تم اس سے آگ جلاتے ہو۔ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسوں کو پیدا کردے۔ ہاں وہ قادر ہے۔ اور وہی ہے اصل پیدا کرنے والا، جاننے والا۔ اس کا معاملہ تو بس یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہوجا تو وہ ہوجاتی ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ ۷۷ ـ ۸۳

---

انسان اپنا خالق آپ نہیں۔ وہ بلاشبہہ خالق کی مخلوق ہے۔ اس واقعہ کا تقاضا تھا کہ انسان کے اندر عجز کی صفت پائی جائے۔ مگر وہ حقیقت پسندی کو کھو کر ایسی بحثیں کرتا ہے جو اس کی حیثیت عجز سے مطابقت نہیں رکھتیں۔

انسان کی اور کائنات کی تخلیق اول ہی اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ یہ تخلیق دوسری بار بھی ممکن ہے۔ مگر اس کو نظر انداز کرکے انسان یہ بحث نکالتا ہے کہ مردہ انسان دوبارہ زندہ انسان کیسے بن جائے گا۔ انسان کا مُردہ ہوکر پھر زندہ حالت میں تبدیل ہونے کا واقعہ بلاشبہہ قیامت میں ہوگا۔ مگر دوسری چیزوں میں یہ امکان آج ہی نظر آرہا ہے۔ مثلاً درخت کو دیکھو۔ درخت بظاہر ہرا بھرا ہوتا ہے۔ مگر جب وہ کاٹ کر لکڑی کی صورت میں جلایا جاتا ہے تو وہ بالکل ایک مختلف صورت اختیار کرلیتا ہے جس کو آگ کہتے ہیں۔

ایک چیز کا بدل کر بالکل دوسری چیز بن جانا ایک ثابت شدہ واقعہ ہے۔ بقیہ چیزوں میں خدا آج ہی اس کو ممکن بنا رہا ہے۔ انسانوں کے لئے وہ قیامت میں اس کو ممکن بنائے گا۔ مگر یہ منوانے کے لئے نہیں ہوگا بلکہ اس لئے ہوگا کہ انسان کو اس کی سرکشی کا بدلہ دیا جائے۔

منزل السادس

سُوْرَةُ الصّٰفّٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّاثْنَتَانِ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۙ﴿۲﴾ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۙ﴿۳﴾ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ؕ﴿۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ؕ﴿۵﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

قسم ہے قطار در قطار صف باندھنے والے فرشتوں کی۔ پھر ڈانٹنے والوں کی جھڑک کر۔ پھر ان کی جو نصیحت سنانے والے ہیں۔ کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ آسمانوں اور زمین کا رب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور سارے مشرقوں کا رب۔ ۵-۱

---

پیغمبر کے ذریعہ جن غیبی حقیقتوں کی خبر دی گئی ہے ان میں سے ایک فرشتہ کا وجود ہے۔ یہاں فرشتوں کے تین خاص کام بتائے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ مکمل طور پر خدا کے تابع ہیں، وہ ادنیٰ سرتابی کے بغیر صف بہ صف اس کی تعمیل کے لئے حاضر رہتے ہیں۔ پھر فرشتوں کا ایک گروہ وہ ہے جو انسانوں پر خدائی سزا کا نفاذ کرتا ہے، خواہ وہ آفات اور حادثات کی صورت میں ہو یا کسی اور صورت میں۔ فرشتوں کا تیسرا عمل یہ بتایا گیا ہے کہ وہ خدا کے بندوں پر خدا کی نصیحت اتارتے ہیں، عام انسانوں پر الہام یا القاء کی شکل میں اور پیغمبروں پر وحی کی شکل میں۔

خدا ہی ان فرشتوں کا مالک ہے جن کو عام انسان نہیں دیکھتا۔ اور خدا ہی آسمان و زمین کا مالک بھی ہے جن کو ہر آدمی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ ایسی حالت میں خدا کے سوا جس کو بھی معبود بنایا جائے گا وہ ایسا معبود ہوگا جس کو معبود بننے کا حق نہیں۔

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِالْكَوَاكِبِ ۙ﴿۶﴾ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ﴿۷﴾ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۖ﴿۸﴾ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ﴿۹﴾ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾

ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں کی زینت سے سجایا ہے۔ اور ہر شیطان سرکش سے اس کو محفوظ کیا ہے۔ وہ ملاءِ اعلیٰ کی طرف کان نہیں لگا سکتے اور وہ ہر طرف سے مارے جاتے ہیں، بھگانے کے لئے۔ اور ان کے لئے ایک دائمی عذاب ہے۔ مگر جو شیطان کوئی بات اچک لے تو ایک دہکتا ہوا شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔ ۱۰-۶

---

سماء دنیا سے مراد غالباً وسیع خلا کا وہ حصہ ہے جو انسان کے قریب واقع ہے اور جس کو آدمی کسی آلہ کی مدد کے بغیر خالی آنکھ سے دیکھ سکتا ہے۔

جس طرح انسان ایک بااختیار مخلوق ہے اسی طرح جنات بھی بااختیار مخلوق ہیں۔ چنانچہ وہ خلا میں پرواز کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ اوپر اٹھ کر ملاء اعلیٰ (عالم بالا) تک پہنچیں اور وہاں سے مستقبل کی خبریں لے آئیں۔ مگر سماء دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ایسے محکم انتظامات فرمائے ہیں کہ وہ یہیں سے مار کر لوٹا دئے جاتے ہیں اور اس سے اوپر جانے کا موقع نہیں پاتے۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ۭ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾
بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾
وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَوَ
اٰبَاۗؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

پس ان سے پوچھو کہ ان کی پیدائش زیادہ مشکل ہے یا ان چیزوں کی جو ہم نے پیدا کی ہیں۔ ہم نے ان کو چپکتی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ بلکہ تم تعجب کرتے ہو اور وہ مذاق اڑا رہے ہیں۔ اور جب ان کو سمجھایا جاتا ہے تو وہ سمجھتے نہیں۔ اور جب وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو وہ اس کو ہنسی میں ڈال دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ تو بس کھلا ہوا جادو ہے۔ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو پھر ہم اٹھائے جائیں گے۔ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی۔ کہو کہ ہاں، اور تم ذلیل بھی ہوگے۔ ۱۸-۱۱

---

زمین و آسمان کی صورت میں جو کائنات ہمارے مشاہدہ میں آتی ہے وہ اتنی پیچیدہ اور اتنی عظیم ہے کہ اس کے بعد انسانوں کو دوسری دنیا میں پیدا کرنا مقابلۃً ایک چھوٹا کام نظر آنے لگتا ہے۔ جس خالق کی قوتِ تخلیق کا عظیم تر نمونہ ہمارے سامنے موجود ہے اسی خالق سے اس سے چھوٹی تخلیق ناممکن یا مستبعد کیوں۔

انسانی جسم کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام تر زمینی اجزاء کا ایک مجموعہ ہے۔ زمین میں پائے جانے والے مادے (پانی، کیلشیم، لوہا، سوڈیم، ٹنگسٹن وغیرہ) کی ترکیب سے انسان بنا ہے۔ یہ تمام اجزاء ہماری دنیا میں بہت افراط کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ پھر جن اجزاء کی ترکیب سے خالق نے ایک بار انسان کو بنا کر کھڑا کر دیا انھیں اجزاء کی ترکیب سے وہ دوبارہ کیوں ایسا نہیں کرسکتا۔

فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ يَنظُرُونَ ﴿١٩﴾ وَقَالُوا يَا وَيْلَنَا هَٰذَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿٢٠﴾
ع ۵ هَٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِي كُنتُم بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿٢١﴾ احْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَ
أَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿٢٢﴾ مِن دُونِ اللَّهِ فَاهْدُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْجَحِيمِ ﴿٢٣﴾
وَقِفُوهُمْ إِنَّهُم مَّسْئُولُونَ ﴿٢٤﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ ﴿٢٥﴾ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ
مُسْتَسْلِمُونَ ﴿٢٦﴾

پس وہ تو ایک جھڑکی ہوگی، پھر اسی وقت وہ دیکھنے لگیں گے اور وہ کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی یہ تو جزاء کا دن ہے۔ یہ وہی فیصلہ کا دن ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے۔ جمع کرو ان کو جنھوں نے ظلم کیا اور ان کے ساتھیوں کو اور ان معبودوں کو جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے، پھر ان سب کو دوزخ کا راستہ دکھاؤ اور ان کو ٹھہراؤ، ان سے کچھ پوچھنا ہے۔ تم کو کیا ہوا کہ تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔ بلکہ آج تو وہ فرماں بردار ہیں۔ ۲۶ - ۱۹

---

موجودہ دنیا میں اگلی زندگی کا معاملہ ایک خبر کے طور پر بتایا جا رہا ہے۔ آدمی اس خبر کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ مگر آخرت میں اگلی زندگی کا معاملہ ایک سنگین حقیقت بن کر لوگوں کے اوپر ٹوٹ پڑے گا۔ اس وقت آدمی اپنی سرکشی بھول کر اپنے آپ کو خدا کے سامنے ڈال دے گا۔ یہ ناقابل بیان حد تک ہولناک منظر ہوگا۔ اس وقت میدان حشر میں لوگوں کا جو حال ہوگا اس کا ایک نقشہ ان آیتوں میں دیا گیا ہے۔

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٧﴾ قَالُوا إِنَّكُمْ كُنتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ﴿٢٨﴾
قَالُوا بَل لَّمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٢٩﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ ۖ بَلْ كُنتُمْ
قَوْمًا طَاغِينَ ﴿٣٠﴾ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا ۖ إِنَّا لَذَائِقُونَ ﴿٣١﴾ فَأَغْوَيْنَاكُمْ إِنَّا كُنَّا

غٰوِیْنَ ﴿۳۲﴾ فَاِنَّهُمْ یَوْمَئِذٍ فِی الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر سوال وجواب کریں گے۔ کہیں گے تم ہمارے پاس دائیں طرف سے آتے تھے۔ وہ جواب دیں گے، بلکہ تم خود ایمان لانے والے نہیں تھے۔ اور ہمارا تمہارے اوپر کوئی زور نہ تھا، بلکہ تم خود ہی سرکش لوگ تھے۔ پس ہم سب پر ہمارے رب کی بات پوری ہوکر رہی، ہم کو اس کا مزہ چکھنا ہی ہے۔ ہم نے تم کو گمراہ کیا، ہم خود بھی گمراہ تھے۔ پس وہ سب اس دن عذاب میں مشترک ہوں گے ۲۷-۳۳

---

یہ عوام اور لیڈروں کی گفتگو ہے۔ قیامت میں عوام اپنی بربادی کی ذمہ داری اپنے گمراہ لیڈروں پر ڈالیں گے اور کہیں گے کہ آپ لوگوں نے ہمیں طرح طرح سے بہکایا۔ لیڈر کہیں گے کہ تمہارا یہ الزام غلط ہے۔ کوئی بہکانے والا کسی کو نہیں بہکاتا۔ تم لوگوں کے اندر خود سرکشی کا مزاج تھا۔ ہماری بات تم کو اپنے مزاج کے موافق نظر آئی اس لئے تم نے اس کو مان لیا۔ تم نے حقیقۃً اپنی خواہشات کا ساتھ دیا نہ کہ ہمارا۔ دونوں کا جرم ایک ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قیامت میں لیڈر اور پیرو دونوں ایک ہی مشترک انجام سے دوچار ہوں گے۔ نہ لیڈر کی عظمت اس کو عذاب سے بچا سکے گی اور نہ عوام کا یہ عذر ان کو بچانے والا بنے گا کہ ہم تو بے علم تھے، ہم کو ہمارے لیڈروں نے گمراہ کیا۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِیْنَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْۤا اِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَیَقُوْلُوْنَ اَىِٕنَّا لَتَارِكُوْۤا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّكُمْ لَذَآىِٕقُوا الْعَذَابِ الْاَلِیْمِ ﴿۳۸﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾

ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ تکبر کرتے تھے۔ اور وہ کہتے تھے کہ کیا ہم ایک شاعر دیوانہ کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ بلکہ وہ حق لے کر آیا ہے۔ اور وہ رسولوں کی پیشین گوئیوں کا مصداق ہے۔ بے شک تم کو دردناک عذاب چکھنا ہوگا۔ اور تم اسی کا بدلہ دئے جا رہے ہو جو تم کرتے تھے۔ ۳۴-۳۹

---

"جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی الہٰ نہیں تو وہ گھمنڈ کرتے تھے" اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ خدا کے مقابلہ میں گھمنڈ کرتے تھے۔ ایسا کوئی بھی نہیں کرتا۔ خدا کی عظمت اس سے زیادہ ہے کہ کوئی اس کے مقابلہ میں بڑا بننے کی جرأت کرے۔ ان کا گھمنڈ دراصل خدا کے پیغام بر کے مقابلہ میں تھا نہ کہ خود خدا کے مقابلہ میں۔

پیغمبر کے پیغام توحید کی زد ان اکابر پر پڑتی تھی جن کے نام پر وہ اپنے مشرکانہ اعمال میں مبتلا تھے۔ اب ایک طرف پیغمبر ہوتا اور دوسری طرف ان کے مفروضہ اکابر۔ چونکہ پیغمبر بظاہر انھیں اپنے اکابر سے کم دکھائی دیتا تھا، اس لئے وہ پیغمبر کو چھوٹا سمجھ کر نظر انداز کر دیتے۔ وہ اپنے مفروضہ اکابر کے ساتھ وابستہ رہ کر سمجھتے کہ وہ بڑوں کے ساتھ وابستہ ہیں۔ دلیل کا زور بلاشبہ پیغمبر کی طرف ہوتا تھا۔ مگر ظاہری عظمت انھیں اپنے بڑوں میں دکھائی دیتی تھی۔ اور تاریخ بتاتی ہے کہ ظاہری عظمت کے مقابلہ میں دلیل کی طاقت ہمیشہ بے اثر ثابت ہوئی ہے۔

إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿٤٠﴾ أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَعْلُومٌ ﴿٤١﴾ فَوَاكِهُ ۖ وَهُمْ مُكْرَمُونَ ﴿٤٢﴾ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٤٣﴾ عَلَىٰ سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ ﴿٤٤﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ مِنْ مَعِينٍ ﴿٤٥﴾ بَيْضَاءَ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ ﴿٤٦﴾ لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ ﴿٤٧﴾ وَعِنْدَهُمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ عِينٌ ﴿٤٨﴾ كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَكْنُونٌ ﴿٤٩﴾

مگر جو اللہ کے چنے ہوئے بندے ہیں۔ ان کے لئے معلوم رزق ہوگا۔ میوے، اور وہ نہایت عزت سے ہوں گے، آرام کے باغوں میں۔ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ان کے پاس ایسا پیالہ لایا جائے گا جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جائے گا۔ صاف شفاف پینے والوں کے لئے لذت۔ نہ اس میں کوئی ضرر ہوگا اور نہ اس سے عقل خراب ہوگی۔ اور ان کے پاس نیچی نگاہ والی، بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی۔ گویا کہ وہ انڈے ہیں جو چھپے ہوئے رکھے ہوں۔ ۴۰ — ۴۹

---

موجودہ دنیا آزمائش کی دنیا ہے۔ یہاں لوگوں کو آزادانہ عمل کا موقع دے کر ان کا انتخاب کیا جا رہا ہے۔ جو لوگ اپنے قول و عمل سے اس کا ثبوت دیں گے کہ وہ جنت کی لطیف اور نفیس دنیا میں بسائے جانے کے قابل ہیں، ان کو ان کا خدا اپنی جنت میں بسانے کے لئے چن لے گا۔ وہاں انھیں ہر قسم کی اعلیٰ نعمتیں فراہم کی جائیں گی۔ اور پھر ان سے کہا جائے گا کہ راحتوں اور لذتوں کے باغات میں ابدی طور پر آباد رہو۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّىْ كَانَ لِىْ
قَرِيْنٌ ﴿۵۱﴾ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿۵۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا
لَمَدِيْنُوْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِىْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ
تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿۵۶﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّىْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَمَا نَحْنُ
بِمَيِّتِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ
الْعَظِيْمُ ﴿۶۰﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

پھر وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر بات کریں گے۔ ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک ملاقاتی تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ کیا تم بھی تصدیق کرنے والوں میں سے ہو۔ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں گے تو کیا ہم کو جزا ملے گی۔ کہے گا، کیا تم جھانک کر دیکھوگے۔ تو وہ جھانکے گا اور اس کو جہنم کے بیچ میں دیکھے گا کہے گا کہ خدا کی قسم تم تو مجھ کو تباہ کر دینے والے تھے۔ اور اگر میرے رب کا فضل نہ ہوتا تو میں بھی انہیں لوگوں میں ہوتا جو پکڑے ہوئے آئے ہیں۔ کیا اب ہم کو مرنا نہیں ہے، مگر پہلی بار جو ہم مرچکے اور اب ہم کو عذاب نہ ہوگا۔ بے شک یہی بڑی کامیابی ہے۔ ایسی ہی کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے۔ ۶۱ - ۵۰

---

جنت لطیف ترین سرگرمیوں کی دنیا ہوگی۔ وہاں دلچسپ ملاقاتیں ہوں گی۔ وہاں پُرلطف مشاہدات ہوں گے۔ وہاں ایک دوسرے کے درمیان آفاقی سطح پر گفتگوئیں ہوں گی۔ ہر قسم کی محدودیت اور ہر قسم کی ناخوشگواری کا وہاں خاتمہ ہوچکا ہوگا۔

آخرت کو ماننے سے مراد سادہ طور پر صرف اس کو مان لینا نہیں ہے۔ بلکہ آخرت کے معاملہ کو اتنا حقیقی اور اتنا اہم سمجھنا ہے کہ وہ آدمی کی پوری زندگی پر چھا جائے۔ آدمی اپنا سب کچھ آخرت کے لئے لگا دے۔ جو لوگ ایسے آخرت پسندوں کو دیوانہ سمجھتے تھے وہ آخرت میں ان کی کامیابیاں دیکھ کر دم بخود رہ جائیں گے۔ دوسری طرف آخرت پسندوں کا حال یہ ہوگا کہ وہ اپنے شاندار انجام کو اس طرح حیرت کے ساتھ دیکھیں گے جیسے کہ انہیں یقین نہ آرہا ہو کہ ان کے چھوٹے سے عمل کا خدا نے انھیں اتنا بڑا بدلہ دے دیا ہے۔ کیسا عجیب ہوگا وہ انسان جو ایسی جنت کا حریص نہ ہو، جو ایسی جنت کے لئے عمل نہ کرے۔

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ۝۶۲ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ۝۶۳ اِنَّهَا شَجَرَةٌ
تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ۝۶۴ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ۝۶۵ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ
مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝۶۶ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ۝۶۷ ثُمَّ
اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ۝۶۸ اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ۝۶۹ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ
يُهْرَعُوْنَ ۝۷۰ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۷۱ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝۷۲
ع ۲ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝۷۳ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝۷۴

یہ ضیافت اچھی ہے یا زقوم کا درخت۔ ہم نے اس کو ظالموں کے لئے فتنہ بنایا ہے۔ وہ ایک درخت ہے جو دوزخ کی تہہ سے نکلتا ہے۔ اس کا خوشہ ایسا ہے جیسے شیطان کا سر۔ تو وہ لوگ اس سے کھائیں گے۔ پھر اسی سے پیٹ بھریں گے۔ پھر ان کو کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گا۔ پھر ان کی واپسی دوزخ ہی کی طرف ہوگی۔ انھوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہی میں پایا۔ پھر وہ بھی انھیں کے قدم بقدم دوڑتے رہے، اور ان سے پہلے بھی اگلے لوگوں میں اکثر گمراہ ہوئے۔ اور ہم نے ان میں بھی ڈرانے والے بھیجے۔ تو دیکھو، ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جن کو ڈرایا گیا تھا۔ مگر وہ جو اللہ کے چنے ہوئے بندے تھے۔ ۷۴ - ۶۲

---

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ دوزخ میں زقوم کا درخت ہوگا اور دوزخی لوگ جب بھوک سے بے قرار ہوں گے تو اس کو کھائیں گے (الواقعہ ۵۲)

قرآن میں یہ خبر دی گئی تو قدیم عرب کے لوگوں نے اس کا مذاق اڑانا شروع کیا۔ ایک سردار نے کہا کہ آتش دوزخ کے درمیان درخت کیسے اُگے گا جب کہ آگ درخت کو جلا دیتی ہے۔ ایک اور سردار نے کہا: محمد ہم کو زقوم سے ڈراتے ہیں۔ حالانکہ زقوم بربر زبان میں کھجور اور مکھن کو کہتے ہیں۔ ابوجہل کچھ لوگوں کو اپنے گھر لے گیا اور اپنی خادمہ سے کہا کہ کھجور اور مکھن لے آؤ۔ وہ لائی تو ابوجہل نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ لو اس کو کھاؤ۔ یہی وہ زقوم ہے جس کی محمد تم کو دھمکی دے رہے ہیں (تزقموا ھذا ما یوعدکم بہ محمد، التفسیر المظہری)

اس قسم کے قرآنی بیانات مخالفین کے لئے بہترین ہتھیار تھے جن کے ذریعہ وہ عوام کی نظر میں قرآن کو غیر معتبر ثابت کر سکیں۔ اللہ کے لئے یہ ممکن تھا کہ وہ قرآن میں ایسا لفظ استعمال نہ کرے جس میں مخالفین کے لئے شوشہ نکالنے کا موقع ہو۔ مگر اللہ نے ایسا نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہی وہ مقام ہے جہاں

آدمی کا امتحان ہو رہا ہے۔ آدمی کو نجات یافتہ بننے کے لئے یہ ثبوت دینا ہے کہ اس نے شوشے کی باتوں سے بچ کر اصل حقیقت پر دھیان دیا۔ اس نے غلط فہمیوں کو عبور کر کے کلام کے حقیقی مدعا کو پایا۔ اس نے ذہنی انحراف کے مواقع ہوتے ہوئے اپنے ذہن کو انحراف سے بچایا۔

اللہ کے چنے ہوئے بندے وہ ہیں جو رواجی دین سے اوپر اٹھ کر سچائی کو دریافت کریں۔ جو ظواہر سے بلند ہو کر معانی کا ادراک کریں۔ جو خدا کے بشری نمائندہ کو پہچان کر اس کے ساتھی بن جائیں۔

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾
وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۷۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۹﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ
اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۸۲﴾

اور ہم کو نوح نے پکارا تو ہم کیا خوب پکار سننے والے ہیں۔ اور ہم نے اس کو اور اس کے لوگوں کو بہت بڑے غم سے بچالیا۔ اور ہم نے اس کی نسل کو باقی رہنے والا بنایا۔ اور ہم نے اس کے طریقہ پر پچھلوں میں ایک گروہ کو چھوڑا۔ سلام ہے نوح پر تمام دنیا والوں میں۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔ پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا۔ ۸۲ - ۷۵

---

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ان کی دشمن ہوگئی۔ انھوں نے قوم کے مقابلہ میں مدد کے لئے اللہ کو پکارا تو اللہ نے بہترین طور پر آپ کی مدد کی۔ یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ جب اللہ کا ایک بندہ اللہ کو پکارتا ہے تو اللہ کی طرف سے وہ اس کا بہترین جواب پاتا ہے۔ مگر اس معاملہ کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں ایک اور بات کو شامل کیا جائے۔ وہ یہ کہ حضرت نوح ساڑھے نوسو سال تک کام کرتے رہے۔ انھوں نے صبر اور حکمت اور خیر خواہی کے تمام آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے قوم کو دعوت دی۔ اس طرح لمبی مدت کے بعد وہ وقت آیا کہ وہ قوم کے خلاف اللہ کو پکاریں اور اللہ اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ ان کی مدد پر آجائے۔

حضرت نوح کے مخالفین ایک ہولناک طوفان میں اس طرح ہلاک ہوئے کہ ان کی پوری نسل ختم ہوگئی اس کے بعد دوبارہ جو نسل چلی وہ انھیں چند افراد کے ذریعہ چلی جو حضرت نوح کے ساتھ کشتی میں بچالئے

گئے تھے۔

وَإِنَّ مِن شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ ۝ إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ
وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ ۝ أَئِفْكًا آلِهَةً دُونَ اللَّهِ تُرِيدُونَ ۝ فَمَا ظَنُّكُم
بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

اور اسی کے طریقہ والوں میں سے ابراہیم بھی تھا۔ جب کہ وہ آیا اپنے رب کے پاس قلب سلیم کے ساتھ۔ جب اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو۔ کیا تم اللہ کے سوا من گھڑت معبودوں کو چاہتے ہو تو خداوند عالم کے باب میں تمہارا کیا خیال ہے۔ ۸۳-۸۷

---

حضرت ابراہیم بھی اسی دین پر تھے جس دین پر حضرت نوح تھے۔ تمام نبیوں کی دعوت ہمیشہ ایک رہی ہے۔ وہ یہ کہ آدمی قلب سلیم کے ساتھ خدا کے یہاں پہنچے۔

قلب سلیم کے معنی ہیں پاک دل۔ یعنی آفات سے محفوظ دل۔ یہی اصل چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کو انسان سے مطلوب ہے۔ اللہ نے انسان کو فطرت صحیح پر پیدا کر کے دنیا میں بھیجا۔ اب اس کا امتحان یہ ہے کہ وہ دنیا کے فتنوں سے اپنے آپ کو بچائے۔ وہ ہر قسم کی نفسی اور شیطانی آلودگی سے پاک رہ کر خدا کے یہاں پہنچے۔ یہی پاک اور محفوظ انسان ہیں جن کو خدا اپنی جنتوں میں بسائے گا۔

شرک خدا کی تصغیر ہے۔ آدمی خدا کو سب سے بڑے کی حیثیت سے نہیں پاتا اس لئے وہ دوسری بڑائیوں میں گم ہو کر ان کی پرستش کرنے لگتا ہے۔

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ۝ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ۝ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ۝ فَرَاغَ إِلَىٰ
آلِهَتِهِمْ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنطِقُونَ ۝ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ۝
فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزِفُّونَ ۝ قَالَ أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ ۝ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا
تَعْمَلُونَ ۝ قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ ۝ فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ
الْأَسْفَلِينَ ۝ وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ ۝ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ
الصَّالِحِينَ ۝ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ۝

پھر ابراہیم نے ستاروں پر ایک نظر ڈالی۔ پس کہا کہ میں بیمار ہوں۔ پھر وہ لوگ اس کو چھوڑ کر چلے گئے۔ تو وہ ان کے بتوں میں گھس گیا، کہا کہ کیا تم کھاتے نہیں ہو۔ تم کو کیا ہوا کہ تم کچھ بولتے نہیں۔ پھر ان کو مارا پوری قوت کے ساتھ۔ پھر لوگ اس کے پاس دوڑے ہوئے آئے۔ ابراہیم نے کہا، کیا تم لوگ ان چیزوں کو پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو۔ اور اللہ ہی نے پیدا کیا ہے تم کو بھی اور ان چیزوں کو بھی جن کو تم بناتے ہو۔ انھوں نے کہا، اس کے لئے ایک مکان بناؤ پھر اس کو دہکتی آگ میں ڈال دو۔ پس انھوں نے اس کے خلاف ایک کارروائی کرنی چاہی تو ہم نے انھیں کو نیچا کردیا۔ اور اس نے کہا کہ میں اپنے رب کی طرف جارہا ہوں، وہ میری رہنمائی فرمائے گا۔ اے میرے رب، مجھ کو اولاد صالح عطا فرما۔ تو ہم نے اس کو ایک بردبار لڑکے کی بشارت دی۔ ۸۸ - ۱۰۱

---

حضرت ابراہیم کی قوم کے لوگ غالباً کسی تیوہار میں شرکت کے لئے شہر سے باہر جارہے تھے۔ آپ کے گھر والوں نے آپ سے بھی چلنے کے لئے کہا۔ آپ نے توریہ کے انداز میں ان سے معذرت کرلی۔ جب تمام لوگ چلے گئے تو رات کے وقت آپ بت خانہ میں داخل ہوئے اور اس کے بتوں کو توڑ ڈالا۔ یہ آپ نے اس وقت کیا جبکہ مسلسل دعوت کے ذریعہ آپ ان پر اتمام حجت کرچکے تھے۔ جب انھوں نے دلائل سے بتوں کا بےحقیقت ہونا تسلیم نہیں کیا تو بتوں کو توڑ کر آپ نے عمل کی زبان میں بتایا کہ ان بتوں کی کوئی حقیقت نہیں۔ اگر حقیقت ہوتی تو وہ اپنے آپ کو توڑے جانے سے بچا لیتے۔

آپ کی اس آخری کارروائی کے بعد قوم نے بھی اپنی آخری کارروائی کی۔ انھوں نے آپ کو آگ میں ڈال دیا مگر اللہ نے آپ کو آگ سے بچا لیا۔ اس کے بعد آپ اپنے وطن (عراق) کو چھوڑ کر چلے گئے۔ اس وقت آپ نے دعا کی کہ خدایا تو میرے یہاں صالح اولاد پیدا کر تاکہ میں اس کو تعلیم وتربیت کے ذریعہ مومن ومسلم بناؤں اور وہ میرے بعد دعوت توحید کا تسلسل جاری رکھے۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا
تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾ فَلَمَّآ
اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿١٠٣﴾ۚ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿١٠٤﴾ۙ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا
كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٠٥﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰۗؤُا الْمُبِيْنُ ﴿١٠٦﴾ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ

عَظِيْمٍ ﴿١٠٧﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٠٨﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿١٠٩﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِي
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١١٠﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١١﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ
الصّٰلِحِيْنَ ﴿١١٢﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ۭ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ
مُبِيْنٌ ﴿١١٣﴾ ع ٣٩/٧

پس جب وہ اس کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچا، اس نے کہا کہ اے میرے بیٹے، میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں پس تم سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ اس نے کہا کہ اے میرے باپ، آپ کو جو حکم دیا جا رہا ہے اس کو کر ڈالئے، انشاء اللہ آپ مجھ کو صابروں میں سے پائیں گے۔ پس جب دونوں مطیع ہو گئے اور ابراہیم نے اس کو ماتھے کے بل گرا دیا۔ اور ہم نے اس کو آواز دی کہ اے ابراہیم تم نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک کھلی ہوئی آزمائش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی کے عوض اس کو چھڑا لیا۔ اور ہم نے اس پر پچھلوں میں ایک گروہ کو چھوڑا، سلامتی ہو ابراہیم پر۔ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا اور ہم نے اس کو اسحاق کی خوشخبری دی، ایک نبی صالحین میں سے۔ اور ہم نے اس کو اور اسحاق کو برکت دی۔ اور ان دونوں کی نسل میں اچھے بھی ہیں اور ایسے بھی جو اپنے نفس پر صریح ظلم کرنے والے ہیں۔

١٠٢ - ١١٣

حضرت ابراہیم کے زمانہ میں شرک کا اس طرح عمومی غلبہ ہوا کہ تاریخ میں اس کا تسلسل قائم ہو گیا۔ اب جو بچہ پیدا ہوتا وہ ماحول کے اثر سے شرک میں اتنا پختہ ہو جاتا کہ کوئی بھی دعوتی کوشش اس کے ذہن کو شرک سے ہٹانے میں کامیاب نہیں ہوتی تھی۔ حضرت ابراہیم جب طویل دعوتی جدوجہد کے بعد عراق سے نکلے تو ان کے ساتھ صرف دو مومن تھے۔ ایک آپ کی اہلیہ سارہ، دوسرے آپ کے بھتیجے لوط۔

لوگ دعوت کے ذریعہ توحید کے راستہ پر نہیں آ رہے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ کا یہ منصوبہ ہوا کہ ایک ایسی نسل تیار کی جائے جو شرک کی فضا سے الگ ہو کر پرورش پائے۔ اس کے لئے حجاز کے علاقہ کا انتخاب ہوا جو بے آب و گیاہ ہونے کی وجہ سے بالکل غیر آباد پڑا ہوا تھا۔ منصوبہ یہ تھا کہ اس غیر آباد علاقہ میں ایک شخص کو آباد کیا جائے اور اس سے توالد و تناسل کے ذریعہ ایک محفوظ نسل تیار کی جائے۔ مگر اس وقت حجاز مکمل طور پر ایک خشک صحرا تھا اور اس خشک صحرا میں کسی شخص کو آباد کرنا اس کو جیتے جی

ذبح کر دینے کے ہم معنی تھا۔ حضرت ابراہیم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹے کے حق میں اسی ذبیحہ کا حکم دیا اور انھوں نے پوری طرح مطیع ہو کر اپنے بیٹے کو اس ذبیحہ کے لئے حاضر کر دیا۔

حضرت ابراہیم کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق تھے۔ ان کی نسل میں مسلسل نبوت جاری رہی یہاں تک کہ بنو اسماعیل میں آخری نبی پیدا ہو گئے۔ انھوں نے مذکورہ "محفوظ نسل" کو استعمال کر کے وہ انقلاب برپا کیا جس نے ہمیشہ کے لئے شرک کو غالب فکر کی حیثیت سے ختم کر دیا۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ
الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾
وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى
مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

اور ہم نے موسیٰ اور ہارون پر احسان کیا۔ اور ان کو اور ان کی قوم کو ایک بڑی مصیبت سے نجات دی۔ اور ہم نے ان کی مدد کی تو وہی غالب آنے والے بنے۔ اور ہم نے ان دونوں کو واضح کتاب دی۔ اور ہم نے ان دونوں کو سیدھا راستہ دکھایا۔ اور ہم نے ان کے طریقہ پر پیچھے والوں میں ایک گروہ کو چھوڑا۔ سلامتی ہو موسیٰ اور ہارون پر۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ بے شک وہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ ۱۲۲-۱۱۴

---

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کی مدد کی اور ان کو فرعون کے ظلم سے نجات دی۔ یہاں سوال یہ ہے کہ یہ کیسے ہوا۔ یہ دعوت الی اللہ کے ذریعہ ہوا۔ حضرت موسیٰ نے فرعون پر حق کی تبلیغ کی۔ لمبی جدوجہد کے ذریعہ آپ نے اس کو اتمام حجت تک پہنچایا۔ اس کے بعد وہ وقت آیا کہ فرعون کو مجرم قرار دے کر اسے ہلاک کیا جائے۔ اور حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کو غلبہ حاصل ہو۔

اس سیاق میں صراط مستقیم دکھانے کا ایک مطلب یہ ہے کہ فرعون کے مسئلہ کا صحیح حل ان پر کھولا گیا۔ بنی اسرائیل کے لئے اگر چہ یہ ایک قومی مسئلہ تھا مگر اس کا حل انھیں دعوت کی شکل میں بتایا گیا۔ چنانچہ انھیں جو غلبہ ملا وہ ان کو دعوتی جدوجہد کے نتیجہ میں ملا نہ کہ فرعون کے خلاف معروف قسم کی قومی جدوجہد کے نتیجہ میں۔

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۲۳ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۱۲۴ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّ
تَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ۝۱۲۵ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۲۶ فَكَذَّبُوْهُ
فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۝۱۲۷ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝۱۲۸ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي
الْاٰخِرِيْنَ ۝۱۲۹ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ۝۱۳۰ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۳۱ اِنَّهٗ
مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۳۲

اور الیاس بھی پیغمبروں میں سے تھا۔ جب کہ اس نے اپنی قوم سے کہا، کیا تم ڈرتے نہیں۔ کیا تم لوگ بعل کو پکارتے ہو اور بہترین خالق کو چھوڑ دیتے ہو، اللہ کو جو تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے اگلے باپ دادا کا بھی۔ پس انھوں نے اس کو جھٹلایا تو وہ پکڑے جانے والوں میں سے ہوں گے۔ مگر جو اللہ کے خاص بندے تھے۔ اور ہم نے اس کے طریقہ پر پچھلوں میں ایک گروہ کو چھوڑا۔ سلامتی ہو الیاس پر۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔ ۱۲۳ - ۱۳۲

---

حضرت الیاس علیہ السلام غالباً حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ ان کا زمانہ نویں صدی قبل مسیح ہے۔ اس زمانہ میں اسرائیل (فلسطین) کا یہودی بادشاہ اخی اب (Ahab) اور لبنان میں فنیقی قوم (Phoenicians) کی حکومت تھی جو مشرک تھی اور بعل نامی بت کی پوجا کرتی تھی۔ اخی اب نے مشرک بادشاہ کی لڑکی سے شادی کر لی۔ اس مشرک شہزادی کے اثر سے یہودیوں کے درمیان بعل کی پرستش شروع ہوگئی۔ اس وقت حضرت الیاس نے یہودیوں کو ڈرایا اور ان کو خدائے واحد کی پرستش کی طرف بلایا جو ان کا اصل آبائی دین تھا۔ حضرت الیاس کے حالات تفصیل سے بائبل میں موجود ہیں۔

حضرت الیاس کے زمانہ میں صرف تھوڑے سے یہودیوں نے آپ کا ساتھ دیا۔ بیشتر تعداد نے آپ کی مخالفت کی۔ حتیٰ کہ وہ آپ کے قتل کے درپے ہوگئے۔ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر سزائیں بھیجیں۔ مگر بعد کو یہودیوں کے یہاں حضرت الیاس (ایلیا) کو بہت اونچا مقام ملا۔ اب وہ یہودیوں کی تاریخ میں بہت بڑے نبی شمار کئے جاتے ہیں۔

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۳۳ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۳۴ اِلَّا عَجُوْزًا فِي

الْغٰبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ۝ وَبِالَّيْلِ
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

اور بے شک لوط بھی پیغمبروں میں سے تھا۔ جب کہ ہم نے اس کو اور اس کے لوگوں کو نجات دی۔ مگر ایک بڑھیا جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی۔ پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا۔ اور تم ان کی بستیوں پر گزرتے ہو صبح کو بھی اور رات کو بھی، تو کیا تم نہیں سمجھتے۔ ۱۳۸ - ۱۳۳

---

حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے۔ وہ بحرِ مردار کے علاقہ میں سدوم اور عمورہ کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے جن کے باشندے غیر اللہ کی پرستش میں مبتلا تھے۔ مگر انھوں نے ہدایت قبول نہیں کی۔ آخر کار ان پر خدا کی آفت آئی اور حضرت لوط اور ان کے چند ساتھیوں کو چھوڑ کر سب کے سب ہلاک کر دئے گئے۔

قوم لوط کی بستیوں کے کھنڈر بحر مردار کے کنارے موجود تھے اور قریش کے لوگ جب تجارت کے لئے شام اور فلسطین جاتے تو وہ راستہ میں ان برباد شدہ بستیوں کو دیکھتے۔ مگر انسان کا حال یہ ہے کہ وہ صرف اسی حادثہ کو جانتا ہے جو خود اس کے اپنے اوپر پڑے۔ دوسروں کے انجام سے وہ کبھی سبق نہیں لیتا۔

وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ فَسَاهَمَ
فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ۝ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ۝ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ
الْمُسَبِّحِيْنَ ۝ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ
سَقِيْمٌ ۝ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ۝ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ
يَزِيْدُوْنَ ۝ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝

اور بے شک یونس بھی رسولوں میں سے تھا۔ جب کہ وہ بھاگ کر بھری ہوئی کشتی پر پہنچا۔ پھر قرعہ ڈالا تو وہی خطا وار نکلا۔ پھر اس کو مچھلی نے نگل لیا۔ اور وہ اپنے کو ملامت کر رہا تھا۔ پس اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتا تو لوگوں کے اٹھائے جانے کے دن تک اس کے پیٹ ہی میں رہتا۔ پھر ہم نے اس کو ایک میدان میں ڈال دیا اور وہ نڈھال تھا۔ اور ہم نے اس پر ایک بیل دار درخت

اگا دیا۔ اور ہم نے اس کو ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف بھیجا۔ پھر وہ لوگ ایمان لائے تو ہم نے ان کو فائدہ اٹھانے دیا ایک مدت تک۔ ۱۳۹ - ۱۴۸

---

حضرت یونس علیہ السلام کا زمانہ آٹھویں صدی قبل مسیح ہے۔ وہ عراق کے قدیم شہر نینوی (Nineveh) میں رسول بنا کر بھیجے گئے۔ ایک مدت تک تبلیغ کے بعد آپ نے اندازہ کیا کہ قوم ایمان لانے والی نہیں ہے۔ آپ نے شہر چھوڑ دیا۔ آگے جانے کے لئے آپ غالباً دجلہ کے کنارے ایک کشتی میں سوار ہوئے۔ کشتی زیادہ بھری ہوئی تھی۔ درمیان میں پہنچ کر ڈوبنے کا اندیشہ ہوا۔ چنانچہ کشتی کو ہلکا کرنے کے لئے قرعہ ڈالا گیا کہ جس کا نام نکلے اس کو دریا میں پھینک دیا جائے۔ قرعہ حضرت یونس کے نام نکلا اور کشتی والوں نے آپ کو دریا میں ڈال دیا۔ اس وقت خدا کے حکم سے ایک بڑی مچھلی نے آپ کو نگل لیا اور آپ کو لے جا کر دریا کے کنارے خشکی میں ڈال دیا۔ حضرت یونس نے اپنی قوم کو قبل از وقت چھوڑ دیا تھا۔ چنانچہ اللہ کا حکم ہوا کہ آپ دوبارہ اپنی قوم کی طرف واپس جائیں۔ آپ نے دوبارہ آکر تبلیغ کی تو شہر کے تمام سوا لاکھ باشندے مومن بن گئے۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ داعی کے لئے صبر انتہائی حد تک ضروری ہے۔ حتیٰ کہ اس وقت بھی جب کہ لوگوں کا رویہ بظاہر مایوسی پیدا کرنے والا بن جائے۔

فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُونَ ﴿۱۴۹﴾ أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا وَهُمْ
شَاهِدُونَ ﴿۱۵۰﴾ أَلَا إِنَّهُمْ مِنْ إِفْكِهِمْ لَيَقُولُونَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللَّهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۱۵۲﴾
أَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِينَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿۱۵۴﴾ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۱۵۵﴾
أَمْ لَكُمْ سُلْطَانٌ مُبِينٌ ﴿۱۵۶﴾ فَأْتُوا بِكِتَابِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۵۷﴾

پس ان سے پوچھو کیا تمہارے رب کے لئے بیٹیاں ہیں اور ان کے لئے بیٹے۔ کیا ہم نے فرشتوں کو عورت بنایا ہے اور وہ دیکھ رہے تھے۔ سن لو، یہ لوگ صرف من گھڑت کے طور پر ایسا کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے اور یقیناً وہ جھوٹے ہیں۔ کیا اللہ نے بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیاں پسند کی ہیں۔ تم کو کیا ہو گیا ہے، تم کیسا حکم لگا رہے ہو۔ پھر کیا تم سوچ سے کام نہیں لیتے۔ کیا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل ہے۔ تو اپنی کتاب لاؤ اگر تم سچے ہو۔ ۱۴۹ - ۱۵۷

---

شیطان کی ترغیب یا انسانوں کی غلط تعبیر سے اکثر غیبی حقیقتوں کے بارہ میں بہت بڑی بڑی گمراہیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ انھیں میں سے ایک فرشتوں کے متعلق کچھ لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ خدا کی بیٹیاں ہیں یہ انتہائی حد تک بے بنیاد اور غیر معقول بات ہے۔ اس کی غلطی اس سادہ سی بات سے ثابت ہے کہ خدا کو اگر اپنی مدد کے لئے اولاد درکار تھی تو وہ اپنے لئے بیٹے بناتا۔ وہ اپنے لئے بیٹیاں کیوں بناتا جو خود مشرکین کے نزدیک کمزوری کی علامت ہیں۔

وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۝ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ۝ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ۝ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّاۗفُّوْنَ ۝ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ۝

اور انھوں نے خدا اور جنات میں بھی رشتہ داری قرار دی ہے۔ اور جنوں کو معلوم ہے کہ یقیناً وہ پکڑے ہوئے آئیں گے۔ اللہ پاک ہے ان باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ مگر وہ جو اللہ کے چنے ہوئے بندے ہیں۔ پس تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو، خدا سے کسی کو پھیر نہیں سکتے۔ مگر اس کو جو جہنم میں پڑنے والا ہے۔ اور ہم میں سے ہر ایک کا ایک معین مقام ہے۔ اور ہم خدا کے حضور بس صف بستہ رہنے والے ہیں۔ اور ہم اس کی تسبیح کرنے والے ہیں۔ ۱۵۸ - ۱۶۶

---

گمراہ قومیں جنات کے بارہ میں اس طرح کا عقیدہ رکھتی ہیں گویا کہ جنات خدا کے حریف اور مد مقابل ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جنوں کے ہاتھ میں بدی کی طاقتیں ہیں اور فرشتوں کے ہاتھ میں نیکی کی طاقتیں۔ یہ دونوں جس کو چاہیں مصیبت میں ڈال دیں اور جس کو چاہیں کامیاب بنا دیں۔ جیسا کہ مجوس خدائی میں ثنویت کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک یزدان نیکی کا خدا ہے اور اہرمن برائی کا خدا۔

انسان اپنے جھوٹے مفروضات کی بنا پر دنیا میں فرشتوں کی عبادت کرتا ہے۔ اور خود فرشتوں کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ کے حضور تابعدار خادم کی طرح صف بستہ کھڑے رہتے ہیں اور ہر وقت صرف ایک اللہ کی بڑائی کا اعلان کرتے ہیں۔

وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ۝ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ

الْمُخْلَصِينَ ۝۱۶۹ فَكَفَرُوا بِهِ ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝۱۷۰ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا
الْمُرْسَلِينَ ۝۱۷۱ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ۝۱۷۲ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ۝۱۷۳ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ
حِينٍ ۝۱۷۴ وَأَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ۝۱۷۵

اور یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس پہلوں کی کوئی تعلیم ہوتی تو ہم اللہ کے خاص بندے ہوتے۔ پھر انھوں نے اس کا انکار کر دیا تو عنقریب وہ جان لیں گے۔ اور اپنے بھیجے ہوئے بندوں کے لئے ہمارا یہ فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے۔ کہ بے شک وہی غالب کئے جائیں گے۔ اور ہمارا لشکر ہی غالب رہنے والا ہے۔ تو کچھ مدت تک ان سے اعراض کرو اور دیکھتے رہو، عنقریب وہ بھی دیکھ لیں گے۔ ۱۶۷-۱۷۵

---

قدیم زمانہ میں عربوں کا حال یہ تھا کہ جب وہ سنتے کہ یہود لے اور دوسری قوموں نے اپنے رسولوں کا انکار کیا تو وہ پر فخر طور پر کہتے کہ یہ لوگ بہت بد بخت تھے۔ اگر ہمارے پاس رسول آتا تو ہم اس کی قدر دانی کرتے اور اس کا ساتھ دیتے۔ مگر جب ان کے اندر اللہ نے ایک رسول بھیجا تو وہ اس کے منکر ہو گئے جس طرح دوسرے لوگ اپنے رسولوں کے منکر ہوئے تھے ——— ایسا حق آدمی کو خوب دکھائی دیتا ہے جس کی زد دوسروں پر پڑتی ہو۔ مگر جس حق کی زد خود آدمی کی اپنی ذات پر پڑے اس سے وہ اس طرح بے خبر ہو جاتا ہے جیسے اس کو دیکھنے کے لئے اس کے پاس آنکھ ہی نہیں۔

حق کے داعیوں کی بات کو لوگ نظر انداز کرتے ہیں وہ بھول جاتے ہیں کہ حق کے داعی اس دنیا میں خدا کے لشکر ہیں۔ حق کے داعیوں کی بات ہر حال میں بلند و بالا ہو کر رہتی ہے، خواہ مخالفت کرنے والے اس کی کتنی ہی زیادہ مخالفت کریں۔

أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ۝۱۷۶ فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ ۝۱۷۷ وَتَوَلَّ
عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ۝۱۷۸ وَأَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ۝۱۷۹ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا
يَصِفُونَ ۝۱۸۰ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ۝۱۸۱ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝۱۸۲ ع

کیا وہ ہمارے عذاب کے لئے جلدی کر رہے ہیں۔ پس جب وہ ان کے صحن میں اترے گا تو بڑی ہی بری ہوگی ان لوگوں کی صبح جن کو اس سے ڈرایا جا چکا ہے۔ تو کچھ مدت کے لئے ان سے اعراض کرو۔ اور دیکھتے رہو،

عنقریب وہ خود دیکھ لیں گے۔ پاک ہے تیرا رب، عزت کا مالک، ان باتوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ اور سلام ہے پیغمبروں پر۔ اور ساری تعریف اللہ کے لیے ہے جو رب ہے سارے جہان کا۔

---

۱۸۲-۱۷۶

پیغمبر لوگوں سے کہتے تھے کہ اگر تم نے میری بات نہ مانی تو تمہارے اوپر خدا کا عذاب آ جائے گا۔ مگر لوگ اس بات کو بے حقیقت سمجھتے رہے اور اس کا مذاق اڑاتے رہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا پیغمبر انہیں اس سے بہت کم نظر آتا تھا کہ اس کی بات نہ ماننے سے ان پر خدا کا عذاب ٹوٹ پڑے۔

تاہم ان کے تمسخر اور استہزاء کے باوجود ایسا نہیں ہوا کہ فوراً ان کے اوپر عذاب آ جائے کیونکہ عذاب الٰہی کے اترنے کے لئے حجت کی تکمیل ضروری ہے۔ اس لئے پیغمبروں کو حکم ہوتا ہے کہ وہ صبر اور اعراض کرتے رہیں، یہاں تک کہ علم الٰہی کے مطابق مقررہ مدت پوری ہو جائے۔

---

سُوْرَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٍ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ ۝١ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝٢ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ۝٣

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

ص۔ قسم ہے نصیحت والے قرآن کی۔ بلکہ جن لوگوں نے انکار کیا، وہ گھمنڈ اور ضد میں ہیں۔ ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی قومیں ہلاک کردیں، تو وہ پکارنے لگے اور وہ وقت بچنے کا نہ تھا۔ ۳-۱

---

"ذکر" کے اصل معنی یاددہانی کے ہیں۔ یاددہانی کسی ایسی چیز کی کرائی جاتی ہے جو بطور واقعہ پہلے سے موجود ہو۔ قرآن کے ذی الذکر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن ان حقیقتوں کو ماننے کی دعوت دیتا ہے جو انسانی فطرت میں پہلے سے موجود ہیں۔ قرآن کی کوئی بات اب تک خلاف واقعہ یا خلاف فطرت نہیں نکلی۔ یہی اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ قرآن سراسر حق ہے۔ اس کے باوجود جو لوگ قرآن کو نہ مانیں ان کے نہ ماننے کا سبب یقینی طور پر نفسیاتی ہے نہ کہ عقلی۔ ان کا نہ ماننا کسی دلیل کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ اس کو مان کر ان کی بڑائی ختم ہو جائے گی۔

قرآن اس دعوت توحید کا تسلسل ہے جو پچھلے ہر دور میں مختلف نبیوں کے ذریعہ جاری رہی ہے۔

پچھلے زمانوں میں جن لوگوں نے اس دعوت کا انکار کیا وہ ہلاک کر دئے گئے۔ حالانکہ منکرین کو ماضی کے منکرین کے اس انجام سے سبق لینا چاہئے۔

وَعَجِبُوٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝۴ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ
اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝۵ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى
اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ ۝۶ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا
اخْتِلَاقٌ ۝۷ ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا ۭ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ۚ بَلْ لَّمَّا
يَذُوْقُوْا عَذَابِ ۝۸

اور ان لوگوں نے تعجب کیا کہ ان کے پاس ان میں سے ایک ڈرانے والا آیا۔ اور انکار کرنے والوں نے کہا کہ یہ جادوگر ہے، جھوٹا ہے۔ کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک معبود کر دیا، یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ اور ان کے سردار اٹھ کھڑے ہوئے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر جمے رہو، یہ کوئی مطلب کی بات ہے۔ ہم نے یہ بات پچھلے مذہب میں نہیں سنی، یہ صرف ایک بنائی بات ہے۔ کیا ہم سب میں سے اسی شخص پر کلام الٰہی نازل کیا گیا۔ بلکہ یہ لوگ میری یاد دہانی کی طرف سے شک میں ہیں۔ بلکہ انھوں نے اب تک میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا۔ ۴-۸

---

"پیغمبر اسلام" کا نام آج ایک عظیم نام ہے۔ کیونکہ بعد کی پرعظمت تاریخ نے اس کو عظیم بنا دیا ہے۔ مگر ابتدا میں جب آپ نے مکہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تو لوگوں کو آپ صرف ایک معمولی آدمی دکھائی دیتے تھے۔ لوگوں کے لئے یہ یقین کرنا مشکل ہو گیا کہ یہی معمولی آدمی وہ شخص ہے جس کو خدا نے اپنے کلام کا مہبط بننے کے لئے چنا ہے ــــــ جب تاریخ بن چکی ہو تو ایک اندھا آدمی بھی پیغمبر کو پہچان لیتا ہے۔ مگر تاریخ بننے سے پہلے پیغمبر کو پہچاننے کے لئے جوہر شناسی کی صلاحیت درکار ہے، اور یہ صلاحیت وہ ہے جو ہر دور میں سب سے زیادہ کم پائی گئی ہے۔

قرآن کا غیر معمولی طور پر موثر کلام قرآن کے مخالفین کو مبہوت کر دیتا تھا۔ مگر صاحب قرآن کی معمولی تصویر دوبارہ انھیں شبہہ میں ڈال دیتی تھی۔ اس لئے وہ اس کو رد کرنے کے لئے طرح طرح کی باتیں کرتے تھے۔ کبھی اس کو جادوگر کہتے۔ کبھی جھوٹا بتاتے۔ کبھی کہتے کہ اس کے پیچھے کوئی مادی غرض شامل ہے۔ کبھی

کہتے کہ ایسا کیوں کر ہوسکتا ہے کہ ہمارے بڑے بڑے بزرگوں کی بات صحیح نہ ہو اور اس معمولی آدمی کی بات صحیح ہو۔

"اپنے معبودوں پر جمے رہو" کا لفظ بتاتا ہے کہ دلیل کے میدان میں وہ اپنے آپ کو عاجز پا رہے تھے، اس لئے انھوں نے تعصب کے نعرہ پر اپنے لوگوں کو قرآنی سیلاب سے بچانے کی کوشش کی۔

أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ ۝ أَمْ لَهُم مُّلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ فَلْيَرْتَقُوا فِي الْأَسْبَابِ ۝ جُندٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ ۝ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ۝ وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ ۚ أُولَٰئِكَ الْأَحْزَابُ ۝ إِن كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ۝ وَمَا يَنظُرُ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً مَّا لَهَا مِن فَوَاقٍ ۝ وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّل لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ۝

کیا تیرے رب کی رحمت کے خزانے ان کے پاس ہیں جو زبردست ہے، فیاض ہے۔ کیا آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کی بادشاہی ان کے اختیار میں ہے۔ پھر وہ سیڑھیاں لگا کر چڑھ جائیں۔ ایک لشکر یہ بھی یہاں تباہ ہوگا سب لشکروں میں سے۔ ان سے پہلے قوم نوح اور عاد اور میخوں والا فرعون۔ اور ثمود اور قوم لوط اور اصحاب ایکہ نے جھٹلایا۔ یہ لوگ بڑی بڑی جماعتیں تھے۔ ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا تو میرا عذاب نازل ہوکر رہا۔ اور یہ لوگ صرف ایک چنگھاڑ کے منتظر ہیں، جس کے بعد کوئی ڈھیل نہیں۔ اور انھوں نے کہا کہ اے ہمارے رب، ہمارا حصہ ہم کو حساب کے دن سے پہلے دے دے۔ ۱۶ — ۹

---

خدا کی رحمت ھدایت اس طرح تقسیم نہیں ہوتی کہ جس شخص کو دنیوی عظمت مل ہوئی ہو اسی کو خدا کی ہدایت بھی دیدی جاتے۔ اگر دنیوی عظمت لوگوں کو خدا کے یہاں عظیم بنانے والی ہوتی تو ایسے لوگوں کے لئے ممکن ہوتا کہ وہ جس شخص کو چاہیں خدا کی رحمت پہنچائیں اور جس سے چاہیں اسے روک دیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ خدا اپنی رحمت کی تقسیم خود اپنے معیار پر کرتا ہے نہ کہ ظاہر پرست انسانوں کے بنائے ہوئے معیار پر۔

پیغمبر کا انکار کرنے والے کہتے کہ جس خدائی عذاب سے تم ہم کو ڈرا رہے ہو اس خدائی عذاب کو لے آؤ۔ یہ جرأت ان کے اندر اس لئے پیدا ہوتی تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ ان پر خدا کا عذاب آنے والا ہی نہیں۔ ان کو بتایا گیا کہ جن بتوں کے بل پر تم اپنے آپ کو محفوظ سمجھ رہے ہو، اسی قسم کے بتوں کے بل پر پچھلی قوموں نے بھی اپنے کو محفوظ سمجھا اور اپنے رسولوں کے ساتھ سرکشی کی۔ مگر وہ سب کی سب ہلاک کر دی گئیں۔ پھر تم آخر کس طرح بچ جاؤ گے۔

اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ⑰ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ⑱ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۭ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ⑲ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ⑳

جو کچھ وہ کہتے ہیں اس پر صبر کرو، اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو جو قوت والا، رجوع کرنے والا تھا۔ ہم نے پہاڑوں کو اس کے ساتھ مسخر کر دیا کہ وہ اس کے ساتھ صبح اور شام تسبیح کرتے تھے، اور پرندوں کو بھی جمع ہو کر۔ سب اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ اور ہم نے اس کی سلطنت مضبوط کی، اور اس کو حکمت عطا کی۔ اور معاملات کا فیصلہ کرنے کی صلاحیت دی۔ ۲۰-۱۷

---

دین میں صبر کی بے حد اہمیت ہے۔ مگر انسان کی اذیتوں پر صبر وہی شخص کر سکتا ہے جو انسان کے معاملہ کو خدا کے خانہ میں ڈال سکے۔ جو شخص خدا کی حمد و تسبیح میں ڈوبا ہوا ہو اسی کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ انسان کی طرف سے کہی جانے والی ناخوشگوار باتوں کو نظر انداز کر دے۔

حضرت داؤد اس صفت کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی قوت اور سلطنت دی تھی۔ مگر ان کا حال یہ تھا کہ وہ ہر معاملہ میں اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ وہ کائنات میں بلند ہونے والی خدائی تسبیحات میں گم رہتے تھے۔ وہ پہاڑ کے دامن میں بیٹھ کر اتنے وجد کے ساتھ حمد خداوندی کا نغمہ چھیڑتے کہ پورا ماحول ان کا ہم آواز ہو جاتا تھا۔ درخت اور پہاڑ بھی ان کے ساتھ تسبیح خوانی میں شامل ہو جاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو جو حکومت دی تھی وہ نہایت مستحکم حکومت تھی۔ اس استحکام کا راز تھا حکمت اور فصل خطاب۔ حکمت سے مراد یہ ہے کہ وہ معاملات میں ہمیشہ حکیمانہ اور دانش مندانہ انداز اختیار کرتے تھے۔ اور فصل خطاب کا مطلب یہ ہے کہ وہ بروقت صحیح فیصلہ لینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ یہی دونوں چیزیں ہیں جو کسی حکمراں کو صالح حکمراں بناتی ہیں۔ اس کے اندر حکمت ہونا اس بات کا ضامن ہے

کہ وہ کوئی ایسا اقدام نہیں کرے گا جو فائدے سے زیادہ نقصان کا سبب بن جائے۔ اور فصل خطاب اس کا ضامن ہے کہ اس کا فیصلہ ہمیشہ منصفانہ فیصلہ ہوگا۔

وقف لازم

وَهَلْ أَتَاكَ نَبَأُ الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿٢١﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُودَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ ۖ قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ خَصْمَانِ بَغَىٰ بَعْضُنَا عَلَىٰ بَعْضٍ فَاحْكُم بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الصِّرَاطِ ﴿٢٢﴾

اور کیا تم کو خبر پہنچی ہے مقدمہ والوں کی جب کہ وہ دیوار پھاند کر عبادت خانہ میں داخل ہوگئے۔ جب وہ داؤد کے پاس پہنچے تو وہ ان سے گھبرا گیا۔ انھوں نے کہا کہ آپ ڈریں نہیں، ہم دو فریق معاملہ ہیں، ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے تو آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجئے، بے انصافی نہ کیجئے اور ہم کو راہ راست بتائیے۔ ۲۲-۲۱

---

کہا جاتا ہے کہ حضرت داؤد نے تین دن کی باری مقرر کر رکھی تھی۔ ایک دن دربار اور فصل مقدمات کے لئے۔ دوسرے دن اپنے اہل و عیال کے ساتھ رہنے کے لئے۔ تیسرے دن الگ رہ کر خالص خدا کی عبادت کے لئے۔ ایک روز جب کہ ان کا عبادتی دن تھا وہ اپنے محل کے مخصوص حصہ میں اکیلے عبادت میں مشغول تھے کہ دو آدمی دیوار پھاند کر اندر داخل ہوگئے اور ان کے کمرۂ عبادت میں آکر کھڑے ہوگئے۔ یہ ایک غیر معمولی بات تھی اس لئے آپ کچھ گھبرا اٹھے۔ ان دونوں آدمیوں نے اطمینان دلایا اور کہا کہ ہم دو فریق ہیں۔ آپ سے ایک جھگڑے کا فیصلہ لینے کے لئے یہاں حاضر ہوئے ہیں۔

إِنَّ هَٰذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِيَ نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ ﴿٢٣﴾ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ ۗ وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ۩ ﴿٢٤﴾ فَغَفَرْنَا لَهُ ذَٰلِكَ ۖ وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ﴿٢٥﴾

السجدة

یہ میرا بھائی ہے، اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے۔ تو وہ کہتا ہے کہ

وہ بھی میرے حوالے کر دے۔ اور اس نے گفتگو میں مجھ کو دبا لیا۔ داؤد نے کہا، اس نے تمہاری دنبی کو اپنی دنبیوں میں ملانے کا مطالبہ کرکے واقعی تم پر ظلم کیا ہے۔ اور اکثر شرکا، ایک دوسرے پر زیادتی کیا کرتے ہیں۔ مگر وہ جو ایمان رکھتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں۔ اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ اور داؤد کو خیال آیا کہ ہم نے اس کا امتحان کیا ہے، تو اس نے اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدے میں گر گیا۔ اور رجوع ہوا۔ پھر ہم نے اس کو وہ معاف کر دیا۔ اور بے شک ہمارے یہاں اس کے لئے تقرب ہے اور اچھا انجام۔ ۲۵ - ۲۳

---

آنے والے دونوں آدمیوں نے جو مقدمہ پیش کیا وہ کوئی حقیقی مقدمہ نہ تھا بلکہ تمثیل کی زبان میں خود حضرت داؤد علیہ السلام کی کسی بات پر انھیں متنبہ کرنا تھا۔ چنانچہ مقدمہ کا فیصلہ دیتے دیتے آپ کو اپنا وہ معاملہ یاد آگیا جو مذکورہ مثال سے ملتا جلتا تھا۔ آپ نے فوراً اس سے رجوع کر لیا اور اللہ کے آگے سجدہ میں گر پڑے۔

حضرت داؤد کو اس وقت زبردست اقتدار حاصل تھا۔ مگر انھوں نے آنے والوں کو نہ تو کوئی سزا دی اور نہ انھیں برا بھلا کہا۔ یہی اللہ کے سچے بندوں کا طریقہ ہے۔ ان کے اندر کسی معاملہ میں ضد نہیں ہوتی۔ انھیں جب ان کی کسی خامی کی طرف توجہ دلائی جائے تو وہ فوراً اس کو مان کر اپنی اصلاح کر لیتے ہیں، خواہ وہ بااقتدار حیثیت کے مالک ہوں اور خواہ متوجہ کرنے والے نے انھیں بے ڈھنگے طریقہ سے متوجہ کیا ہو۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ۝۲۶

ع ۱۲ / ۱۱

اے داؤد، ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ (حاکم) بنایا ہے تو لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرو وہ تجھ کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔ جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹکتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ روز حساب کو بھولے رہے۔ ۲۶

---

ایک حاکم ہمیشہ دو چیزوں کے درمیان ہوتا ہے۔ یا تو وہ معاملات کا فیصلہ اپنی چاہت کے مطابق کرے گا یا اصول حق کے مطابق۔ جو حاکم معاملات کا فیصلہ اپنی چاہ اور خواہش کے مطابق کرے وہ راہ سے بھٹک گیا۔ خدا

کے یہاں اس کی سخت پکڑ ہوگی۔ اس کے برعکس جو حاکم معاملات کا فیصلہ حق و انصاف کے اصول کا پابند رہ کر کرے وہی راہِ راست پر ہے۔ خدا کے یہاں اس کو بے حساب انعامات دئے جائیں گے۔

یہ ہدایت جس طرح ایک حاکم کے لئے ہے اسی طرح وہ عام انسانوں کے لئے بھی ہے۔ ہر آدمی کو اپنے دائرۂ اختیار میں وہی کرنا ہے جو اس آیت میں بااقتدار حاکم کے لئے بتایا گیا ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذَٰلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ ﴿٢٧﴾ أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ ﴿٢٨﴾ كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٢٩﴾

اور ہم نے زمین اور آسمان اور جو ان کے درمیان ہے عبث نہیں پیدا کیا، یہ ان لوگوں کا گمان ہے جنھوں نے انکار کیا، تو جن لوگوں نے انکار کیا ان کے لئے بربادی ہے آگ سے۔ کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کی مانند کردیں گے جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں۔ یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں جیسا کردیں گے۔ یہ ایک بابرکت کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف اتاری ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں پر غور کریں اور تاکہ عقل والے اس سے نصیحت حاصل کریں۔ ۲۹ - ۲۷

---

دنیا کی چیزوں پر غور کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا پورا نظام نہایت حکیمانہ بنیادوں پر قائم ہے حالانکہ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ ایک الل ٹپ نظام ہو اور اس میں کوئی بات یقینی نہ ہو۔ دو امکان میں سے ایک مناسب تر امکان کا پایا جانا اس بات کا قرینہ ہے کہ اس دنیا کو پیدا کرنے والے نے اس کو ایک بامقصد منصوبہ کے تحت بنایا ہے۔ پھر جو دنیا اپنی ابتدا میں بامقصد ہو وہ اپنی انتہا میں بے مقصد کیوں کر ہو جائے گی۔

اسی طرح اس دنیا میں ہر آدمی آزاد اور خود مختار ہے۔ مشاہدہ دوبارہ بتاتا ہے کہ لوگوں میں کوئی شخص وہ ہے جو حقیقت کا اعتراف کرتا ہے اور اپنے اختیار سے اپنے آپ کو سچائی اور انصاف کا پابند بناتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں دوسرا شخص وہ ہے جو حقیقت کا اعتراف نہیں کرتا۔ وہ بے قید ہو کر جو چاہے بولتا ہے اور جس طرح چاہے عمل کرتا ہے۔ عقل اس کو تسلیم نہیں کرتی کہ جب یہاں دو قسم کے انسان ہیں تو ان کا انجام یکساں ہو کر رہ جائے۔

دنیا کی اس صورت حال کو سامنے رکھا جائے تو زندگی کے متعلق قرآن کا بیان ہی زیادہ مطابق حال نظر آئے گا نہ کہ ان لوگوں کا بیان جو زندگی کی تشریح اس کے برعکس انداز میں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَٰنَ ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝۳۰ إِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ
الصَّافِنَاتُ الْجِيَادُ ۝۳۱ فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي حَتَّىٰ تَوَارَتْ
بِالْحِجَابِ ۝۳۲ رُدُّوهَا عَلَيَّ ۖ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ ۝۳۳

اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا، بہترین بندہ، اپنے رب کی طرف بہت رجوع کرنے والا۔ جب شام کے وقت اس کے سامنے تیز رو، عمدہ گھوڑے پیش کئے گئے۔ تو اس نے کہا، میں نے دوست رکھا مال کی محبت کو اپنے رب کی یاد سے، یہاں تک کہ چھپ گیا اوٹ میں۔ ان کو میرے پاس واپس لاؤ۔ پھر وہ جھاڑنے لگا پنڈلیاں اور گردنیں۔ ۳۳ - ۳۰

حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام ایک عظیم سلطنت کے حکمراں تھے۔ ایک روز ان کی فوج کے اصیل اور تربیت یافتہ گھوڑے ان کے سامنے لائے گئے۔ پھر ان کی دوڑ ہوئی۔ یہاں تک کہ گھوڑے دوڑتے ہوئے دور کے منظر میں گم ہو گئے۔ اور پھر وہ دوبارہ واپس آئے۔

اس قسم کا منظر ہمیشہ نہایت شاندار ہوتا ہے۔ ان کو دیکھ کر عام انسان فخر اور گھمنڈ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مگر حضرت سلیمان کا حال یہ ہوا کہ وہ اس پُرفخر منظر کو دیکھ کر خدا کی یاد کرنے لگے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے یہ گھوڑے اپنی شان دکھانے کے لئے پسند نہیں کئے ہیں بلکہ صرف خدا کے لئے پسند کئے ہیں گھوڑے کی شکل میں انھیں خدا کی عظیم کاریگری نظر آئی۔ اور وہ خدا کی عظمت کے اعتراف کے طور پر گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرنے لگے ــــــ مومن ہر چیز میں خدا کی شان دیکھتا ہے اور غیر مومن ہر چیز میں اپنی شان۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَٰنَ وَأَلْقَيْنَا عَلَىٰ كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ ۝۳۴ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي
وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۝۳۵ فَسَخَّرْنَا لَهُ
الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ۝۳۶ وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ ۝۳۷

وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝٣٨ هٰذَا عَطَاۤؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝٣٩
وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝٤٠

اور ہم نے سلیمان کو آزمایا۔ اور ہم نے اس کے تخت پر ایک دھڑ ڈال دیا، پھر اس نے رجوع کیا۔ اس نے کہا کہ اے میرے رب، مجھ کو معاف کر دے اور مجھ کو ایسی سلطنت دے جو میرے بعد کسی کے لئے سزاوار نہ ہو۔ بے شک تو بڑا دینے والا ہے۔ تو ہم نے ہوا کو اس کے تابع کر دیا۔ وہ اس کے حکم سے نرمی کے ساتھ چلتی تھی جدھر وہ چاہتا۔ اور جنات کو بھی اس کا تابع کر دیا۔ ہر طرح کے معمار اور غوطہ خور۔ اور دوسرے جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے رہتے۔ یہ ہمارا عطیہ ہے تو خواہ اس کو دو یا رو کو، بے حساب۔ اور اس کے لئے ہمارے یہاں قرب ہے اور بہتر انجام۔ ۳۴-۴۰

---

ہر انسان سے کوتاہی ہوتی ہے۔ مگر خدا کے نیک بندوں کے لئے کوتاہی ایک عظیم بھلائی بن جاتی ہے کیونکہ وہ کوتاہی کے بعد اور زیادہ خشوع کے ساتھ اپنے رب کی طرف پلٹتے ہیں اور پھر اور زیادہ انعام کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام سے بھی ایک موقع پر کوئی اجتہادی اندازکی کوتاہی ہوگئی۔ جب آپ پر حقیقت واضح ہوئی تو آپ شدید انابت کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے درگزر فرمایا اور مزید یہ انعام کیا کہ آپ کو عظیم سلطنت عطا فرمائی اور آپ کو ایسے غیر معمولی اختیارات دئے جو کسی اور انسان کو حاصل نہیں ہوئے۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَاۤ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ۝٤١
اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ۝٤٢ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ
مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۝٤٣ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَ
لَا تَحْنَثْ ۭ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝٤٤

اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو۔ جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھ کو تکلیف اور عذاب میں ڈال دیا ہے۔ اپنا پاؤں مارو۔ یہ ٹھنڈا پانی ہے، نہانے کے لئے اور پینے کے لئے۔ اور ہم نے اس کو اس کا کنبہ عطا کیا اور

ان کے ساتھ ان کے برابر اور بھی، اپنی طرف سے رحمت کے طور پر اور عقل والوں کے لئے نصیحت کے طور پر۔ اور اپنے ہاتھ میں سینکوں کا ایک مٹھا لو اور اس سے مارو اور قسم نہ توڑو۔ بے شک ہم نے اس کو صابر پایا، بہترین بندہ، اپنے رب کی طرف بہت رجوع کرنے والا۔ ۴۴ - ۴۱

---

حضرت ایوب علیہ السلام بنی اسرائیل کے پیغمبروں میں سے تھے۔ ان کا زمانہ غالباً نویں صدی قبل مسیح ہے ان کو کافی مال ودولت حاصل تھی۔ مگر مال ودولت میں گم ہونے کے بجائے وہ خدا کی عبادت کرتے اور لوگوں کو خدا کی طرف بلاتے تھے۔

کچھ غلط قسم کے لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ ایوب کو جب اتنا زیادہ مال ودولت حاصل ہے تو وہ دیندار نہ بنیں گے تو اور کیا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر حجت قائم کرنے کے لئے حضرت ایوب کو مفلس بنا دیا۔ مگر وہ بدستور اللہ کے عبادت گزار بنے رہے۔ انھوں نے کہا کہ "خداوند نے دیا اور خداوند نے لیا۔ خداوند کا نام مبارک ہو"۔

شریر لوگ اب بھی چپ نہ ہوئے۔ انھوں نے کہا کہ اصل امتحان تو یہ ہے کہ وہ جسمانی تکلیف میں مبتلا ہوں اور پھر بھی صبر وشکر پر قائم رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو یہ نمونہ بھی دکھایا۔ حضرت ایوب کو سخت جلدی بیماری لاحق ہوئی اور ان کے تمام جسم پر پھوڑے ہوگئے۔ مگر وہ بدستور صبر وشکر کی تصویر بنے رہے۔ جب لوگوں پر حجت تمام ہوچکی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب کے لئے ایک چشمہ جاری کیا جس میں نہانے سے ان کا جسم بالکل تندرست ہوگیا۔ اور مال واولاد بھی دوبارہ مزید اضافہ کے ساتھ عطا فرمائے۔

حضرت ایوب نے بیماری کی حالت میں کسی بات پر قسم کھائی تھی کہ اچھے ہوگئے تو اپنی بیوی کو سو لکڑیاں ماریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کو پورا کرنے کی یہ تدبیر انھیں بتائی کہ ایک جھاڑو لو جس میں ایک سو سینکیں ہو اور اس سے ہلکے طور پر ایک بار اپنی بیوی کو ماردو ــــــ اس سے معلوم ہوا کہ مخصوص حالات میں حیلہ کرنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ کسی شرعی حکم کو باطل نہ کرتا ہو۔

خدا جب اپنے دین کے لئے کسی کو استعمال کرے اور وہ شخص کسی تحفظ کے بغیر اپنے آپ کو خدا کے حوالے کردے تو خدا اس کو دوبارہ اس سے زیادہ دے دیتا ہے جتنا اس سے مذکورہ عمل کے دوران چھنا تھا۔

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ

وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ وَكُلٌّ مِّنَ الْأَخْيَارِ ﴿٤٨﴾

اور ہمارے بندوں، ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو یاد کرو، وہ ہاتھوں والے اور آنکھوں والے تھے۔ ہم نے ان کو ایک خاص بات کے ساتھ مخصوص کیا تھا کہ وہ آخرت کی یاددہانی ہے۔ اور وہ ہمارے یہاں چنے ہوئے نیک لوگوں میں سے ہیں۔ اور اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو یاد کرو، سب نیک لوگوں میں سے تھے۔

۴۸-۴۵

---

یہاں چند پیغمبروں کا ذکر کرکے ارشاد ہوا ہے کہ وہ ہاتھ والے اور آنکھ والے تھے۔ یعنی ان کو جسمانی قوت اور ذہنی بصیرت دونوں اعلیٰ درجہ میں حاصل تھی۔ ایک طرف وہ عملی صلاحیت کے مالک تھے۔ دوسری طرف انھوں نے اس معرفت کا ثبوت دیا کہ وہ چیزوں کو صحیح نظر سے دیکھنے اور معاملات میں صحیح رائے قائم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ خدا نے ان کو اپنے پیغام کی پیغام بری کے لئے چن لیا۔

خدا کا خاص کام کیا ہے جس کے لئے وہ انسانوں میں سے اپنے پیغمبر چنتا ہے۔ وہ ہے آخرت کے گھر کی یاد دہانی۔ پیغمبروں کا خاص مشن ہمیشہ یہ رہا ہے کہ وہ انسان کو اس حقیقت سے باخبر کریں کہ انسان کی اصل منزل آخرت ہے۔ اور انسان کو اسی کی تیاری کرنا چاہئے۔ انسان کا سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے اور اس دنیا میں سب سے بڑا کام یہ ہے کہ اس کو اس سنگین مسئلہ سے آگاہ کیا جائے۔

هَٰذَا ذِكْرٌ ۚ وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَآبٍ ﴿٤٩﴾ جَنَّاتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْأَبْوَابُ ﴿٥٠﴾ مُتَّكِئِينَ فِيهَا يَدْعُونَ فِيهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ وَشَرَابٍ ﴿٥١﴾ وَعِندَهُمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ أَتْرَابٌ ﴿٥٢﴾ هَٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٥٣﴾ إِنَّ هَٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهُ مِن نَّفَادٍ ﴿٥٤﴾

یہ نصیحت ہے، اور بے شک اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے اچھا ٹھکانا ہے، ہمیشہ کے باغ جن کے دروازے ان کے لئے کھلے ہوں گے۔ وہ ان میں تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ اور بہت سے میوے اور مشروبات طلب کرتے ہوں گے۔ اور ان کے پاس شرمیلی، ہم سن بیویاں ہوں گی۔ یہ ہے وہ چیز جس کا تم سے روز حساب آنے پر وعدہ کیا جاتا ہے۔ یہ ہمارا رزق ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ ۵۴-۴۹

---

جنت کے دروازے ان لوگوں کے لئے کھولے جاتے ہیں جو اپنے دل کے دروازے نصیحت کے لئے کھولیں۔ جو خدا کے ظہور سے پہلے خدا سے ڈرنے والے بن جائیں۔ یہی وہ خوش نصیب لوگ ہیں جو آخرت کی ابدی نعمتوں کے حصہ دار ہوں گے۔

قرآن میں آخرت کی جن نعمتوں کا ذکر ہے وہ سب وہی ہیں جو دنیا میں بھی انسان کو حاصل ہوتی ہیں۔ مگر دونوں میں زبردست فرق ہے۔ وہ یہ کہ دنیا میں یہ نعمتیں وقتی اور ابتدائی شکل میں دی گئی ہیں اور آخرت میں یہ نعمتیں ابدی اور انتہائی شکل میں دی جائیں گی۔ مزید یہ کہ ان اعلیٰ نعمتوں کے ساتھ ہر قسم کے خوف اور اندیشہ کو حذف کر دیا جائے گا جن کا حذف ہونا موجودہ دنیا میں کسی طرح ممکن نہیں۔

هٰذَا ۭ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ۝۵۵ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۵۶ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ
حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ۝۵۷ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ۝۵۸ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا
بِهِمْ ۭ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ۝۵۹ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۣ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ۭ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ
الْقَرَارُ ۝۶۰ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ۝۶۱ وَقَالُوْا مَا لَنَا
لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ۝۶۲ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ
الْاَبْصَارُ ۝۶۳ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ۝۶۴ ع ۴ / ۱۴

یہ بات ہو چکی، اور سرکشوں کے لئے برا ٹھکانا ہے۔ جہنم، اس میں وہ داخل ہوں گے۔ پس کیا ہی بری جگہ ہے۔ یہ کھولتا ہوا پانی اور پیپ ہے، تو یہ لوگ ان کو چکھیں۔ اور اس قسم کی دوسری اور بھی چیزیں ہوں گی۔ یہ ایک فوج تمہارے پاس گھسی چلی آرہی ہے، ان کے لئے کوئی خوش آمدید نہیں۔ وہ آگ میں پڑنے والے ہیں۔ وہ کہیں گے بلکہ تم، تمہارے لئے کوئی خوش آمدید نہیں۔ تمہیں تو یہ ہمارے آگے لائے ہو، پس کیسا برا ہے یہ ٹھکانا۔ وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب، جو شخص اس کو ہمارے آگے لایا اس کو تو دونا عذاب دے، جہنم میں۔ اور وہ کہیں گے، کیا بات ہے کہ ہم ان لوگوں کو یہاں نہیں دیکھ رہے ہیں جن کو ہم برے لوگوں میں شمار کرتے تھے۔ کیا ہم نے ان کو مذاق بنالیا تھا یا ان سے نگاہیں چوک رہی ہیں۔ بے شک یہ بات سچی ہے، اہل دوزخ کا باہم جھگڑنا۔ ۵۵ - ۶۴

---

جہنم ان تکلیفوں کی ابدی اور انتہائی شکل ہے جن کا موجودہ دنیا میں کوئی شخص تصور کر سکتا ہے۔ دنیا میں سرکشی کرنے والے اور سچائی کو جھٹلانے والے لوگ جب جہنم میں اکٹھا ہوں گے تو ان کے لیڈر اور پیرو آپس میں تکرار کریں گے۔ وہ پیرو جو اپنے لیڈروں کی عظمت پر فخر کرتے تھے وہ وہاں اپنا انجام دیکھ کر ان پر لعنت بھیجیں گے۔ اس کا ایک نقشہ ان آیات میں دکھایا گیا ہے۔

سچائی کا انکار کرنے والے جب آخرت میں اپنا برا انجام دیکھیں گے تو وہاں وہ ان لوگوں کو یاد کریں

گے جنھوں نے سچائی کا ساتھ دیا تھا اور اس بنا پر وہ اپنے ماحول میں حقیر بن گئے تھے۔ ان کے متعلق منکرین کہتے تھے کہ یہ اکابر کی توہین کرنے والے ہیں۔ یہ آبائی دین سے منحرف ہوگئے ہیں۔ انھوں نے ملت سے الگ اپنا راستہ بنایا ہے۔

یہ منکرین اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے اور ان کو ناحق پر۔ مگر آخرت میں معاملہ بالکل برعکس ہو جائے گا۔ اس وقت ان پر کھلے گا کہ جن کو حقیر سمجھ کر وہ ان کا مذاق اڑاتے تھے، وہی آخرت کی سرفرازی میں سب سے آگے درجہ پائے ہوئے ہیں۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٦٥﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿٦٦﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿٦٧﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿٦٨﴾ مَا كَانَ لِيَ
مِنْ عِلْمٍۢ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٦٩﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٠﴾

کہو کہ میں تو صرف ایک ڈرانے والا ہوں۔ اور کوئی معبود نہیں مگر اللہ، یکتا اور غالب۔ وہ رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان چیزوں کا جو ان کے درمیان ہیں، وہ زبردست ہے، بخشنے والا ہے۔ کہو کہ یہ ایک بڑی خبر ہے، جس سے تم بے پروا ہو رہے ہو۔ مجھ کو عالم بالا کی کچھ خبر نہ تھی جب کہ وہ آپس میں تکرار کر رہے تھے۔ میرے پاس تو وحی بس اس لئے آتی ہے کہ میں ایک کھلا ڈرانے والا ہوں۔ ۶۵ — ۷۰

---

یہاں جس اختصام (تکرار) کا ذکر ہے وہ وہی ہے جو اگلی آیت میں منقول ہے یعنی آدم کی تخلیق کے وقت ابلیس کا بحث و تکرار کرنا۔

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ شیطان پہلے روز سے آدم کا دشمن بن گیا ہے۔ وہ پر فریب باتوں کے ذریعہ اولاد آدم کو سیدھے راستہ سے بھٹکاتا ہے۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ وہ ہوشیار رہے اور اس سے پوری طرح بچنے کی کوشش کرے۔ اس سلسلہ میں آدم کی پیدائش کے وقت جو اختصام ہوا اور اس کو قرآن میں بیان کیا گیا وہ سراسر وحی تھا۔ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس وقت ملأ اعلیٰ میں موجود نہ تھے کہ ذاتی واقفیت کی بنیاد پر اس کو بیان کر سکتے۔

سب سے اہم خبر انسان کے لئے یہ ہے کہ اس کو زندگی کی اس نوعیت سے آگاہ کیا جائے کہ شیطان ہر لمحہ اس کے پیچھے لگا ہوا ہے، وہ اس کی سوچ اور اس کے جذبات میں داخل ہو کر اس کو گمراہ کر رہا ہے۔ انسان

کو چاہئے کہ وہ اس خطرہ سے اپنے آپ کو بچائے۔ پیغمبر ایک اعتبار سے اسی لئے آئے کہ انسان کو اس نازک خطرہ سے آگاہ کردیں۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ﴿٧١﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ
مِنْ رُّوْحِىْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿٧٢﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿٧٣﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ
اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٤﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَىَّ ؕ
اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ﴿٧٥﴾ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ
طِيْنٍ ﴿٧٦﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿٧٧﴾ وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِىْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٧٨﴾

جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔ پھر جب میں اس کو درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔ پس تمام فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس، کہ اس نے گھمنڈ کیا اور وہ انکار کرنے والوں میں سے ہوگیا۔ فرمایا کہ اے ابلیس، کس چیز نے تجھ کو روک دیا کہ تو اس کو سجدہ کرے جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا۔ یہ تو نے تکبر کیا یا تو بڑے درجہ والوں میں سے ہے۔ اس نے کہا کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے۔ فرمایا کہ تو یہاں سے نکل جا، کیونکہ تو مردود ہے۔ اور تجھ پر میری لعنت ہے جزا کے دن تک۔ ۷۸ - ۷۱

---

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک انتہائی اعلیٰ مخلوق کی حیثیت سے بنایا۔ اور اس کی علامت کے طور پر فرشتوں اور جنوں کو حکم دیا کہ وہ اس کو سجدہ کریں۔ اس کے بعد جب ایسا ہوا کہ ابلیس نے آدم کو سجدہ نہیں کیا تو وہ ہمیشہ کے لئے ملعون قرار پاگیا۔ مگر اس سنگین واقعہ کی اہمیت صرف ابلیس کے اعتبار سے نہ تھی بلکہ خود آدم کے لئے بھی اس کی بے حد اہمیت تھی۔

آدم کے آگے جھکنے سے انکار کرکے ابلیس ابدی طور پر نسل آدم کا حریف بن گیا۔ اس طرح انسانی تاریخ اول روز سے ایک نئے رخ پر چل پڑی۔ اس واقعہ نے طے کر دیا کہ انسان کے لئے زندگی کا سفر کوئی سادہ سفر نہیں ہوگا بلکہ شدید مزاحمت کا سفر ہوگا۔ اس کو ابلیس کے بہکاؤں اور اس کی پر فریب تدبیروں کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو صحیح راستہ پر قائم رکھنا ہوگا تاکہ وہ سلامتی کے ساتھ اپنی منزل تک پہنچ سکے۔

انسان اور جنت کے درمیان شیطان کی فریب کاریاں حائل ہیں۔ جو شخص شیطان کی فریب کاریوں

سے اپنے آپ کو بچائے وہی جنت کے ابدی باغوں میں داخل ہوگا۔ اور جو لوگ شیطان کی فریب کاریوں کا پردہ پھاڑنے میں ناکام رہیں وہی وہ لوگ ہیں جو جنت سے محروم رہ گئے۔

قَالَ رَبِّ فَاَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۷۹﴾ قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ ﴿۸۰﴾ اِلٰی یَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ ﴿۸۱﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِکَ لَاُغۡوِیَنَّہُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَکَ مِنۡہُمُ الۡمُخۡلَصِیۡنَ ﴿۸۳﴾ قَالَ فَالۡحَقُّ ۫ وَ الۡحَقَّ اَقُوۡلُ ﴿۸۴﴾ لَاَمۡلَـَٔنَّ جَہَنَّمَ مِنۡکَ وَ مِمَّنۡ تَبِعَکَ مِنۡہُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۸۵﴾

ابلیس نے کہا کہ اے میرے رب، مجھ کو مہلت دے اس دن تک کے لئے جب لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ فرمایا کہ تجھ کو مہلت دی گئی، وقت معین تک کے لئے۔ اس نے کہا کہ تیری عزت کی قسم، میں ان سب کو گمراہ کرکے رہوں گا، بجز تیرے ان بندوں کے جنھیں تو نے خالص کر لیا ہے۔ فرمایا، تو حق یہ ہے اور میں حق ہی کہتا ہوں کہ میں جہنم کو تجھ سے اور ان تمام لوگوں سے بھر دوں گا جو ان میں سے تیری پیروی کریں گے۔ ۷۹۔۸۵

---

موجودہ امتحان کی دنیا میں شیطان کو پورا موقع دیا گیا ہے کہ وہ انسان کو بہکائے۔ مگر شیطان اسی وقت تک بہکا سکتا ہے جب تک حقیقت غیب میں چھپی ہوئی ہو۔ قیامت جب غیب کا پردہ پھاڑے گی تو سب کچھ سامنے آجائے گا۔ اس کے بعد نہ کوئی بہکانے والا باقی رہے گا اور نہ کوئی بہکنے والا۔

مخلَص کا مطلب ہے کھوٹ سے خالی ہونا۔ عبد مخلَص وہ ہے جو نفسیاتی بیماریوں سے پاک ہو۔ شیطان کا معاملہ یہ ہے کہ اس کو کوئی عملی زور حاصل نہیں۔ وہ ہمیشہ تزئین کے ذریعہ انسانوں کو بہکاتا ہے۔ یعنی باطل کو حق کے روپ میں دکھانا۔ بے اصل باتوں کو خوبصورت الفاظ میں پیش کرنا۔ سیدھی بات میں شوشہ نکال کر لوگوں کو اس کی طرف سے مشتبہ کر دینا۔ تاہم شیطان کی اس تزئین سے وہی لوگ فریب کھاتے ہیں جو اپنے اندر نفسیاتی کھوٹ لئے ہوئے ہوں۔ اور جو لوگ اپنی نفسیات کو اس کی فطری حالت پر باقی رکھیں اور اپنی عقل کو کھلے طور پر استعمال کریں وہ فوراً شیطانی فریب کو پہچان لیتے ہیں۔ وہ کبھی اس کی تزئین سے گمراہ نہیں ہوتے۔

قُلۡ مَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ مِنۡ اَجۡرٍ وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُتَکَلِّفِیۡنَ ﴿۸۶﴾ اِنۡ ہُوَ اِلَّا ذِکۡرٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۸۷﴾ وَ لَتَعۡلَمُنَّ نَبَاَہٗ بَعۡدَ حِیۡنٍ ﴿۸۸﴾

کہو کہ میں اس پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔ یہ تو بس ایک نصیحت

ہے دنیا والوں کے لئے۔ اور تم جلد اس کی دی ہوئی خبر کو جان لوگے۔ ۸۸-۸۶

---

داعی کی ایک لازمی صفت یہ ہے کہ وہ مدعو سے اجر کا طالب نہیں ہوتا۔ وہ اپنے اور مدعو کے درمیان کوئی مادی جھگڑا نہیں کھڑا کرتا۔ قرآن کی دعوت آخرت کی دعوت ہے۔ اس لئے جو شخص ایسا کرے کہ وہ ایک طرف قرآن کی دعوتِ آخرت کا علم بردار ہو، اور اسی کے ساتھ مدعو قوم سے مادی مطالبات کی مہم بھی چلائے وہ مدعو کی نظر میں ایک غیر سنجیدہ آدمی ہے۔ اور جو آدمی خود اپنی غیر سنجیدگی ثابت کردے اس کی بات پر کون دھیان دے گا۔

اسی طرح داعی اپنی طرف سے بنا کر کوئی بات نہیں کہتا۔ وہ بس وہی کہتا ہے جو خدا کی طرف سے اس کو ملا ہے۔ مسروق تابعی کہتے ہیں کہ ہم عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ انھوں نے کہا کہ اے لوگو، جو شخص کچھ جانتا ہو تو اس کو چاہئے کہ بولے۔ اور جو شخص نہ جانتا ہو تو اس کو یہ کہنا چاہئے کہ اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔ یہ علم کی بات ہے کہ آدمی جس چیز کو نہ جانے اس کے بارہ میں کہدے کہ اللہ زیادہ جانتا ہے۔ کیونکہ اللہ عز وجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے کہ کہو کہ میں اس پر تم سے اجر نہیں مانگتا اور میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں (تفسیر ابن کثیر، الجزء الرابع، صفحہ ۴۴)

اسی طرح داعی کی یہ صفت ہے کہ وہ دعوت کو نصیحت کے روپ میں پیش کرے۔ اس کا کلام خیر خواہانہ کلام ہو نہ کہ مناظرانہ کلام۔

سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّثَمَانِيْ رُكُوْعَاتٍ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝١ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ
اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝٢ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ
اَوْلِيَاۗءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ وقف لازم
فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ڛ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝٣

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

یہ کتاب اللہ کی طرف سے اتاری گئی ہے جو زبردست ہے حکمت والا ہے۔ بے شک ہم نے یہ کتاب تمہاری طرف

حق کے ساتھ اتاری ہے، پس تم اللہ ہی کی عبادت کرو اسی کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے۔ آگاہ دین خالص صرف اللہ کے لئے ہے۔ اور جن لوگوں نے اس کے سوا دوسرے حمایتی بنا رکھے ہیں، کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا سے قریب کر دیں۔ بے شک اللہ ان کے درمیان اس بات کا فیصلہ کر دے گا جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ اللہ ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا، حق کو نہ ماننے والا ہو۔ ۳-۱

---

قرآن حقیقتِ واقعہ کا خدائی بیان ہے۔ اس کا حکیمانہ اسلوب اور اس کے غیر معمولی طور پر پختہ مضامین اس بات کا داخلی ثبوت ہیں کہ یہ واقعۃً خدا ہی کی طرف سے ہے۔ کوئی انسان اس قسم کا غیر معمولی کلام پیش کرنے پر قادر نہیں۔

دین کو اللہ کے لئے خالص کرنے کا مطلب ہے عبادت کو اللہ کے لئے خالص کرنا۔ یعنی یہ کہ تم صرف ایک اللہ کی عبادت کرو، اپنی عبادت کو اسی کے لئے خالص کرتے ہوئے (ای فاعبد اللہ وحدہ مخلصاً له فی عبادتك، صفوة التفاسیر، المجلد الثالث، صفحہ ٦٩)

ہر انسان کے اندر پر اسرار طور پر عبادت کا جذبہ موجود ہے۔ یعنی کسی کو بڑا تصور کر کے اس کے لئے استعجاب (Awe) کا احساس پیدا ہونا۔ جس ہستی کے بارہ میں آدمی کے اندر یہ احساس پیدا ہو جائے اس کو وہ سب سے زیادہ مقدس سمجھتا ہے۔ اس کے آگے اس کی پوری ہستی جھک جاتی ہے۔ اس کی جناب میں وہ غیر معمولی قسم کے احترام و آداب کا اظہار کرتا ہے۔ اس سے وہ سب سے زیادہ ڈرتا ہے اور اسی سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ اس کی یاد سے اس کی روح کو لذت ملتی ہے۔ وہی اس کی زندگی کا سب سے بڑا سہارا بن جاتا ہے۔

اسی کا نام عبادت (یا پرستش) ہے۔ اور یہ عبادت صرف ایک خدا کا حق ہے۔ مگر انسان ایسا کرتا ہے کہ وہ خدا کو مانتے ہوئے عبادت میں غیر خدا کو شریک کرتا ہے۔ وہ غیر خدا کے لئے عبادتی افعال انجام دیتا ہے۔ یہی انسان کی اصل گمراہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح خدائی ناقابل تقسیم ہے اسی طرح عبادت کی بھی تقسیم نہیں کی جا سکتی۔

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ
الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ
النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ

الْغَفَّارُ ۝

اگر اللہ چاہتا کہ وہ بیٹا بنائے تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا چن لیتا، وہ پاک ہے۔ وہ اللہ ہے، اکیلا، سب پر غالب۔ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا۔ وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے۔ اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے۔ ہر ایک ایک ٹھہری ہوئی مدت پر چلتا ہے۔ سن لو کہ وہ زبردست ہے، بخشنے والا ہے۔ ۵-۴

---

آدمی کے اندر فطری طور پر یہ جذبہ ہے کہ وہ خدا کی طرف لپکے، وہ خدا کی پرستش کرے۔ شیطان کی کوشش ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اس جذبہ کو خدا کی طرف سے ہٹا کر دوسری طرف موڑ دے۔ اس کے لئے وہ لوگوں کے ذہن میں ڈالتا ہے کہ خدا کی بارگاہ اونچی ہے، تم براہ راست خدا تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس لئے تم کو بزرگوں کے وسیلہ سے خدا تک پہنچنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ اسی طرح وہ لوگوں کے ذہن میں یہ عقیدہ بٹھاتا ہے کہ جس طرح انسانوں کی اولاد ہوتی ہے اسی طرح خدا کی بھی اولاد ہے۔ اور خدا کو خوش رکھنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ تم خدا کی اولاد کو خوش رکھو۔ جدید مادہ پرستی بھی اسی کی ایک بگڑی ہوئی صورت ہے جس نے آدمی کے جذبہ پرستش کو خالق سے ہٹا کر مخلوق کی طرف کر دیا ہے۔

اس قسم کی تمام باتیں خدا کی تصغیر ہیں۔ جو خدا شمسی نظام کو چلا رہا ہے اور جس نے عظیم کائنات کو سنبھال رکھا ہے وہ یقیناً اس سے بلند ہے کہ اس کے یہاں کسی کی سفارش چلے یا اس کے بیٹے بیٹیاں ہوں۔

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْأَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ أَزْوَاجٍ ۚ يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۖ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَأَنّٰى تُصْرَفُونَ ۝

اللہ نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، پھر اس نے اسی سے اس کا جوڑا بنایا۔ اور اسی نے تمہارے لئے نر و مادہ چوپایوں کی آٹھ قسمیں اتاریں۔ وہ تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں بناتا ہے، ایک خلقت کے بعد دوسری خلقت، تین تاریکیوں کے اندر۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے۔ بادشاہی اسی کی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر تم کہاں سے پھیرے جاتے ہو۔ ۶

---

اولاً ایک انسان وجود میں آیا۔ پھر عین اس کے مطابق اس کا ایک جوڑا نکالا گیا۔ اس طرح ابتدائی مرد و عورت کے ذریعہ انسانی نسل چلی۔ پھر انسان کی ضرورت کے لیے اس سے باہر اللہ تعالیٰ نے بے شمار چیزیں بنائیں۔ بھیڑ، بکری، اونٹ اور گائے (نر و مادہ کو ملا کر آٹھ قسمیں) تہذیب کے ابتدائی دور میں ہزاروں سال تک انسان کی معیشت کا ذریعہ بنی رہیں۔ پھر جب تہذیب اگلے مرحلہ میں پہنچی تو دوسری بے شمار چیزوں کو انسان نے استعمال کرنا شروع کیا جن کو خدا نے اول روز سے ایسا بنا رکھا تھا کہ انسان ان کو اپنے کام میں لا سکے۔ جس طرح پالتو جانور طبیعی طور پر انسان کے لیے مسخر ہیں۔ اسی طرح گیسیں اور معدنیات بھی مسخر کی ہوئی ہیں، ورنہ انسان ان کو استعمال نہ کر سکے۔ مذکورہ آٹھ قسموں کی مثال بطور علامت ہے نہ کہ بطور حصر۔

انسان کی پیدائش کے سلسلہ میں یہاں جن تین تاریکیوں کا ذکر ہے اس سے مراد تین پردے ہیں۔ اولاً پیٹ کی دیوار، پھر رحم مادر کا پردہ، اور پھر جنین کی بیرونی جھلی:

The mother's abdominal wall, the wall of the uterus, and the amniochorionic membrance.

یہ سارا نظام اتنا حیرت ناک حد تک پیچیدہ اور عظیم ہے کہ خالق کائنات کے سوا کوئی اور ان کو ظہور میں نہیں لا سکتا۔ پھر اس کے سوا کون اس قابل ہے کہ اس کو معبود کا درجہ دیا جائے۔

إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۖ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۖ وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ ۗ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ مَرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٧﴾

اگر تم انکار کرو تو اللہ تم سے بے نیاز ہے۔ اور وہ اپنے بندوں کے لئے انکار کو پسند نہیں کرتا۔ اور اگر تم شکر کرو تو وہ اس کو تمہارے لئے پسند کرتا ہے۔ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ پھر تمہارے رب ہی کی طرف تمہاری واپسی ہے۔ تو وہ تم کو بتا دے گا جو تم کرتے تھے۔ بے شک وہ دلوں کی بات کو جاننے والا ہے۔

۷ ____________________

خدا کو ماننا اور اس کا شکر گزار بننا خود انسانی عقل کا تقاضا ہے کیونکہ یہ حقیقتِ واقعہ کا اعتراف ہے اور حقیقتِ واقعہ کا اعتراف بلاشبہ سب سے بڑا عقلی تقاضا ہے۔

آخرت عدلِ کامل کا ظہور ہے اور یہ ناممکن ہے کہ عدل کامل کی دنیا میں وہ ناقص صورت حال جاری رہے جو موجودہ دنیا میں نظر آتی ہے۔ عدل کا تقاضا ہے کہ ہر آدمی عین وہی ثابت ہو جو کہ فی الواقع وہ ہے، اور

عین وہی پائے جس کا وہ حقیقۃً مستحق تھا۔ موجودہ دنیا میں ایسا نہیں ہوتا۔ آخرت اس لئے آئے گی کہ وہ دنیا کی اس کمی کو دور کرے، وہ ناقص دنیا کو آخری حد تک کامل دنیا بنا دے۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ
يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ
قَلِيْلًا ڰ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۝۸ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَاۗىِٕمًا يَّحْذَرُ
الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۭ
اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۹ ع ۱ ۹ ۱۵

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کو پکارتا ہے، اس کی طرف رجوع ہو کر۔ پھر جب وہ اس کو اپنے پاس سے نعمت دے دیتا ہے تو وہ اس چیز کو بھول جاتا ہے جس کے لئے وہ پہلے پکار رہا تھا اور وہ دوسروں کو اللہ کا برابر ٹھہرانے لگتا ہے تاکہ اس کی راہ سے گمراہ کردے۔ کہو کہ اپنے کفر سے تھوڑے دن فائدہ اٹھالے، بے شک تو آگ والوں میں سے ہے۔ بھلا جو شخص رات کی گھڑیوں میں سجدہ اور قیام کی حالت میں عاجزی کر رہا ہو، آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہو، کہو، کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ نصیحت تو وہی لوگ پکڑتے ہیں جو عقل والے ہیں۔ ۹ - ۸

---

ہر آدمی پر ایسے لمحات آتے ہیں جب کہ وہ اپنے آپ کو بے بس محسوس کرنے لگتا ہے۔ وہ جن چیزوں کو اپنا سہارا سمجھ رہا تھا وہ بھی اس نازک لمحہ میں اس کے مددگار نہیں بنتے۔ اس وقت آدمی سب کچھ بھول کر خدا کو پکارنے لگتا ہے۔ اس طرح مصیبت کی گھڑیوں میں ہر آدمی جان لیتا ہے کہ ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ مگر مصیبت دور ہوتے ہی وہ دوبارہ پہلے کی طرح بن جاتا ہے۔

انسان کی مزید سرکشی یہ ہے کہ وہ اپنی نجات کو خدا کے سوا دوسری چیزوں کی طرف منسوب کرنے لگتا ہے۔ کچھ لوگ اس کو اسباب کا کرشمہ بتاتے ہیں اور کچھ لوگ فرضی معبودوں کا کرشمہ۔ آدمی اگر غلطی کرکے خاموش رہے تو یہ صرف ایک شخص کا گمراہ ہونا ہے۔ مگر جب وہ اپنی غلطی کو صحیح ثابت کرنے کے لئے اس کی جھوٹی توجیہ کرنے لگے تو وہ گمراہ ہونے کے ساتھ گمراہ کرنے والا بھی بنا۔

ایک انسان وہ ہے جس کو صرف مادی غم بے قرار کرے۔ دوسرا انسان وہ ہے جس کو خدا کی یاد بے قرار

کردیتی ہو۔ یہی دوسرا انسان دراصل خدا والا انسان ہے۔ اس کا اقرارِ خدا حالات کی پیداوار نہیں ہوتا، وہ اس کی شعوری دریافت ہوتا ہے۔ وہ خدا کو ایک ایسی برتر ہستی کی حیثیت سے پاتا ہے کہ اس کی امیدیں اور اس کے اندیشے سب ایک خدا کی ذات کے ساتھ وابستہ ہو جاتے ہیں۔ اس کی بے قراریاں رات کے لمحات میں بھی اس کو بستر سے جدا کر دیتی ہیں۔ اس کی تنہائی غفلت کی تنہائی نہیں ہوتی بلکہ خدا کی یاد کی تنہائی بن جاتی ہے۔

علم والا وہ ہے جس کی نفسیات میں خدا کی یاد سے ہلچل پیدا ہوتی ہو۔ اور بے علم والا وہ ہے جس کی نفسیات کو صرف مادی حالات بیدار کریں۔ وہ مادی جھٹکوں سے جاگے اور اس کے بعد دوبارہ غفلت کی نیند سو جائے۔

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ⑩

کہو کہ اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو اپنے رب سے ڈرو۔ جو لوگ اس دنیا میں نیکی کریں گے ان کے لئے نیک صلہ ہے۔ اور اللہ کی زمین وسیع ہے۔ بے شک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔

10 ———

آدمی کو جب اللہ کی گہری معرفت حاصل ہوتی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ سے ڈرنے والا بن جاتا ہے۔ اللہ کی عظمتوں کا ادراک اس کو اللہ کے آگے پست کر دیتا ہے۔ اس کی عملی زندگی اللہ کے احکام کی پابندی میں گزرنے لگتی ہے۔ وہ اس معاملہ میں اس حد تک سنجیدہ ہو جاتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ دے مگر اللہ کو نہ چھوڑے۔

ایمان کے اوپر زندگی کی تعمیر کرنا آدمی کے لئے زبردست امتحان ہے۔ اس امتحان میں وہی لوگ پورے اترتے ہیں جن کے لئے ایمان اتنی قیمتی دولت ہو کہ اس کی خاطر وہ ہر دوسری چیز پر صبر کرنے کے لئے راضی ہو جائیں۔ ایمانی زندگی عمل کے اعتبار سے صبر والی زندگی کا دوسرا نام ہے۔ جو لوگ صبر کی قیمت پر مومن بننے کے لئے تیار ہوں وہی وہ لوگ ہیں جو خدا کے اعلیٰ انعامات میں حصہ دار بنائے جائیں گے۔

قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ⑪ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ⑫ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑬ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ

مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ﴿۱۴﴾ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ۭ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۵﴾ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ
مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۭ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ۭ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾

کہو، مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ ہی کی عبادت کروں، اسی کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے۔ اور مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے خود مسلم بنوں۔ کہو کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک ہولناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ کہو کہ میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں اسی کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے۔ پس تم اس کے سوا جس کی چاہے عبادت کرو۔ کہو کہ اصلی گھاٹے والے تو وہ ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن گھاٹے میں ڈالا۔ سن لو یہی کھلا ہوا گھاٹا ہے۔ ان کے لئے ان کے اوپر سے بھی آگ کے سائبان ہوں گے اور ان کے نیچے سے بھی۔ یہ چیز ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ اے میرے بندو، پس مجھ سے ڈرو۔ ۱۶-۱۱

---

پیغمبر کی اصل دعوت یہ ہوتی ہے کہ لوگ صرف ایک خدا کے پرستار بنیں۔ اس کے سوا دوسری تمام چیزوں کی پرستاری چھوڑ دیں۔ پیغمبر کے لئے یہ معروف معنوں میں صرف قیادتی مسئلہ نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کا ذاتی مسئلہ ہوتا ہے۔ اس لئے وہ سب سے پہلے خود اس پر قائم ہوتا ہے۔ پیغمبر کو یقین ہوتا ہے کہ آدمی کے نفع اور نقصان کا اصل فیصلہ آخرت میں ہونے والا ہے۔ اس لئے وہ خود اپنی زندگی کو آخرت کی راہ میں لگاتا ہے اور دوسروں کو اس کی طرف لگنے کی دعوت دیتا ہے۔

پیغمبر کے کام کی یہ نوعیت داعی کے کام کی نوعیت کو بتا رہی ہے۔ حق کا داعی وہی شخص ہے جس کے لئے حق اس کا ذاتی مسئلہ بن جائے۔ جس کی دعوت اس کی اندرونی حالت کا ایک بے تابانہ اظہار ہو نہ کہ لاؤڈ اسپیکر کی طرح صرف ایک خارجی پکار۔

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ
عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ
وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾

اور جو لوگ شیطان سے بچے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور وہ اللہ کی طرف رجوع ہوئے، ان کے لئے

خوش خبری ہے، تو میرے بندوں کو خوش خبری دے دو جو بات کو غور سے سنتے ہیں۔ پھر اس کے بہتر کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ھدایت بخشی ہے اور یہی ہیں جو عقل والے ہیں۔

۱۷-۱۸

موجودہ دنیا فتنہ کی دنیا ہے۔ یہاں حقیقتیں اپنی آخری بے نقاب شکل میں ظاہر نہیں ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں ہر بات کو غلط معنی پہنایا جاسکتا ہے۔ شیطان اسی امکان کو استعمال کرکے لوگوں کو راہ راست سے بھٹکاتا ہے۔

جب بھی کوئی حق سامنے آتا ہے تو شیطان اس کو غلط معنی پہنا کر لوگوں کے ذہن کو پھیرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ قول کے احسن پہلو سے ہٹا کر قول کے غیر احسن پہلو کو لوگوں کے سامنے لاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں آدمی کا اصل امتحان ہے۔ آدمی کو اس عقل کا ثبوت دینا ہے کہ وہ صحیح اور غلط کے درمیان تمیز کرے۔ وہ شیطانی فریب کا پردہ پھاڑ کر حقیقت کو دیکھ سکے۔ جو لوگ اس بصیرت کا ثبوت دیں وہی وہ خوش قسمت لوگ ہیں جو خدائی سچائی کو پائیں گے اور جو لوگ اس بصیرت کا ثبوت دینے میں ناکام رہیں، ان کے لئے اس دنیا میں اس کے سوا کوئی اور انجام مقدر نہیں کہ وہ قول کے غیر احسن پہلوؤں میں الجھے رہیں اور خدا کے یہاں شیطان کے پرستار کی حیثیت سے اٹھائے جائیں۔

أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۖ أَفَأَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ﴿١٩﴾ لَٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَعْدَ اللَّهِ ۖ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ الْمِيعَادَ ﴿٢٠﴾

کیا جس پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی، پس کیا تم ایسے شخص کو بچا سکتے ہو جو کہ آگ میں ہے۔ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرے، ان کے لئے بالاخانے ہیں جن کے اوپر اور بالاخانے ہیں، بنے ہوئے۔ ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ ۲۰-۱۹

ہر آدمی اپنے اعمال کے انجام کے درمیان گھرا ہوا ہے۔ جنت والے کو جنتی فضا گھیرے ہوئے ہے اور جہنم والے کو جہنمی فضا گھیرے ہوئے ہے۔ غیر مرئی حقیقتوں کو دیکھنے والی نگاہ ہو تو لوگ جنت والے انسان کو اسی دنیا میں جنت میں دیکھیں اور جہنم والے انسان کو اسی دنیا میں جہنم میں گھرا ہوا پائیں۔

جنت آرزوؤں کی اس دنیا کی آخری معیاری صورت ہے جس کو آدمی دنیا میں حاصل کرنا چاہتا ہے

مگر وہ اس کو حاصل نہیں کر پاتا۔ اس جنت کی قیمت اللہ کا تقویٰ ہے۔ جو لوگ دنیا میں خوف خدا کا ثبوت دیں گے وہی جنت کی بے خوف زندگی کے مالک بنیں گے۔

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيۡعَ فِى الۡاَرۡضِ ثُمَّ يُخۡرِجُ بِهٖ زَرۡعًا
مُّخۡتَلِفًا اَلۡوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيۡجُ فَتَرٰىهُ مُصۡفَرًّا ثُمَّ يَجۡعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَذِكۡرٰى لِاُولِى
الۡاَلۡبَابِ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنۡ شَرَحَ اللّٰهُ صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوۡرٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيۡلٌ لِّلۡقٰسِيَةِ ع ۱۲ / ۱۶
قُلُوۡبُهُمۡ مِّنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۲۲﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا۔ پھر اس کو زمین کے چشموں میں جاری کر دیا۔ پھر وہ اس سے مختلف قسم کی کھیتیاں نکالتا ہے، پھر وہ خشک ہو جاتی ہے، تو تم اس کو زرد دیکھتے ہو۔ پھر وہ اس کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔ بے شک اس میں نصیحت ہے عقل والوں کے لئے۔ کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا، پس وہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پر ہے۔ تو خرابی ہے ان کے لئے جن کے دل اللہ کی نصیحت کے معاملہ میں سخت ہو گئے۔ یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں۔ ۲۲-۲۱

---

زمین پر بارش کا حیرت انگیز نظام، پھر اس سے سبزہ کا اگنا، پھر فصل کی تیاری، ان مادی واقعات میں بے شمار معنوی نصیحتیں ہیں۔ مگر ان نصیحتوں کو وہی لوگ پاتے ہیں جو باتوں کی گہرائی میں اترنے کا مزاج رکھتے ہوں۔

ایک طرف اللہ نے خارجی دنیا کو اس ڈھنگ پر بنایا کہ اس کی ہر چیز حقیقت اعلیٰ کی نشانی بن گئی۔ دوسری طرف انسان کے اندر ایسی صلاحیتیں رکھ دیں کہ وہ ان نشانیوں کو پڑھے اور ان کو سمجھ سکے۔ اب جو لوگ اپنی فطری صلاحیتوں کو زندہ رکھیں اور ان سے کام لے کر دنیا کی چیزوں پر غور کریں، ان کے سینے میں معرفت کے دروازے کھل جائیں گے۔ اور جو لوگ اپنی فطری صلاحیتوں کو زندہ نہ رکھ سکیں وہ نصیحتوں کے ہجوم میں بھی نصیحت لینے سے محروم رہیں گے۔ وہ دیکھ کر بھی کچھ نہ دیکھیں گے اور سن کر بھی کچھ نہ سنیں گے۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِىَ ۖ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِيۡنَ
يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ۚ ثُمَّ تَلِيۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَقُلُوۡبُهُمۡ اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ

يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝۲۳

اللہ نے بہترین کلام اتارا ہے۔ ایک ایسی کتاب آپس میں ملتی جلتی، بار بار دہرائی ہوئی، اس سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں۔ پھر ان کے بدن اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کی یاد کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے، اس سے وہ ہدایت دیتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے۔ اور جس کو اللہ گمراہ کردے تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ ۲۳

---

قرآن کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے ایک بہترین کتاب انسان کو عطا کی ہے۔ اس کی دو خاص صفتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ متشابہ (ملتی جلتی) ہے۔ یعنی وہ ایک بے تضاد کتاب ہے۔ اس کے ایک جزء اور اس کے دوسرے جزء میں کوئی ٹکراؤ نہیں۔ قرآن کی یہ صفت بتاتی ہے کہ یہ کتاب بیان حقیقت پر مبنی ہے۔ اگر اس کے بیانات عین حقیقت نہ ہوتے تو ضرور اس کے مختلف اجزاء کے درمیان اختلاف اور عدم یکسانیت (Inconsistency) پیدا ہو جاتی۔

قرآن کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ مثانی (دہرائی ہوئی) کتاب ہے یعنی اس کے مضامین بار بار مختلف پیرایوں سے دہرائے گئے ہیں۔ قرآن کی یہ صفت اس کے کتاب نصیحت ہونے کو بتاتی ہے نصیحت کرنے والا ہمیشہ یہ چاہتا ہے کہ اس کی بات سننے والے کے ذہن میں بیٹھ جائے۔ اس مقصد کے لئے وہ اپنی بات کو مختلف انداز سے بیان کرتا ہے۔ یہی حکمت اعلیٰ ترین انداز میں قرآن میں بھی ہے۔

انسان کے اندر یہ خصوصیت ہے کہ جب وہ کوئی دہشتناک خبر سنتا ہے تو اس کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس کے وجود میں ایک قسم کی عاجزانہ نرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی حال سنجیدہ انسان کا قرآن کو پڑھ کر ہوتا ہے۔ قرآن میں زندگی کی سنگین حقیقتوں کو انتہائی موثر انداز میں بیان کیا گیا ہے اس لئے انسان جیسی مخلوق اگر واقعۃً اس کو سمجھ کر پڑھے تو اس کے جسم کے اوپر وہی کیفیت طاری ہوگی جو کسی سنگین خبر کو سن کر فطری طور پر اس کے اوپر طاری ہونا چاہئے۔

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْۗءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝۲۴ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۲۵ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا

يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾

کیا وہ شخص جو قیامت کے دن اپنے چہرے کو برے عذاب کی سپر بنائے گا، اور ظالموں سے کہا جائے گا کہ چکھو مزہ اس کمائی کا جو تم کرتے تھے۔ ان سے پہلے والوں نے بھی جھٹلایا تو ان پر عذاب وہاں سے آگیا جدھر ان کا خیال بھی نہ تھا۔ تو اللہ نے ان کو دنیا کی زندگی میں رسوائی کا مزہ چکھایا اور آخرت کا عذاب اور بھی بڑا ہے، کاش یہ لوگ جانتے۔ ۲۶-۲۴

---

آدمی کی کوشش ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے چہرہ کو چوٹ سے بچائے۔ مگر قیامت کا عذاب آدمی کو اس طرح گھیرے ہوئے ہوگا کہ وہاں یہ ممکن نہ ہوگا کہ آدمی اپنے جسم کے کسی حصہ کو اس کی زد میں آنے سے روک سکے۔ وہ ناقابل دفاع عذاب کے سامنے اس طرح کھڑا ہوا ہوگا گویا وہ خود اپنے چہرہ کو اس کے مقابلہ میں سپر بنائے ہوئے ہے۔

اللہ کی نظر میں سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ آدمی کے سامنے حق آئے اور وہ اس کا اعتراف نہ کرے۔ ایسے لوگ کسی حال میں خدا کی پکڑ سے بچ نہیں سکتے۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٧﴾
قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٢٨﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ
مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٩﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ
تَخْتَصِمُوْنَ ﴿٣١﴾ ع ۱۰ / ۱۷

اور ہم نے اس قرآن میں ہر قسم کی مثلیں بیان کی ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ یہ عربی قرآن ہے، اس میں کوئی ٹیڑھ نہیں، تاکہ لوگ ڈریں۔ اللہ مثال بیان کرتا ہے ایک شخص کی جس کی ملکیت میں کئی ضدی آقا شریک ہیں۔ اور دوسرا شخص پورا کا پورا ایک ہی آقا کا غلام ہے۔ کیا ان دونوں کا حال یکساں ہوگا۔ سب تعریف اللہ کے لئے ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ تم کو بھی مرنا ہے اور وہ بھی مرنے والے ہیں۔ پھر تم لوگ قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کروگے۔ ۳۱-۲۷

---

قرآن کے بیانات انسان کی معلوم زبان اور انسان کے معلوم دائرہ کے اندر ہوتے ہیں تاکہ کسی کے لئے اس کا سمجھنا مشکل نہ ہو۔

یہاں تمثیل کی زبان میں بتایا گیا ہے کہ شرک کے مقابلہ میں توحید کا اصول زیادہ معقول اور زیادہ مطابق فطرت ہے۔ ایک طرف خارجی کائنات بتاتی ہے کہ یہاں ایک ہی ارادہ کی کارفرمائی ہے۔ اگر یہاں کئی ارادوں کی کارفرمائی ہوتی تو کائنات کا نظام اس قدر ہم آہنگی کے ساتھ نہیں چل سکتا تھا۔ دوسری طرف انسان کی ساخت بھی ایسی ہے جو وفاداری میں وحدت کو پسند کرتی ہے۔ یہ بات انسانی ساخت کے سراسر خلاف ہے کہ ایک انسان پر بیک وقت کئی مختلف قسم کی وفاداریوں کی ذمہ داری ہو اور نتیجۃً وہ ایک کو بھی نباہ نہ سکے۔

تمام دلائل و قرائن یہی بتاتے ہیں کہ صرف ایک خدا ہے جو انسان کا خالق اور اس کا معبود ہے۔ موجودہ دنیا میں یہ حقیقت اپنے جیسے انسان کی زبان سے سنائی جاتی ہے۔ قیامت میں خود خالق کائنات اس حقیقت کا اعلان فرمائے گا۔ اس وقت کسی شخص کے لئے یہ ممکن نہ ہوگا کہ وہ اس امر کا انکار کر سکے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ
جَآءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٣٢﴾ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ
صَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿٣٣﴾ لَهُمْ مَّا يَشَاۗءُوْنَ عِنْدَ
رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣٤﴾ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ
عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٣٥﴾

اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔ اور سچائی کو جھٹلا دیا جب کہ وہ اس کے پاس آئی۔ کیا ایسے کافروں کا ٹھکانا جہنم میں نہ ہوگا۔ اور جو شخص سچائی لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی، یہی لوگ اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ ان کے لئے ان کے رب کے پاس وہ سب ہے جو وہ چاہیں گے، یہ بدلہ ہے نیکی کرنے والوں کا تاکہ اللہ ان سے ان کے برے عملوں کو دور کر دے اور ان کے نیک کاموں کے عوض ان کو ان کا ثواب دے۔ ۳۲ - ۳۵

---

ہر وہ نظریہ جو مطابق حقیقت نہ ہو وہ اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ ہر دور میں لوگ اسی قسم کے جھوٹ

پرجی رہے ہوتے ہیں۔ اللہ کا داعی اس لئے اٹھتا ہے کہ وہ ایسے جھوٹ کا جھوٹ ہونا ثابت کرے۔ اس کے بعد بھی جو لوگ اپنے جھوٹ پر قائم رہیں وہ ڈھٹائی کرنے والے لوگ ہیں۔ وہ جہنم کی آگ میں ڈالے جائیں گے۔ اور جو لوگ رجوع کرکے حق کے ساتھی بن جائیں وہی وہ لوگ ہیں جو اللہ سے ڈرنے والے ثابت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی برائیوں کو ان کے اعمال سے حذف کر دے گا اور ان کے نیک اعمال کی بنا پر ان کی قدر دانی فرمائے گا۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۚ﴿۳۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾

کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں۔ اور یہ لوگ اس کے سوا دوسروں سے تم کو ڈراتے ہیں، اور اللہ جس کو گمراہ کر دے اس کو کوئی راستہ دکھانے والا نہیں۔ اور اللہ جس کو ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، کیا اللہ زبردست، انتقام لینے والا نہیں۔ ۳۷ - ۳۶

---

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توحید کے داعی تھے۔ مگر آپ کا طریقہ یہ نہ تھا کہ "خدا ایک ہے" کے مثبت اعلان پر اکتفا فرمائیں۔ اسی کے ساتھ آپ ان غیر خدائی ہستیوں کی تردید بھی فرماتے تھے جن کو لوگوں نے بطور خود معبود کا درجہ دے رکھا تھا۔ آپ کی دعوت کا یہی دوسرا جزء لوگوں کے لئے ناقابل برداشت بن گیا۔

یہ غیر خدائی ہستیاں دراصل ان کے قومی اکابر تھے۔ صدیوں سے وہ ان کی کرامت کی مبالغہ آمیز داستانیں سنتے آرہے تھے۔ ان کے ذہن پر ان ہستیوں کی عظمت اس طرح چھاگئی تھی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تقدس کی تردید فرمائی تو ان کی سمجھ میں کسی طرح نہ آیا کہ وہ غیر مقدس کیسے ہو سکتے ہیں۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ تم ہمارے معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دو ورنہ تم تباہ ہو جاؤ گے۔ یا تم کو جنون ہو جائے گا (قالوا لتكفن عن شتم آلهتنا وليصيبنك منهم خبل او جنون)

مگر حق کے داعی کو حکم ہے کہ وہ اس قسم کی باتوں کی پروا نہ کرے۔ وہ اللہ کے بھروسے پر اثبات توحید اور تردید شرک کا دوگونہ کام جاری رکھے۔ کیونکہ اس کے بغیر امر حق پوری طرح واضح نہیں ہو سکتا۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ۚ قُلْ
أَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ
كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ۚ قُلْ
حَسْبِيَ اللّٰهُ ۚ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿٣٨﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوا عَلٰى
مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿٣٩﴾ مَنْ يَّأْتِيهِ عَذَابٌ يُّخْزِيهِ
وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٤٠﴾ إِنَّآ أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ
فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۖ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ أَنْتَ
ع ۱۰ / ۱ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ﴿٤١﴾

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ کہیں گے کہ اللہ نے۔ کہو، تمہارا کیا خیال ہے، اللہ کے سوا تم جن کو پکارتے ہو، اگر اللہ مجھ کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا یہ اس کی دی ہوئی تکلیف کو دور کرسکتے ہیں، یا اللہ مجھ پر کوئی مہربانی کرنا چاہے تو کیا یہ اس کی مہربانی کو روکنے والے بن سکتے ہیں۔ کہو کہ اللہ میرے لئے کافی ہے، بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ کہو کہ اے میری قوم، تم اپنی جگہ عمل کرو، میں بھی عمل کر رہا ہوں، تو تم جلد جان لوگے کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کس پر وہ عذاب آتا ہے جو کبھی ٹلنے والا نہیں۔ ہم نے لوگوں کی ہدایت کے لئے یہ کتاب تم پر حق کے ساتھ اتاری ہے۔ پس جو شخص ہدایت حاصل کرے گا وہ اپنے ہی لئے کرے گا۔ اور جو شخص بے راہ ہوگا تو اس کا بے راہ ہونا اسی پر پڑے گا۔ اور تم ان کے اوپر ذمہ دار نہیں ہو۔ ۴۱-۳۸

---

انسان ہر دور میں غیر اللہ کی عبادت کرتا رہا ہے۔ مگر کوئی شخص یہ کہنے کی ہمت نہیں کرتا کہ اس کی انھیں پسندیدہ ہستیوں نے زمین و آسمان کو بنایا ہے۔ یا تکلیف اور آرام کے واقعات کے حقیقی اسباب ان کے اختیار میں ہیں۔ اس بے یقینی کے باوجود لوگوں کا یہ یقین بڑا عجیب ہے کہ وہ اپنے جھوٹے معبودوں کو چھوڑنے پر راضی نہیں ہوتے۔

جب داعی کی دلیلیں مدعو پر بے اثر ثابت ہوں تو اس وقت اس کے پاس کہنے کی جو بات ہوتی ہے

وہ یہ کہ ـــــــ تم جو چاہے کرو، جب آخری فیصلہ کا دن آئے گا تو وہ بتا دے گا کہ کون حق پر تھا اور کون ناحق پر۔ یہ دلیل کے بعد یقین کا اظہار ہے، اور داعی کا آخری کلمہ ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ
الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٤٢﴾

اللہ ہی وفات دیتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت، اور جن کی موت نہیں آئی ان کو سونے کے وقت۔ پھر وہ ان کو روک لیتا ہے جن کی موت کا فیصلہ کر چکا ہے اور دوسروں کو ایک وقت مقرر تک کے لئے رہا کر دیتا ہے۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور کرتے ہیں۔ ۴۲

---

نیند کے وقت آدمی پر بے خبری کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ اس اعتبار سے نیند گویا موت کے مشابہ ہے۔ پھر جب آدمی سو کر اٹھتا ہے تو دوبارہ وہ ہوش کی حالت میں آجاتا ہے۔ یہ گویا موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کی تصویر ہے۔

اس قانون فطرت کے تحت ہر آدمی کو آج ہی ابتدائی سطح پر دکھایا جا رہا ہے کہ وہ کس طرح مرے گا اور کس طرح وہ دوبارہ اٹھ کھڑا ہوگا۔ آدمی اگر سنجیدگی کے ساتھ غور کرے تو وہ اسی دنیوی واقعہ میں اپنے لئے آخرت کا سبق پالے گا۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَاۗءَ ۭ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـــًٔا وَّ
لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٤٣﴾ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۭ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ
ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ
لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿٤٥﴾
قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ
بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي

الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ
وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ۝۴۷ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا
كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۴۸

کیا انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو سفارشی بنا رکھا ہے۔ کہو، اگرچہ وہ نہ کچھ اختیار رکھتے ہوں اور نہ کچھ سمجھتے ہوں۔ کہو، سفارش ساری کی ساری اللہ کے اختیار میں ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے۔ پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل کڑھتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور جب اس کے سوا دوسروں کا ذکر ہوتا ہے تو اس وقت وہ خوش ہو جاتے ہیں۔ کہو کہ اے اللہ، آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، غائب اور حاضر کے جاننے والے، تو اپنے بندوں کے درمیان اس چیز کا فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ اور اگر ظلم کرنے والوں کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اسی کے برابر اور بھی، تو وہ قیامت کے دن سخت عذاب سے بچنے کے لئے ان کو فدیہ میں دے دیں۔ اور اللہ کی طرف سے ان کو وہ معاملہ پیش آئے گا جس کا ان کو گمان بھی نہ تھا۔ اور ان کے سامنے آ جائیں گے ان کے برے اعمال اور وہ چیز ان کو گھیر لے گی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ ۴۸ - ۴۳

---

عرب کے مشرکین جن کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ خدا کے یہاں وہ ان کی شفاعت کرنے والے بن جائیں گے وہ حقیقۃً پتھر کے بت نہ تھے۔ یہ وہ بزرگ ہستیاں تھیں جن کی علامت کے طور پر انھوں نے پتھر کے بت بنا رکھے تھے۔ ان کے شفعاء دراصل ان کے قومی اکابر تھے جن کے متعلق ان کا عقیدہ تھا کہ ان کا دامن پکڑے رہو، وہ خدا کے یہاں تمہارے لئے کافی ہو جائیں گے۔

جو لوگ غیر اللہ کے بارے میں اس قسم کا عقیدہ بنائیں، دھیرے دھیرے ان کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ ان کی ساری عقیدتیں اور شیفتگیاں ان ہی غیر خدائی شخصیتوں کے ساتھ وابستہ ہو جاتی ہیں۔ ان شخصیتوں کی بڑائی کا چرچا کیا جائے تو اس کو سن کر وہ خوب خوش ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ایک خدا کی بڑائی بیان کی جائے تو ان کی روح کو اس سے کوئی غذا نہیں ملتی۔

ایسے لوگوں کے سامنے خواہ کتنے ہی طاقت ور دلائل کے ساتھ توحید خالص کو بیان کیا جائے وہ اس کو ماننے والے نہیں بنتے۔ ان کی آنکھ صرف اس وقت کھلتی ہے جب کہ قیامت کا پردہ پھاڑ کر خدا کا

جلال بے نقاب ہو جائے۔ آج آدمی کا حال یہ ہے کہ وہ اعتراف کے الفاظ دینے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتا مگر جب وہ وقت آئے گا تو وہ چاہے گا کہ جو کچھ اس کے پاس ہے سب اس سے بچنے کے لئے فدیہ میں دے ڈالے مگر وہاں آدمی کے اپنے اعمال کے سوا کوئی چیز نہ ہوگی جو اس کے کام آسکے۔

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ
عَلٰى عِلْمٍ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٩﴾ قَدْ قَالَهَا
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٥٠﴾ فَاَصَابَهُمْ
سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا
كَسَبُوْا وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٥١﴾ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ ع ۵
يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٥٢﴾

پس جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہم کو پکارتا ہے، پھر جب ہم اپنی طرف سے اس کو نعمت دے دیتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ تو مجھ کو علم کی بنا پر دیا گیا ہے۔ بلکہ یہ آزمائش ہے مگر ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ان سے پہلے والوں نے بھی یہ بات کہی تو جو کچھ وہ کماتے تھے وہ ان کے کام نہ آیا۔ پس ان پر وہ برائیاں آپڑیں جو انھوں نے کمائی تھیں۔ اور ان لوگوں میں سے جو ظالم ہیں ان کے سامنے بھی ان کی کمائی کے برے نتائج جلد آئیں گے۔ وہ ہم کو عاجز کر دینے والے نہیں ہیں۔ کیا ان کو معلوم نہیں کہ اللہ جس کو چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے۔ اور وہی تنگ کر دیتا ہے۔ بے شک اس کے اندر نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لانے والے ہیں۔ ۵۲ - ۴۹

---

دنیا میں آدمی کو جب کوئی چیز ملتی ہے تو وہ اس کو اپنی لیاقت کا نتیجہ سمجھ کر خوش ہوتا ہے۔ حالانکہ دنیا کی چیزیں آزمائش کا سامان ہیں نہ کہ لیاقت کا انعام۔ اسی حقیقت کو جاننا سب سے بڑا علم ہے۔ دنیا کی چیزوں کو آدمی اگر اپنی لیاقت کا نتیجہ سمجھ لے تو اس سے اس کے اندر فخر اور گھمنڈ کی نفسیات ابھرے گی۔ اس کے برعکس جب آدمی ان کو آزمائش کا سامان سمجھتا ہے تو اس کے اندر شکر اور تواضع کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

رزق دنیا کی کمی یا زیادتی تمام تر انسانی اختیار سے باہر کی چیز ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے باہر

کوئی قوت ہے جو یہ فیصلہ کرتی ہے کہ کس کو زیادہ ملے اور کس کو کم دیا جائے۔ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ رزق کا فیصلہ شخصی لیاقت کی بنیاد پر نہیں ہوتا۔ اس کا فیصلہ کسی اور بنیاد پر ہوتا ہے۔ وہ بنیاد یہی ہے کہ موجودہ دنیا امتحان کی جگہ ہے نہ کہ انعام کی جگہ۔ اس لئے یہاں کسی کو جو کچھ ملتا ہے وہ اس کے امتحان کا پرچہ ہوتا ہے۔ امتحان لینے والا اپنے فیصلہ کے تحت کسی کو کوئی پرچہ دیتا ہے اور کسی کو کوئی پرچہ۔ کسی کو ایک قسم کے حالات میں آزماتا ہے اور کسی کو دوسرے قسم کے حالات میں۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝

کہو کہ اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ بے شک اللہ تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، وہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کے فرماں بردار بن جاؤ۔ اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آجائے، پھر تمہاری کوئی مدد نہ کی جائے۔
۵۳-۵۴

جن لوگوں کے سینے میں حساس دل ہے ان کو جب خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے تو ان کو یہ خیال ستانے لگتا ہے کہ اب تک ان سے جو گناہ ہوئے ہیں ان کا معاملہ کیا ہوگا۔ اسی طرح خدا پرستانہ زندگی اختیار کرنے کے بعد بھی آدمی سے بار بار کوتاہیاں ہوتی ہیں اور اس کی حساسیت دوبارہ اس کو ستانے لگتی ہے۔ حتی کہ یہ احساس بعض لوگوں کو مایوسی کی حد تک پہنچا دیتا ہے۔

ایسے لوگوں کے لئے اللہ نے اپنی کتاب میں یہ اعلان فرمایا کہ انھیں یقین کرنا چاہئے کہ ان کا معاملہ ایک ایسے خدا سے ہے جو غفور ورحیم ہے۔ وہ آدمی کے ماضی کو نہیں بلکہ اس کے حال کو دیکھتا ہے۔ وہ آدمی کے ظاہر کو نہیں بلکہ اس کے باطن کو دیکھتا ہے۔ وہ آدمی سے وسعت کا معاملہ فرماتا ہے نہ کہ خوردہ گیری کا۔ یہی وجہ ہے کہ آدمی جب اس کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ ازسرنو اس کو اپنی رحمت کے سایہ میں لے لیتا ہے، خواہ اس سے کتنا ہی بڑا قصور کیوں نہ ہوگیا ہو۔

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ

الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى
مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ
اللّٰهَ هَدٰىنِیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ
اَنَّ لِیْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِیْ فَكَذَّبْتَ
بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا
عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝ وَيُنَجِّی
اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۫ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

اور تم پیروی کرو اپنے رب کی بھیجی ہوئی کتاب کے بہتر پہلو کی، قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ کہیں کوئی شخص یہ کہے کہ افسوس میری کوتاہی پر جو میں نے خدا کی جناب میں کی، اور میں تو مذاق اڑانے والوں میں شامل رہا۔ یا کوئی یہ کہے کہ اگر اللہ مجھ کو ہدایت دیتا تو میں بھی ڈرنے والوں میں سے ہوتا۔ یا عذاب کو دیکھ کر کوئی شخص یہ کہے کہ کاش مجھے دنیا میں پھر جانا ہو تو میں نیک بندوں میں سے ہو جاؤں۔ ہاں تمہارے پاس میری آیتیں آئیں پھر تو نے ان کو جھٹلایا اور تکبر کیا اور تو کافروں میں شامل رہا۔ اور تم قیامت کے دن ان لوگوں کے چہرے سیاہ دیکھو گے جنھوں نے اللہ پر جھوٹ بولا تھا۔ کیا متکبرین کا ٹھکانا جہنم میں نہ ہوگا۔ اور جو لوگ ڈرتے رہے۔ اللہ ان لوگوں کو کامیابی کے ساتھ نجات دے گا، اور ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ ۶۱-۵۵

---

خدا کے کلام میں بہتر اور غیر بہتر کی تقسیم نہیں۔ نہ قرآن میں ایسا ہے کہ اس کی کچھ آیتیں بہتر ہیں اور کچھ آیتیں غیر بہتر اور نہ قرآن اور دوسری آسمانی کتابوں میں یہ فرق ہے کہ ان میں سے کوئی کتاب باعتبار حقیقت بہتر ہے اور کوئی کتاب غیر بہتر۔

اصل یہ ہے کہ موجودہ امتحان کی دنیا میں آدمی کو عمل کی آزادی ہے۔ یہاں اس کے لئے یہ موقع ہے کہ ایک کلام کو خواہ سیدھے رخ سے لے یا الٹے رخ سے۔ وہ چاہے کلام کے اصل مدعا پر دھیان دے یا اس میں بے جا شوشے نکالے اور اس کو غلط معنی پہنائے۔ کلام الٰہی کا مذاق اڑانا اسی کی ایک مثال ہے۔ آدمی ایک آیت

کو لے کر اس میں الٹا مفہوم نکالتا ہے اور پھر اس خود ساختہ مفہوم کی بنا پر اس کا مذاق اڑانے لگتا ہے۔

دنیا میں آدمی اپنے آپ کو چھپائے ہوئے ہے۔ وہ محض تکبر کی بنیاد پر حق کو نہیں مانتا اور ایسے الفاظ بولتا ہے گویا کہ وہ اصول کی بنیاد پر اس کا انکار کر رہا ہے۔ مگر قیامت کے دن آدمی کا چہرہ اس کی اندرونی حالت کا مظہر بن جائے گا۔ اس وقت آدمی کا اپنا چہرہ بتائے گا کہ وہ جس حق میں "غیر بہتر" پہلو نکال کر اس کا منکر بنا رہا وہ صرف اس کے جھوٹے الفاظ تھے۔ ورنہ حق بذات خود بالکل صاف اور واضح تھا۔ اس وقت وہ افسوس کرے گا مگر اس وقت کا افسوس کرنا اس کے کچھ کام نہ آئے گا۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۶۲﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۳﴾ ع ۶
قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ
وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ
الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۶﴾

اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔ آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں۔ اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا وہی گھاٹے میں رہنے والے ہیں۔ کہو کہ اے نادانو، کیا تم مجھ کو غیر اللہ کی عبادت کرنے کے لیے کہتے ہو۔ اور تم سے پہلے والوں کی طرف بھی وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا۔ اور تم خسارہ میں رہو گے۔ بلکہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور شکر کرنے والوں میں سے بنو۔ ۶۶-۶۲

---

کائنات کی موجودگی اس کے خالق کی موجودگی کا ثبوت ہے۔ اسی طرح کائنات جتنے بامعنی اور جس قدر منظم طور پر چل رہی ہے وہ اس کا ثبوت ہے کہ ہر آن ایک نگرانی کرنے والا اس کی نگرانی کر رہا ہے۔ آدمی اگر سنجیدگی کے ساتھ غور کرے تو وہ کائنات میں اس کے خالق کی نشانی پائے گا اور اسی طرح اس کے ناظم اور مدبر کی نشانی بھی۔

ایسی حالت میں جو لوگ ایک خدا کے سوا دوسری ہستیوں کے عبادت گزار بنتے ہیں وہ ایک ایسا عمل کر رہے ہیں جس کی موجودہ کائنات میں کوئی قیمت نہیں۔ کیونکہ خالق اور وکیل جب صرف ایک ہے

تو اسی کی عبادت آدمی کو نفع دے سکتی ہے۔ اس کے سوا کسی اور کی عبادت کرنا گویا ایسے معبود کو پکارنا ہے جس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ
مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ
مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى
فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ
وَجِايْۗءَ بِالنَّـبِيّٖنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ وَ
وُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ ع ٧

اور لوگوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔ اور زمین ساری اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور تمام آسمان لپٹے ہوں گے اس کے داہنے ہاتھ میں۔ وہ پاک اور برتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ اور صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں سب بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے، مگر جس کو اللہ چاہے۔ پھر دوبارہ اس میں پھونکا جائے گا تو یکایک سب کے سب اٹھ کر دیکھنے لگیں گے اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی۔ اور کتاب رکھ دی جائے گی اور پیغمبر اور گواہ حاضر کئے جائیں گے۔ اور لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔ اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور وہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ ٧٠ - ٦٧

---

اکثر گمراہیوں کی جڑ خدا کا کمتر اندازہ ہے۔ آدمی دوسری عظمتوں میں اس لئے گم ہوتا ہے کہ اس کو خدا کی اتھاہ عظمت کا پتہ نہیں۔ وہ اپنے اکابر سے وابستگی کو نجات کا ذریعہ سمجھتا ہے تو اسی لئے سمجھتا ہے کہ اس کو معلوم نہیں کہ خدا اس سے زیادہ بڑا ہے کہ وہاں کوئی شخص اپنی زبان کھولنے کی جرأت کر سکے۔ قیامت جب لوگوں کی آنکھ کا پردہ ہٹائے گی تو ان کو معلوم ہوگا کہ خدا تو اتنا عظیم تھا جیسے کہ زمین ایک چھوٹے سکہ کی طرح اس کی مٹھی میں ہو اور آسمان ایک معمولی کاغذ کی طرح اس کے ہاتھ میں لپٹا ہوا ہو۔

جس طرح امتحان ہال میں امتحان کے ختم ہونے پر الارم بجتا ہے اسی طرح موجودہ دنیا کی مدت ختم ہونے

پر صور پھونکا جائے گا۔ اس کے بعد سار انظام بدل جائے گا۔ اس کے بعد ایک نئی دنیا بنے گی۔ ہماری موجودہ دنیا سورج کی روشنی سے روشن ہوتی ہے۔ جو صرف محسوس مادی اشیاء کو ہمیں دکھاپاتی ہے۔ آخرت کی دنیا براہ راست خدا کے نور سے روشن ہوگی۔ اس لئے وہاں یہ ممکن ہوگا کہ معنوی حقیقتوں کو بھی کھلی آنکھ سے دیکھا جاسکے۔ اس وقت تمام لوگ خدا کی عدالت میں حاضر کئے جائیں گے۔ دنیا میں لوگوں نے پیغمبروں کو اور ان کی تبعیت میں اٹھنے والے داعیوں کو نظر انداز کیا تھا۔ مگر آخرت میں لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ لوگوں کے مستقبل کا فیصلہ وہاں اسی بنیاد پر کیا جارہا ہے کہ کس نے ان کا ساتھ دیا اور کس نے ان کا انکار کردیا۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝

اور جن لوگوں نے انکار کیا وہ گروہ گروہ بناکر جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچیں گے اس کے دروازے کھول دئے جائیں گے اور اس کے محافظ ان سے کہیں گے، کیا تمہارے پاس تم ہی لوگوں میں سے پیغمبر نہیں آئے جو تم کو تمہارے رب کی آیتیں سناتے تھے اور تم کو تمہارے اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے۔ وہ کہیں گے کہ ہاں، لیکن عذاب کا وعدہ منکروں پر پورا ہو کر رہا۔ کہا جائے گا کہ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، اس میں ہمیشہ رہنے کے لئے۔ پس کیا برا ٹھکانا ہے تکبر کرنے والوں کا۔ ۷۱ - ۷۲

---

حق سے اعراض وانکار کرنے کے درجے ہیں۔ اسی لحاظ سے جہنم والوں کے بھی درجے ہیں۔ آخرت میں ان کو ان کے درجات کے لحاظ سے مختلف گروہوں میں تقسیم کیا جائے گا اور پھر ہر گروہ کو جہنم کے اس طبقہ میں ڈال دیا جائے گا جس کا وہ مستحق ہے۔ اس موقع پر جہنم کی نگرانی کرنے والے فرشتوں کی گفتگو سے اس منظر کی تصویر کشی ہو رہی ہے۔ جو لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کے وقت پیش آئے گی۔

جو لوگ موجودہ دنیا میں حق کو نہیں مانتے ان کے نہ ماننے کی اصل وجہ ہمیشہ تکبر ہوتا ہے۔ تاہم ان کا تکبر حقیقۃً حق کے مقابلہ میں نہیں ہوتا بلکہ وہ حق کو پیش کرنے والے شخص کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ حق کو پیش کرنے والا بظاہر ایک آدمی کو اپنے سے چھوٹا دکھائی دیتا ہے اس لئے وہ آدمی حق کو بھی چھوٹا سمجھ لیتا ہے

اور اس کو حقارت کے ساتھ نظر انداز کر دیتا ہے۔

وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ﴿۷۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ۖ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿۷۴﴾ وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۖ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۷۵﴾ ع ۸

اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرے وہ گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جائے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھول دئے جائیں گے اور اس کے محافظ ان سے کہیں گے کہ سلام ہو تم پر، خوش حال رہو، پس اس میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ کے لئے۔ اور وہ کہیں گے کہ شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہمارے ساتھ اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور ہم کو اس زمین کا وارث بنا دیا۔ ہم جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں۔ پس کیا خوب بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا۔ اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے گرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے رب کی حمد اور تسبیح کرتے ہوں گے۔ اور لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ ساری حمد اللہ کے لئے ہے، عالم کا خداوند۔ ۷۵-۷۳

---

جنت میں جانے والے وہ لوگ ہیں جن میں تقویٰ کی صفت پائی جائے۔ جب آدمی خدا کی بڑائی کو اس طرح پالے کہ اس کے اندر سے اپنی بڑائی کا احساس ختم ہو جائے تو اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا سے ڈرنے لگتا ہے۔ اپنے عجز اور خدا کی قدرت کا احساس اس کو اندیشہ ناک بنا دیتا ہے۔ وہ خدا کے معاملہ میں حد درجہ محتاط ہو جاتا ہے۔ اس کو ہر وقت یہ کھٹکا لگا رہتا ہے کہ آخرت میں اس کا خدا اس کے ساتھ کیا معاملہ فرمائے گا۔ جن لوگوں نے دنیا میں اسی طرح خوف کیا وہی آخرت کی بے خوف زندگی کے وارث قرار دئے جائیں گے۔

اہل جنت کے ساتھ آخرت میں وہ معاملہ کیا جائے گا جو دنیا میں شاہی مہمانوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ان کو کمال اعزاز و اکرام کے ساتھ ان کی قیام گاہوں کی طرف لے جایا جائے گا۔ جب وہ جنت کو

اپنی آنکھ سے دیکھیں گے تو بے اختیار ان کی زبان پر حمد اور شکر کے کلمات جاری ہو جائیں گے۔ جنت میں ان کے لئے نہ صرف اعلیٰ قیام گاہیں ہوں گی بلکہ وہاں سیر اور ملاقات کے لئے آنے جانے پر کوئی روک نہ ہوگی۔ سفر اور مواصلات کی اعلیٰ ترین سہولتیں وافر مقدار میں حاصل ہوں گی۔

حمد کی مستحق صرف ایک اللہ کی ذات ہے۔ مگر موجودہ امتحان کی دنیا میں اس کا ظہور نہیں ہوتا۔ آخرت حمد الٰہی کے کامل ظہور کا دن ہوگا۔ اس وقت تمام زبانیں اور سارا ماحول حمد خداوندی کے نغمہ سے معمور ہو جائے گا۔ تمام جھوٹی بڑائیاں ختم ہو جائیں گی۔ وہاں صرف ایک ہستی ہوگی جس کا آدمی نام لے۔ وہاں صرف ایک بڑائی ہوگی جس کی بڑائی سے سرشار ہو کر وہ اس کی حمد کرے۔

---

سُوۡرَةُ الۡمُؤۡمِنِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ۚ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۞ خَمۡسٌ وَّثَمَانُوۡنَ اٰيَةً وَّتِسۡعُ رُكُوۡعَاتٍ

حٰمٓ ۞ تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡعَلِيۡمِ ۞ غَافِرِ الذَّنۡۢبِ وَقَابِلِ التَّوۡبِ شَدِيۡدِ الۡعِقَابِ ذِى الطَّوۡلِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ اِلَيۡهِ الۡمَصِيۡرُ ۞

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

حٰم۔ یہ کتاب اتاری گئی ہے اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے، جاننے والا ہے۔ معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے، سخت سزا دینے والا، بڑی قدرت والا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ ۱-۳

---

"عزیز وعلیم" کے الفاظ یہاں قرآن کے حق میں بطور دلیل استعمال ہوتے ہیں۔ قرآن کے اترنے کے وقت یہ ایک پیشین گوئی تھی، آج یہ ایک ثابت شدہ واقعہ ہے۔

قرآن دور سائنس سے پہلے انتہائی ناموافق حالات میں اترا۔ مگر عین اپنے دعوے کے مطابق اس نے اپنے مخالفوں کے اوپر غلبہ حاصل کیا۔ عرب کے مشرکین اور یہود اور عظیم رومی اور ایرانی سلطنتیں سب کی سب اس کی دشمن تھیں مگر اس نے بہت تھوڑے عرصہ میں سب کو مغلوب کر لیا۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کی کوئی دوسری مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن خدائے عزیز وغالب کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔

قرآن کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ کامل طور پر ایک صحیح کتاب ہے۔ ڈیڑھ ہزار برس بعد بھی قرآن کی

کوئی بات حقیقتِ واقعہ کے خلاف نہیں نکلی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کا نازل کرنے والا علیم وخبیر ہے اس سے زمین وآسمان کی کوئی بات مخفی نہیں۔ وہ ماضی، حال اور مستقبل سے یکساں طور پر باخبر ہے۔

یہی خدا انسان کا حقیقی معبود ہے۔ اس کی قدرت اور اس کے علم کا یہ تقاضا ہے کہ وہ تمام انسانوں کو جمع کرکے ان کا حساب لے۔ پھر پورے عدل کے ساتھ ہر ایک کا فیصلہ کرے۔ جو لوگ خدا کی طرف رجوع ہوئے ان کو معاف کردے اور جنھوں نے سرکشی کی انھیں ان کے برے اعمال کی سزا دے۔

مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝
كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۠ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ
بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ
فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ
اَصْحٰبُ النَّارِ ۝

وقف لازم / وقف النبی

اللہ کی آیتوں میں وہی لوگ جھگڑے نکالتے ہیں جو منکر ہیں۔ تو ان لوگوں کا شہروں میں چلنا پھرنا تم کو دھوکے میں نہ ڈالے۔ ان سے پہلے نوح کی قوم نے جھٹلایا۔ اور ان کے بعد کے گروہوں نے بھی۔ اور ہر امت نے ارادہ کیا کہ اپنے رسول کو پکڑ لیں اور انھوں نے ناحق کے جھگڑے نکالے تاکہ اس سے حق کو پسپا کر دیں تو میں نے ان کو پکڑ لیا۔ پھر کیسی تھی میری سزا۔ اور اسی طرح تیرے رب کی بات ان لوگوں پر پوری ہو چکی ہے جنھوں نے انکار کیا کہ وہ آگ والے ہیں۔

۴ ـ ۶

---

یہاں آیات اللہ سے مراد وہ دلائل ہیں جو دعوت حق کو ثابت کرنے کے لئے پیش کئے گئے ہوں۔ جو لوگ خدا کے معاملہ میں سنجیدہ نہ ہوں وہ ان دلائل میں غیر متعلق بحثیں پیدا کرکے لوگوں کو اس شبہ میں ڈالتے ہیں کہ یہ دعوت حق کی دعوت نہیں ہے۔ بلکہ محض ایک شخص (داعی) کی ذہنی اپج ہے۔

اس قسم کا جھوٹا مجادلہ بہت بڑا جرم ہے۔ تاہم موجودہ امتحان کی دنیا میں ایسے لوگوں کو ایک مقرر مدت تک مہلت حاصل رہتی ہے۔ اس کے بعد ان کے لئے وہی برا انجام مقدر ہے جو قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود وغیرہ کا ہوا۔ جن لوگوں نے اپنے کو بڑا سمجھا تھا وہ چھوٹے کر دئے گئے۔ اور جن لوگوں کو چھوٹا سمجھ لیا گیا تھا وہ اللہ کے نزدیک بڑے قرار پائے۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ

وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ
تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿٧﴾ رَبَّنَا وَأَدْخِلْهُمْ جَنَّاتِ عَدْنٍ
الَّتِي وَعَدتَّهُمْ وَمَن صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ ۚ إِنَّكَ
أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٨﴾ وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ ۚ وَمَن تَقِ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ
رَحِمْتَهُ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٩﴾ ع

جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے ارد گرد ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح کرتے ہیں، اس کی حمد کے ساتھ۔ اور وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور وہ ایمان والوں کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ اے ہمارے رب تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ پس تو معاف کر دے ان لوگوں کو جو توبہ کریں اور تیرے راستے کی پیروی کریں اور تو ان کو جہنم کے عذاب سے بچا۔ اے ہمارے رب، اور تو ان کو ہمیشہ رہنے والے باغوں میں داخل کر جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ اور ان کو بھی جو صالح ہوں ان کے والدین اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے۔ بے شک تو زبردست ہے، حکمت والا ہے۔ اور ان کو برائیوں سے بچالے۔ اور جس کو تو نے اس دن برائیوں سے بچایا تو ان پر تو نے رحم کیا۔ اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ ۹-۷

---

جو اللہ کے بندے بے آمیز حق کی دعوت لے کر اٹھتے ہیں ان کو ہمیشہ ستایا جاتا ہے۔ ان کو ماحول میں حقیر بنا دیا جاتا ہے۔ مگر عین اس وقت جب کہ ظاہر پرست انسانوں کے درمیان ان کا یہ حال ہوتا ہے، عین اسی وقت زمین و آسمان ان کے برسرِ حق ہونے کی تصدیق کر رہے ہوتے ہیں۔ کائنات کا انتظام کرنے والے فرشتے ان کے حسن انجام کے منتظر ہوتے ہیں۔ وقتی دنیا میں ناقابل تذکرہ سمجھے جانے والے لوگ ابدی دنیا میں اس مقام عزت پر ہوتے ہیں کہ اللہ کے مقرب ترین فرشتے بھی ان کے حق میں دعائیں کر رہے ہوں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِن مَّقْتِكُمْ أَنفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ
إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ ﴿١٠﴾ قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا
بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَىٰ خُرُوجٍ مِّن سَبِيلٍ ﴿١١﴾ ذَٰلِكُم بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ

وَاِنْ یُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِیِّ الْكَبِیْرِ ۝

جن لوگوں نے انکار کیا، ان کو پکار کر کہا جائے گا، خدا کی بیزاری تم سے اس سے زیادہ ہے جتنی بیزاری تم کو اپنے آپ پر ہے۔ جب تم کو ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے۔ وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب، تونے ہم کو دو بار موت دی اور دو بار ہم کو زندگی دی، پس ہم نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا، تو کیا نکلنے کی کوئی صورت ہے۔ یہ تم پر اس لئے ہے کہ جب اکیلے اللہ کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے۔ اور جب اس کے ساتھ شریک کیا جاتا تو تم مان لیتے۔ پس فیصلہ اللہ کے اختیار میں ہے جو عظیم ہے، بڑے مرتبہ والا ہے۔ ۱۲-۱۰

---

موجودہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی شکل میں اپنی رحمت بھیجی۔ مگر لوگوں نے اس کو قبول نہیں کیا۔ اس کا انجام آخرت میں یہ سامنے آئے گا کہ اس قسم کے لوگ اللہ کی رحمت سے بالکل محروم کر دئے جائیں گے۔ دنیا میں انھوں نے خدا کی رحمت کو نظر انداز کیا تھا، آخرت میں خدا کی رحمت انھیں نظر انداز کر دے گی۔

اس وقت انکار کرنے والے لوگ کہیں گے کہ خدایا، تونے ہم کو مٹی سے پیدا کیا۔ گویا کہ ہم مُردہ تھے پھر تونے ہمارے اندر جان ڈالی۔ اس کے بعد اپنی عمر پوری کرکے دوسری بار ہم پر موت آئی۔ اور اب ہم دوبارہ آخرت کی دنیا میں اٹھائے گئے ہیں۔ اس طرح تو ہم کو دو بار موت اور دو بار زندگی دے چکا ہے۔ اب اگر تو ہم کو تیسرا موقع دے اور پھر ہم کو دنیا میں بھیج دے کہ ہم وہاں رہیں اور پھر مر کر عالم آخرت میں حاضر ہوں تو ہم وہاں تیری سچائی کا اعتراف کریں گے اور نیک عمل کی زندگی گزاریں گے۔

مگر ان کی یہ درخواست سنی نہیں جائے گی۔ کیونکہ انھوں نے اپنے بارہ میں یہ ثبوت دیا کہ وہ سچائی کا ادراک اس وقت نہیں کر سکتے جب کہ سچائی ابھی غیب میں چھپی ہوئی ہو۔ وہ صرف ظاہری خداؤں کو پہچان سکتے ہیں، وہ غیبی خدا کو پہچاننے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اور خدا کے یہاں ایسے ظاہر پرستوں کی کوئی قیمت نہیں۔

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ وَیُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ۭ وَمَا یَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ
یُّنِیْبُ ۝ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ رَفِیْعُ
الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِیُنْذِرَ
یَوْمَ التَّلَاقِ ۝ یَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنْهُمْ شَیْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ ۭ

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾

وہی ہے جو تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور آسمان سے تمہارے لئے رزق اتارتا ہے۔ اور نصیحت صرف وہی شخص قبول کرتا ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔ پس اللہ ہی کو پکارو، دین کو اسی کے لئے خالص کر کے، خواہ کافروں کو ناگوار کیوں نہ ہو۔ وہ بلند درجوں والا، عرش کا مالک ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی بھیجتا ہے تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے۔ جس دن کہ وہ ظاہر ہوں گے۔ اللہ سے ان کی کوئی چیز چھپی ہوئی نہ ہوگی۔ آج بادشاہی کس کی ہے، اللہ واحد قہار کی۔ آج ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ ملے گا، آج کوئی ظلم نہ ہوگا۔ بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ ۱۳-۱۷

---

کائنات میں بے شمار نشانیاں ہیں جو تمثیل کی زبان میں حقیقت کا درس دے رہی ہے۔ انھیں میں سے ایک نشانی بارش کا نظام ہے۔ یہ مادی واقعہ وحی کے معنوی معاملہ کو ممثل کر رہا ہے۔ جس طرح بارش زرخیز زمین کے لئے مفید ہے اور بنجر زمین کے لئے غیر مفید، اسی طرح وحی بھی خدا کی معنوی بارش ہے۔ جن لوگوں نے اپنے سینے کھلے رکھے ہوں ان کے اندر یہ بارش داخل ہو کر ان کے وجود کو سرسبز و شاداب کر دیتی ہے۔ اس کے برعکس جن لوگوں کے دل غیر خدائی بڑائیوں سے بھرے ہوئے ہوں وہ گویا بنجر زمین ہیں۔ وہ وحی کے فائدوں سے محروم رہیں گے۔

اللہ اپنے بندوں سے پوری طرح واقف ہے۔ وہ جس بندہ کو اہل پاتا ہے اس کو اپنے پیغام کی پیغام رسانی کے لئے چن لیتا ہے۔ اس پیغام کا خاص نشانہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو اس آنے والے دن سے آگاہ کیا جائے جب کہ وہ بادشاہ کائنات کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے جس سے کسی کی کوئی بات چھپی ہوئی نہیں۔ اور نہ کوئی ہے جو اس کے فیصلہ پر اثر انداز ہو سکے۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ڛ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ
مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿۱۸﴾ يَعْلَمُ خَآىِٕنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾
وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ۭ
ع ۲ ۱۱ ۷ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۲۰﴾

اور ان کو قریب آنے والی مصیبت کے دن سے ڈراؤ جب کہ دل حلق تک آپہنچیں گے، وہ غم سے بھرے ہوئے ہوں گے۔ ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی جس کی بات مانی جائے۔ وہ نگاہوں کی چوری کو جانتا ہے اور ان باتوں کو بھی جن کو سینے چھپائے ہوئے ہیں۔ اور اللہ حق کے ساتھ فیصلہ کرے گا۔ اور جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کرتے۔ بے شک اللہ سننے والا ہے، دیکھنے والا ہے۔ ۲۰ - ۱۸

---

موجودہ دنیا میں انسان کو ہر طرح کے مواقع حاصل ہیں۔ وہ آزاد ہے کہ جو چاہے کرے۔ اس سے آدمی غلط فہمی میں پڑ جاتا ہے۔ وہ اپنی موجودہ عارضی حالت کو مستقل حالت سمجھ لیتا ہے۔ حالانکہ یہ مواقع جو انسان کو ملے ہیں وہ بطور امتحان ہیں نہ کہ بطور استحقاق۔ امتحان کی مدت ختم ہوتے ہی موجودہ تمام مواقع اس سے چھن جائیں گے۔ اس وقت انسان کو معلوم ہوگا کہ اس کے پاس عجز کے سوا اور کچھ نہیں جس کے سہارے وہ کھڑا ہو سکے۔

آدمی چاہتا ہے کہ بے قید زندگی گزارے۔ اسی مزاج کی وجہ سے آدمی غیر خدا کو بطور خود خدائی میں شریک بناتا ہے تاکہ ان کے نام پر وہ اپنی بے راہ روی کو جائز ثابت کر سکے۔ مگر قیامت میں جب حقیقت بے پردہ ہو کر سامنے آئے گی تو آدمی جان لے گا کہ یہاں خدا کے سوا کوئی نہ تھا جس کو کسی قسم کا اختیار حاصل ہو۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَمَا كَانَ لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِن وَاقٍ ﴿٢١﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانَت تَّأْتِيهِمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَكَفَرُوا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢٢﴾

کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ وہ دیکھتے کہ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ وہ ان سے بہت زیادہ تھے قوت میں اور ان آثار کے اعتبار سے بھی جو انھوں نے زمین میں چھوڑے۔ پھر اللہ نے ان کے گناہوں پر ان کو پکڑ لیا اور کوئی ان کو اللہ سے بچانے والا نہ تھا۔ یہ اس لئے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر آئے تو انھوں نے انکار کیا۔ تو اللہ نے ان کو پکڑ لیا۔ یقیناً وہ طاقت ور ہے سخت سزا دینے والا ہے۔ ۲۲ - ۲۱

---

دنیا کی تاریخ میں کثرت سے ایسے واقعات ہیں کہ ایک قوم ابھری اور پھر مٹ گئی۔ ایک قوم جس

نے زمین پر شاندار تمدن کھڑا کیا، آج اس کا تمدن کھنڈر کی صورت میں زمین کے نیچے دبا ہوا پڑا ہے۔ ایک قوم جس کو کسی وقت ایک زندہ واقعہ کی حیثیت حاصل تھی، آج وہ صرف ایک تاریخی واقعہ کے طور پر قابل ذکر سمجھی جاتی ہے۔

اس قسم کے واقعات لوگوں کے لئے معلوم واقعات ہیں مگر لوگوں نے ان واقعات کو ارضی حوادث یا سیاسی انقلابات کے خانہ میں ڈال رکھا ہے۔ لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ سب خدائی فیصلے تھے جو سچائی کے انکار کے نتیجہ میں ان قوموں پر نازل ہوتے۔ اگر ہم کو وہ نگاہ حاصل ہو جس سے ہم معنوی حقیقتوں کو دیکھ سکیں تو ہم کو نظر آئے گا کہ ہر واقعہ خدا کے فرشتوں کے ذریعہ انجام پا رہا تھا، اگرچہ بظاہر دیکھنے والوں کو وہ دنیوی اسباب کے تحت ہوتا ہوا دکھائی دیا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝

اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ اور کھلی دلیل کے ساتھ، فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا، تو انھوں نے کہا کہ یہ ایک جادوگر ہے، جھوٹا ہے۔ پھر جب وہ ہماری طرف سے حق لے کر ان کے پاس پہنچا، انھوں نے کہا کہ ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کر ڈالو جو اس کے ساتھ ایمان لائیں اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھو۔ اور ان کافروں کی تدبیر محض بے اثر رہی۔ ۲۵-۲۳

---

پیغمبروں کو عام دلائل کے ساتھ مزید ایسی معجزاتی تائید حاصل رہتی ہے جو ان کے فرستادۂ خدا ہونے کا انتہائی واضح ثبوت ہوتی ہے۔ مگر حق کو ماننا ہمیشہ اپنی نفی کی قیمت پر ہوتا ہے جو بلاشبہہ کسی انسان کے لئے مشکل ترین قربانی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انتہائی کھلے کھلے دلائل کے باوجود فرعون اور اس کے درباریوں نے حضرت موسیٰ کی نبوت کا اقرار نہیں کیا۔

اس کے بجائے انھوں نے ایک طرف عوام کو یہ تاثر دینا شروع کیا کہ موسیٰ کا پیغمبری کا دعویٰ بے حقیقت ہے اور ان کے معجزے محض جادو کا کرشمہ ہیں۔ دوسری طرف انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ بنی اسرائیل کی تعداد کو گھٹانے کے لئے اپنی سابقہ پالیسی کو مزید شدت کے ساتھ جاری کر دیا جائے۔ تاکہ موسیٰ اپنی قوم (بنی اسرائیل) کے اندر اپنے لئے مضبوط

بنیاد نہ پاسکیں۔ مگر انھیں معلوم نہ تھا کہ وہ اپنی یہ تدبیریں موسیٰ کے مقابلہ میں نہیں بلکہ خدا کے مقابلہ میں کر رہے ہیں اور خدا کے مقابلہ میں کسی کی کوئی تدبیر کبھی کارگر نہیں ہوتی۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۝ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝

اور فرعون نے کہا، مجھ کو چھوڑو، میں موسیٰ کو قتل کر ڈالوں اور وہ اپنے رب کو پکارے، مجھ کو اندیشہ ہے کہ کہیں وہ تمہارا دین بدل ڈالے یا ملک میں فساد پھیلا دے۔ اور موسیٰ نے کہا کہ میں نے اپنے اور تمہارے رب کی پناہ لی ہر اس متکبر سے جو حساب کے دن پر ایمان نہیں رکھتا۔ ۲۶-۲۷

---

"تمہارا دین بدل ڈالے" کا مطلب ہے تمہارا مذہب بدل ڈالے۔ یعنی تم جس مذہبی طریقہ پر ہو اور جو تمہارے اکابر سے چلا آرہا ہے، وہ ختم ہو جائے اور لوگوں کے درمیان نیا مذہب رائج ہو جائے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ہندستان میں انتہا پسند ہندو کہتے ہیں کہ مذہب کی تبلیغ کو قانونی طور پر بند کرو، ورنہ دوسرے مذہب والے اپنی تبلیغ سے دیش کے دھرم کو بدل ڈالیں گے۔

فساد سے مراد بدامنی ہے۔ یعنی موسیٰ کو اپنے ہم قوموں میں ساتھ دینے والے مل جائیں گے۔ اور ان کو لے کر وہ ملک میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس لئے ہم کو چاہئے کہ ہم شروع ہی میں انھیں قتل کر دیں۔

حق کو ماننے میں سب سے بڑی رکاوٹ آدمی کی متکبرانہ نفسیات ہوتی ہے۔ وہ اپنے کو اونچا رکھنے کی خاطر حق کو نیچا کر دینا چاہتا ہے۔ مگر حق کا مددگار اللہ رب العالمین ہے۔ ابتداءً خواہ اس کے مخالفین بظاہر اس کو دبالیں مگر اللہ کی مدد اس بات کی ضمانت ہے کہ آخری کامیابی بہر حال حق کو حاصل ہوگی۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

لَا يَهْدِىْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۝ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِى الْاَرْضِ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۝

اور آل فرعون میں سے ایک مومن شخص، جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا، بولا، کیا تم لوگ ایک شخص کو صرف اس بات پر قتل کردوگے کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے کھلی دلیلیں بھی لے کر آیا ہے۔ اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ اسی پر پڑے گا۔ اور اگر وہ سچا ہے تو اس کا کوئی حصہ تم کو پہنچ کر رہے گا جس کا وعدہ وہ تم سے کرتا ہے۔ بے شک اللہ ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گزرنے والا ہو، جھوٹا ہو۔ اے میری قوم، آج تمہاری سلطنت ہے کہ تم زمین میں غالب ہو۔ پھر اللہ کے عذاب کے مقابل ہماری کون مدد کرے گا، اگر وہ ہم پر آگیا۔ فرعون نے کہا، میں تم کو وہی رائے دیتا ہوں جس کو میں سمجھ رہا ہوں، اور میں تمہاری رہنمائی ٹھیک بھلائی کے راستہ کی طرف کر رہا ہوں۔

۲۹-۲۸

یہاں جس رجل مومن کا ذکر ہے وہ فرعون کے شاہی خاندان کا ایک فرد تھا اور غالباً وہ دربار کے اعلیٰ عہدیداروں میں سے تھا۔ یہ بزرگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت توحید سے متاثر ہوئے، تاہم وہ اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھے۔ مگر جب انھوں نے دیکھا کہ فرعون حضرت موسیٰ کو قتل کرنے کا ارادہ کر رہا ہے تو وہ کھل کر حضرت موسیٰ کی حمایت پر آگئے۔ انھوں نے نہایت مؤثر اور نہایت حکیمانہ انداز میں حضرت موسیٰ کی مدافعت فرمائی۔

اس واقعہ میں ایک نصیحت یہ ہے کہ تبلیغ ایک ایسی طاقت ہے کہ خود دشمن کی صفوں میں اپنے ہمدرد اور ساتھی پیدا کرلیتی ہے، خواہ وہ دشمن خاندان فرعون جیسا ظالم اور متکبر کیوں نہ ہو۔

وَقَالَ الَّذِىْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ۝ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۝ وَيٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۝ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ مَا لَكُمْ

مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

اور جو شخص ایمان لایا تھا اس نے کہا کہ اے میری قوم، میں ڈرتا ہوں کہ تم پر اور گروہوں جیسا دن آجائے جیسا دن قوم نوح اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد والوں پر آیا۔ اور اللہ اپنے بندوں پر کوئی ظلم کرنا نہیں چاہتا۔ اور اے میری قوم، میں ڈرتا ہوں کہ تم پر چیخ پکار کا دن آجائے، جس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے۔ اور تم کو خدا سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ اور جس کو خدا گمراہ کردے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ ۳۳-۳۰

فرعون نے حضرت موسیٰ کو دنیا کی سزا سے ڈرایا تھا، اس کے جواب میں رجُل مومن نے فرعون کو آخرت کی سزا سے ڈرایا۔ حق کے داعی کا طریقہ ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔ لوگ دنیا کی فکر کرتے ہیں، داعی آخرت کے لئے فکرمند ہوتا ہے۔ لوگ دنیا کی اصطلاحوں میں بولتے ہیں، داعی آخرت کی اصطلاحوں میں کلام کرتا ہے۔ لوگ دنیا کے مسائل کو سب سے زیادہ قابل ذکر سمجھتے ہیں، داعی کے نزدیک سب سے زیادہ قابل ذکر مسئلہ وہ ہوتا ہے جس کا تعلق آخرت سے ہو۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۖ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۚ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۗ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۗ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾

اور اس سے پہلے یوسف تمہارے پاس کھلے دلائل کے ساتھ آئے تو تم ان کی لائی ہوئی باتوں کی طرف سے شک ہی میں پڑے رہے۔ یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہوگئی تو تم نے کہا کہ اللہ ان کے بعد ہرگز کوئی رسول نہ بھیجے گا۔ اسی طرح اللہ ان لوگوں کو گمراہ کر دیتا ہے جو حد سے گزرنے والے اور شک کرنے والے ہوتے ہیں۔ جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑا کرتے ہیں بغیر کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو۔ اللہ اور ایمان والوں کے نزدیک یہ سخت مبغوض ہے۔ اسی طرح اللہ مہر کر دیتا ہے ہر مغرور، سرکش کے دل پر۔ ۳۵-۳۴

حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی میں مصر کے لوگوں کی اکثریت آپ کی نبوت کی قائل نہیں ہوئی۔ مگر آپ کی وفات کے بعد جب ملکی سلطنت کا نظام بگڑنے لگا تو مصریوں کو آپ کی عظمت کا احساس ہوا۔ اب وہ کہنے لگے کہ یوسف کا وجود مصر کے لئے بہت بابرکت تھا، ایسا رسول اب کہاں آئے گا۔ حضرت یوسف اگرچہ خدا کے پیغمبر تھے مگر اسی کے ساتھ وہ ایک انسان بھی تھے۔ اس بنا پر لوگوں کے لئے یہ کہنے کی گنجائش تھی کہ ـــــ "کیا ضروری ہے کہ یوسف کے کمالات پیغمبری کی بنا پر ہوں، یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ ایک ذہین انسان ہوں اور اس بنا پر انھوں نے کمالات ظاہر کئے ہوں۔" اسی طرح کی باتیں تھیں جن کو لے کر مصر کے لوگ آپ کے بارے میں شک میں مبتلا ہوگئے۔

حق خواہ کتنا ہی واضح ہو، موجودہ امتحان کی دنیا میں ہمیشہ اس کا امکان باقی رہتا ہے کہ آدمی کوئی شبہہ کا پہلو نکال کر اس کا منکر بن جائے۔ اب جو لوگ اپنے اندر سرکشی اور گھمنڈ کا مزاج لئے ہوئے ہوں، جو یہ سمجھتے ہوں کہ حق کو مان کر وہ اپنی بڑائی کھو دیں گے۔ وہ عین اپنے مزاج کے تحت انھیں شبہات میں اٹک کر رہ جاتے ہیں۔ وہ ان شبہات کو اتنا بڑھاتے ہیں کہ وہی ان کے دل ودماغ پر چھا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ حق کے معاملہ میں سیدھے انداز سے سوچ نہیں پاتے۔ وہ ہمیشہ اس کے منکر بنے رہتے ہیں، یہاں تک کہ اسی حال میں مرجاتے ہیں۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ
فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ۭ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَ
رکوع ۹ صُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾

اور فرعون نے کہا کہ اے ہامان، میرے لئے ایک اونچی عمارت بنا تاکہ میں راستوں پر پہنچوں، آسمانوں کے راستوں تک، پس موسیٰ کے معبود کو جھانک کر دیکھوں، اور میں تو اس کو جھوٹا خیال کرتا ہوں۔ اور اس طرح فرعون کے لئے اس کی بدعملی خوشنما بنا دی گئی اور وہ سیدھے راستے سے روک دیا گیا۔ اور فرعون کی تدبیر غارت ہوکر رہی۔ ۳۶ - ۳۷

---

فرعون نے اپنے وزیر ہامان سے جو بات کہی وہ کوئی سنجیدہ بات نہیں تھی بلکہ محض ایک وقتی تدبیر (کید) کے طور پر تھی۔ اس نے دیکھا کہ رجل مومن کی معقول اور مدلل تقریر سے دربار کے لوگ متأثر ہو رہے ہیں، اس لئے اس نے چاہا کہ ایک شوشہ کی بات نکالے تاکہ حضرت موسیٰ کی دعوت سنجیدہ بحث کا موضوع نہ بنے بلکہ مذاق کا

موضوع بن کر رہ جائے۔

"بدعملی کا خوشنما بننا" یہ ہے کہ آدمی کچھ خوش نما الفاظ بول کر حق بات کو رد کر دے۔ یہی آدمی کی گمراہی کی اصل جڑ ہے۔ یعنی حقیقی دلائل کے مقابلہ میں شوشہ کی بات کو اہمیت دینا، کھلی بے راہ روی کو جھوٹی توجیہات میں چھپانے کی کوشش کرنا وغیرہ۔ ایسے لوگ بھول جاتے ہیں کہ جو حق محکم دلیل کے اوپر کھڑا ہوا ہو اس کو بے بنیاد شوشے نکال کر مغلوب نہیں کیا جا سکتا۔

وَقَالَ الَّذِيٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿٣٨﴾ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿٣٩﴾ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً
فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٤٠﴾ وَ يٰقَوْمِ مَا لِيٓ
اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيٓ اِلَى النَّارِ ﴿٤١﴾ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ
اُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۡ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ﴿٤٢﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا
تَدْعُوْنَنِيٓ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ
وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿٤٣﴾ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ
اَمْرِيٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿٤٤﴾

اور جو شخص ایمان لایا تھا اس نے کہا کہ اے میری قوم، تم میری پیروی کرو، میں تم کو صحیح راستہ بتا رہا ہوں۔ اے میری قوم، یہ دنیا کی زندگی محض چند روزہ ہے اور اصل ٹھہرنے کا مقام آخرت ہے۔ جو شخص برائی کرے گا تو وہ اس کے برابر بدلہ پائے گا۔ اور جو شخص نیک کام کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مومن ہو تو یہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے، وہاں وہ بے حساب رزق پائیں گے۔ اور اے میری قوم، کیا بات ہے کہ میں تو تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھ کو آگ کی طرف بلا رہے ہو۔ تم مجھ کو بلا رہے ہو کہ میں خدا کے ساتھ کفر کروں اور ایسی چیز کو اس کا شریک بناؤں جس کا مجھے کوئی علم نہیں۔ اور میں تم کو زبردست مغفرت کرنے والے خدا کی طرف بلا رہا ہوں۔ یقینی بات ہے کہ تم جس چیز کی طرف مجھ کو بلاتے ہو اس کی کوئی آواز نہ دنیا میں ہے اور نہ آخرت میں۔ اور بیشک ہم سب کی واپسی اللہ ہی کی طرف ہے اور حد سے گزرنے

والے ہی آگ میں جانے والے ہیں۔ پس تم آگے چل کر میری بات کو یاد کروگے۔ اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ بے شک اللہ تمام بندوں کا نگراں ہے۔ ۴۴ ۔ ۳۸

---

دربار فرعون کے مومن کی یہ تقریر نہایت واضح ہے۔ نیز وہ ایک نمونہ کی تقریر ہے جو یہ بتاتی ہے کہ حق کے داعی کا انداز خطاب کیا ہونا چاہئے اور یہ کہ دعوت حق کا اصل نکتہ کیا ہے۔

"میں تم کو خداوند عالم کی طرف بلاتا ہوں۔ اور تم جس کی طرف مجھے بلا رہے ہو اس کو پکارنے کا کوئی فائدہ نہ دنیا میں ہے اور نہ آخرت میں" یہ فقرہ رجل مومن کی پوری تقریر کا خلاصہ ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فرعون کے دربار میں جو چیز زیر بحث تھی وہ کیا تھی۔ وہ یہ تھی کہ خدا کو پکارا جائے یا انسان کے بنائے ہوئے بتوں کو پکارا جائے۔ رجل مومن نے کہا کہ خدا تو ایک زندہ اور غالب حقیقت ہے، اس کو پکارنا ایک حقیقی معبود کو پکارنا ہے۔ مگر تمہارے اصنام صرف تمہارے وہم کی ایجاد ہیں۔ وہ نہ دنیا میں تمہیں کوئی فائدہ دے سکتے اور نہ آخرت میں۔ جب ان کا کوئی حقیقی وجود ہی نہیں تو ان سے کوئی حقیقی فائدہ کیسے مل سکتا ہے۔ (یعنی الوثن لا ینفع ولا یضر، تفسیر ابن کثیر جلد رابع صفحہ ۸۰)

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۣ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾

پھر اللہ نے اس کو ان کی بری تدبیروں سے بچالیا۔ اور فرعون والوں کو برے عذاب نے گھیر لیا۔ آگ، جس پر وہ صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی، فرعون والوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو۔ ۴۶ ۔ ۴۵

---

فرعون کے دربار کا رجل مومن پیغمبر نہیں تھا۔ مگر تنہا ہونے کے باوجود اللہ نے اس کو فرعون کے ظالمانہ منصوبوں سے بچالیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیر انبیاء کو بھی حمایت حق کی وہ نصرت ملتی ہے جس کا وعدہ انبیاء سے کیا گیا ہے۔

انسانوں کے اخروی انجام کا باقاعدہ فیصلہ اگرچہ قیامت میں ہوگا، مگر موت کے بعد جب آدمی اگلی دنیا میں داخل ہوتا ہے تو فوراً ہی اس پر کھل جاتا ہے کہ وہ پچھلی دنیا میں کیا کرکے یہاں آیا ہے اور اب اس

کے لئے کون سا انجام مقدر ہے۔ اس طرح شعور کی سطح پر وہ موت کے بعد ہی اپنے انجام سے دوچار ہو جاتا ہے اور جسمانی سطح پر وہ قیامت میں خدا کی عدالت قائم ہونے کے بعد اس سے دوچار ہوگا۔

وَإِذْ يَتَحَآجُّونَ فِى ٱلنَّارِ فَيَقُولُ ٱلضُّعَفَٰٓؤُا۟ لِلَّذِينَ ٱسْتَكْبَرُوٓا۟ إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا
فَهَلْ أَنتُم مُّغْنُونَ عَنَّا نَصِيبًا مِّنَ ٱلنَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ ٱلَّذِينَ ٱسْتَكْبَرُوٓا۟ إِنَّا كُلٌّ
فِيهَآ إِنَّ ٱللَّهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ ٱلْعِبَادِ ﴿۴۸﴾ وَقَالَ ٱلَّذِينَ فِى ٱلنَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ
ٱدْعُوا۟ رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ ٱلْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوٓا۟ أَوَلَمْ تَكُ تَأْتِيكُمْ
رُسُلُكُم بِٱلْبَيِّنَٰتِ ۖ قَالُوا۟ بَلَىٰ ۚ قَالُوا۟ فَٱدْعُوا۟ ۗ وَمَا دُعَٰٓؤُا۟ ٱلْكَٰفِرِينَ إِلَّا فِى
ضَلَٰلٍ ﴿۵۰﴾ رکوع ۵

اور جب وہ دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو کمزور لوگ بڑا بننے والوں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے تابع تھے، تو کیا تم ہم سے آگ کا کوئی حصہ ہٹا سکتے ہو۔ بڑے لوگ کہیں گے کہ ہم سب ہی اس میں ہیں۔ اللہ نے بندوں کے درمیان فیصلہ کر دیا۔ اور جو لوگ آگ میں ہوں گے وہ جہنم کے نگہبانوں سے کہیں گے کہ تم اپنے رب سے درخواست کرو کہ ہمارے عذاب میں سے ایک دن کی تخفیف کر دے۔ وہ کہیں گے، کیا تمہارے پاس تمہارے رسول واضح دلیلیں لے کر نہیں آئے۔ وہ کہیں گے کہ ہاں۔ نگہبان کہیں گے پھر تم ہی درخواست کرو۔ اور منکروں کی پکار اکارت ہی جانے والی ہے۔ ۵۰ ۔ ۴۷

---

ان آیتوں میں جہنم کا ایک منظر دکھایا گیا ہے۔ دنیا میں جو لوگ بڑے بنے ہوئے تھے وہ وہاں اپنی ساری بڑائی بھول جائیں گے۔ وہ عوام جو یہاں اپنے بڑوں پر فخر کرتے تھے وہ وہاں اپنے بڑوں سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔ دنیا میں جو لوگ حق کے آگے جھکنے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے وہ وہاں عاجزانہ طور پر حق کے آگے جھک جائیں گے۔ مگر آخرت کا جھکنا کسی کے کچھ کام آنے والا نہیں۔

إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ ٱلْأَشْهَٰدُ ﴿۵۱﴾
يَوْمَ لَا يَنفَعُ ٱلظَّٰلِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ ۖ وَلَهُمُ ٱللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوٓءُ ٱلدَّارِ ﴿۵۲﴾ وَلَقَدْ
ءَاتَيْنَا مُوسَى ٱلْهُدَىٰ وَأَوْرَثْنَا بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ٱلْكِتَٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًى وَذِكْرَىٰ

لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿٥٤﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿٥٥﴾

بے شک ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگی میں، اور اس دن بھی جب کہ گواہ کھڑے ہوں گے، جس دن ظالموں کو ان کی معذرت کچھ فائدہ نہ دے گی اور ان کے لئے لعنت ہوگی اور ان کے لئے برا ٹھکانا ہوگا۔ اور ہم نے موسیٰ کو ہدایت عطا کی اور بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا، رہنمائی اور نصیحت عقل والوں کے لئے۔ پس تم صبر کرو، بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے اور اپنے قصور کی معافی چاہو۔ اور صبح وشام اپنے رب کی تسبیح کرو اس کی حمد کے ساتھ۔ ۵۵-۵۱

---

پیغمبر اور پیغمبر کے پیروؤں کے لئے خدا کی مدد کا یقینی وعدہ ہے۔ مگر اس مدد کا استحقاق ہمیشہ صبر کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ صبر کی یہ اہمیت اس لئے ہے تاکہ اہل حق مکمل طور اہل حق ٹھہریں اور ظالم مکمل طور پر ظالم ثابت ہو جائیں۔ اس تفریقی مرحلہ کو لانے کے لئے اہل حق کو یک طرفہ طور پر صبر کرنا پڑتا ہے۔

اہل حق کا یہ صبر انھیں دنیا میں خدا کی مدد کا مستحق بناتا ہے۔ اور اسی صبر کے ذریعہ وہ اس قابل ثابت ہوتے ہیں کہ وہ قیامت کے دن ظالموں کے مقابلہ میں خدا کے گواہ بن کر کھڑے ہوں۔

خدا کی طرف سے جو کتاب آتی ہے وہ انسانوں کی ھدایت اور نصیحت ہی کے لئے آتی ہے۔ مگر یہ نصیحت صرف ان لوگوں کو فائدہ دیتی ہے جو عقل والے ہوں۔ یعنی وہ لوگ جو مصلحتوں میں بندھے ہوئے نہ ہوں۔ جو نفسیاتی پیچیدگیوں سے آزاد ہو کر اس پر غور کر سکیں۔ جو باتوں کو دلیل کے اعتبار سے جانچتے ہوں نہ کہ کسی اور اعتبار سے۔ یہی خدا کی ہدایت کے ساتھ عقل والا معاملہ کرنا ہے۔ جو لوگ خدا کی ہدایت کے ساتھ بے عقلی کا معاملہ کریں وہ ظالم ہیں اور جو لوگ خدا کی ہدایت کے ساتھ عقل والا معاملہ کریں وہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہوں گے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ ۙ إِنْ فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرٌ مَا هُمْ بِبَالِغِيهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۖ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿٥٦﴾

جو لوگ کسی سند کے بغیر جو ان کے پاس آئی ہو، اللہ کی آیتوں میں جھگڑے نکالتے ہیں، ان کے دلوں میں صرف بڑائی ہے کہ وہ اس تک کبھی پہنچنے والے نہیں۔ پس تم اللہ کی پناہ مانگو، بے شک وہ سننے والا ہے، دیکھنے

والا ہے۔ ۵۶

حق اتنا واضح اور اتنا مدلل ہے کہ اس کو سمجھنا کسی کے لئے بھی مشکل نہیں۔ مگر جب بھی حق ظاہر ہوتا ہے تو وہ کسی "انسان" کے ذریعہ ظاہر ہوتا ہے۔ اس لئے حق کا اعتراف عملاً حامل حق کے اعتراف کے ہم معنی بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ حق کو ماننے پر راضی نہیں ہوتے جو اپنے اندر بڑائی کی نفسیات لئے ہوئے ہوں۔

ایسے لوگوں کو ڈر ہوتا ہے کہ حق کا اعتراف کرتے ہی وہ حامل حق کے مقابلہ میں اپنی برتری کھو دیں گے۔ اپنی اسی نفسیات کی وجہ سے وہ اس کے مخالف بن جاتے ہیں۔ مگر خدا نے اپنی دنیا کے لئے مقدر کر دیا ہے کہ ایسے لوگ کبھی کامیاب نہ ہوں۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

یقیناً آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسانوں کو پیدا کرنے کی نسبت زیادہ بڑا کام ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور اندھا اور آنکھوں والا یکساں نہیں ہو سکتا، اور نہ ایمان دار اور نیکوکار اور وہ جو برائی کرنے والے ہیں۔ تم لوگ بہت کم سوچتے ہو۔ بے شک قیامت آکر رہے گی۔ اس میں کوئی شک نہیں، مگر اکثر لوگ نہیں مانتے۔ ۵۷ - ۵۹

کائنات کی عظمت اپنے خالق کی عظمت کا تعارف ہے۔ یہ عظمت اتنی بے پناہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں انسان کو دوبارہ پیدا کرنا نسبتاً ایک بہت زیادہ آسان کام ہے اس طرح کائنات کی موجودہ تخلیق انسان کے تخلیق ثانی کے امکان کو ثابت کر رہی ہے۔

اس کے بعد انسانی سماج کو دیکھا جائے تو آخرت کی دنیا کا آنا ایک اخلاقی ضرورت معلوم ہونے لگتا ہے۔ سماج میں ایسے لوگ بھی ہیں جو حقیقت کو دیکھنے والی بصیرت کا ثبوت دیتے ہیں اور ایسے لوگ بھی ہیں جو حقیقت کے مقابلہ میں بالکل اندھے بنے ہوں۔ اسی طرح سماج میں ایسے لوگ بھی ہیں

جو ہر حال میں انصاف پر قائم رہتے ہیں۔ اور ایسے لوگ بھی جو انصاف سے ہٹ جاتے ہیں اور معاملات میں ظالمانہ رویہ اختیار کرتے ہیں۔ انسان کا اخلاقی احساس کہتا ہے کہ ان دونوں قسم کے انسانوں کا انجام یکساں نہیں ہونا چاہئے۔

ان باتوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آخرت کا ظہور عقلی طور پر ممکن بھی ہے اور اخلاقی طور پر ضروری بھی۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ
عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ﴿۶۰﴾ اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا
فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ
النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۶۱﴾ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ
فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿۶۲﴾ كَذَٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِينَ كَانُوا بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿۶۳﴾

اور تمہارے رب نے فرمادیا ہے کہ مجھ کو پکارو، میں تمہاری درخواست قبول کروں گا۔ جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو، اور دن کو روشن کیا۔ بے شک اللہ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے، ہر چیز کا پیدا کرنے والا، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر تم کہاں سے بہکائے جاتے ہو۔ اسی طرح وہ لوگ بہکائے جاتے رہے ہیں جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے۔ ۶۰-۶۳

---

زمین پر رات اور دن کا باقاعدہ نظام اور اس طرح کے دوسرے حیات بخش واقعات اس سے زیادہ بڑے ہیں کہ کوئی انسان یا تمام مخلوقات مل کر بھی ان کو ظہور میں لا سکیں۔ یہ ایک کھلا ہوا قرینہ ہے جو بتاتا ہے کہ جو خالق ہے وہی اس لائق ہے کہ اس کو معبود بنایا جائے۔ آدمی کو چاہئے کہ اسی کے آگے جھکے اور اسی سے امیدیں قائم کرے۔

مگر آدمی خالق کائنات سے عبادت اور دعا کا حقیقی تعلق قائم نہیں کر پاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کسی غیر خالق میں اٹکا ہوا ہوتا ہے۔ کچھ لوگ زندہ یا مردہ بتوں میں اٹکے ہوئے ہوتے ہیں جن کو شرک کہا

جاتا ہے۔ اور کچھ لوگ خود اپنی ذات میں اٹکے ہوئے ہوتے ہیں جس کا دوسرا نام کبر ہے۔ خدا بار بار ایسے دلائل ظاہر کرتا ہے جو اس فریب کی تردید کرنے والے ہوں۔ مگر انسان کوئی نہ کوئی جھوٹی توجیہ کرکے انھیں نظر انداز کر دیتا ہے۔

اس قسم کا ہر رویہ خالق کائنات کی ناقدری ہے۔ اور جو لوگ خالق کائنات کی ناقدری کریں وہ جہنم کے سوا کہیں اور جگہ نہیں پا سکتے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۴﴾ هُوَ الْحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۵﴾

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہارا نقشہ بنایا پس عمدہ نقشہ بنایا۔ اور اس نے تم کو عمدہ چیزوں کا رزق دیا۔ یہ اللہ ہے تمہارا رب، پس بڑا ہی با برکت ہے اللہ جو رب ہے سارے جہان کا۔ وہی زندہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس تم اسی کو پکارو۔ دین کو اسی کے لئے خالص کرتے ہوئے۔ ساری تعریف اللہ کے لئے ہے جو رب ہے سارے جہان کا۔ ۶۵-۶۴

---

زمین پر ان گنت اسباب جمع کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد ہی یہ ممکن ہوا ہے کہ انسان جیسی مخلوق اس کے اوپر تمدن کی تعمیر کر سکے۔ اسی طرح زمین کے اوپر جو فضا ہے اس میں بھی بے شمار موافق انتظامات ہیں جن میں اگر معمولی فرق بھی پیدا ہو جائے تو انسانی زندگی کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ پھر انسان کی بناوٹ اتنے اعلیٰ انداز میں ہوئی ہے کہ وہ ذہنی اور جسمانی اعتبار سے اس دنیا کی سب سے برتر مخلوق بن گیا ہے —— جس خالق نے یہ سب کیا ہے اس کے سوا کون اس قابل ہو سکتا ہے کہ انسان اس کا پرستار بنے۔

خدا کے لئے دین کو خالص کرکے اسے پکارنا یہ ہے کہ دینی و مذہبی نوعیت کا تعلق صرف ایک اللہ سے ہو۔ اللہ کے سوا کسی سے دینی و مذہبی قسم کا لگاؤ باقی نہ رہے۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ

الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٦﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ
مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ
لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ
وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا
قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٦٨﴾ ع ۸/۷ ۱۲

کہو، مجھے اس سے منع کر دیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، جب کہ میرے پاس کھلی دلیلیں آچکیں۔ اور مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں اپنے آپ کو رب العالمین کے حوالہ کر دوں۔ وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر وہ تم کو بچہ کی شکل میں نکالتا ہے، پھر وہ تم کو بڑھاتا ہے تاکہ تم اپنی پوری طاقت کو پہنچو، پھر تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ۔ اور تم میں سے کوئی پہلے ہی مر جاتا ہے۔ اور تاکہ تم مقرر وقت تک پہنچ جاؤ اور تاکہ تم سوچو۔ وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ پس جب وہ کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو بس اس کو کہتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے۔ ۶۸ - ۶۶

---

ان آیات میں فطرت کے کچھ واقعات کا ذکر ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا ہے "یہ اس لئے ہے تاکہ تم غور کرو" گویا فطرت کے یہ مادی واقعات اپنے اندر کچھ معنوی سبق لئے ہوتے ہیں۔ اور انسان سے یہ مطلوب ہے کہ وہ غور کر کے اس چھپے ہوئے سبق تک پہنچے۔

فطرت کے جن واقعات کا یہاں ذکر کیا گیا ہے وہ ہیں —— بے جان مادہ کا تبدیل ہو کر جاندار چیز بن جانا۔ انسان کا تدریجی انداز میں نشو ونما پانا۔ جوانی تک پہنچ کر پھر آدمی پر بڑھاپا طاری ہونا، زندہ انسان کا دوبارہ مر جانا، کبھی کم عمری میں اور کبھی زیادہ عمر میں۔ یہ واقعات خالق کی مختلف صفات کا تعارف ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کائنات کا وجود میں لانے والا ایک ایسا خدا ہے جو قادر اور حکیم ہے، وہ سب پر غالب اور بالادست ہے۔

اگر آدمی ان واقعات سے حقیقی سبق لے تو اس کا ذہن پکار اٹھے گا کہ ایک خدا ہی اس کا سزاوار ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس کو اپنا آخری مطلوب سمجھا جائے۔ عالم کا یہ نقشہ بزبان حال ان تمام معبودوں کی تردید کر رہا ہے جو ایک خدا کو چھوڑ کر بنائے گئے ہوں۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ أَنَّىٰ يُصْرَفُونَ ﴿٦٩﴾ الَّذِينَ كَذَّبُوا
بِالْكِتَابِ وَبِمَا أَرْسَلْنَا بِهِ رُسُلَنَا ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٧٠﴾ إِذِ الْأَغْلَالُ فِي
أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُونَ ﴿٧١﴾ فِي الْحَمِيمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ﴿٧٢﴾ ثُمَّ
قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُونَ ﴿٧٣﴾ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا بَلْ
لَمْ نَكُنْ نَدْعُو مِنْ قَبْلُ شَيْئًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ الْكَافِرِينَ ﴿٧٤﴾ ذَٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُونَ ﴿٧٥﴾ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ
خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٧٦﴾

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑے نکالتے ہیں۔ وہ کہاں سے پھیرے جاتے ہیں۔ جنھوں نے کتاب کو جھٹلایا اور اس چیز کو بھی جس کے ساتھ ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا۔ تو عنقریب وہ جانیں گے، جب کہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے۔ اور زنجیریں، وہ گھسیٹے جائیں گے جلتے ہوئے پانی میں۔ پھر وہ آگ میں جھونک دئے جائیں گے۔ پھر ان سے کہا جائے گا، کہاں ہیں وہ جن کو تم شریک کرتے تھے اللہ کے سوا۔ وہ کہیں گے، وہ ہم سے کھوئے گئے بلکہ ہم اس سے پہلے کسی چیز کو پکارتے نہ تھے۔ اس طرح اللہ گمراہ کرتا ہے منکروں کو۔ یہ اس سبب سے کہ تم زمین میں ناحق خوش ہوتے تھے اور اس سبب سے کہ تم گھمنڈ کرتے تھے۔ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، اس میں ہمیشہ رہنے کے لئے۔ پس کیسا برا ٹھکانا ہے گھمنڈ کرنے والوں کا۔ ۶۹ - ۷۶

---

ناحق پر خوش ہونے والے اور گھمنڈ کرنے والے کون تھے، یہ وقت کے بڑے لوگ تھے۔ ان کو کچھ دنیا کا سامان اور دنیا کی بڑائی مل گئی۔ اس کی وجہ سے وہ ناز اور گھمنڈ میں مبتلا ہو گئے۔ ان کی مادی کامیابی نے ان کے اندر غلط طور پر یہ احساس پیدا کر دیا کہ وہ پائے ہوئے لوگ ہیں۔ حالانکہ حقیقت کے اعتبار سے وہ صرف محروم لوگ تھے۔

وقت کے یہ بڑے اولاً حق کے منکر بنتے ہیں۔ پھر ان کی پیروی میں عوام بھی حق کا انکار کرنے لگتے ہیں۔
ان آیات میں اگلی دنیا کا وہ منظر دکھایا گیا ہے جب کہ یہ لوگ اپنی منکرانہ روش کی سزا پانے کے لئے جہنم

میں ڈال دئے جائیں گے۔ ان کی جھوٹی بڑائی آخر کار انھیں جہاں پہنچائے گی وہ صرف ابدی ذلت ہے جس سے نکلنے کی کوئی صورت ان کے لئے نہ ہوگی۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾

پس صبر کرو بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ پھر جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں اس کا کچھ حصہ ہم تم کو دکھا دیں گے۔ یا تم کو وفات دیں گے، پس ان کی واپسی ہماری ہی طرف ہے۔ ۷۷

---

یہ اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ حق کے داعیوں کی مدد کرے گا اور حق کے مخالفین کو مغلوب کرے گا۔ مگر اس وعدہ کا تحقق صبر کے بعد ہوتا ہے۔ داعی کو یک طرفہ طور پر فریق ثانی کی ایذاؤں کو برداشت کرنا پڑتا ہے یہاں تک کہ خدا کی سنت کے مطابق اس کے وعدہ کے ظہور کا وقت آجائے۔

مخالفین حق کی اصل سزا وہ ہے جو انھیں آخرت میں ملے گی۔ تاہم موجودہ دنیا میں بھی انھیں اس کا ابتدائی تجربہ کرایا جاتا ہے، اگرچہ ہمیشہ ایسا کیا جانا ضروری نہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۗ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾ ع ۱۲

اور ہم نے تم سے پہلے بہت سے رسول بھیجے، ان میں سے کچھ کے حالات ہم نے تم کو سنائے ہیں اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جن کے حالات ہم نے تم کو نہیں سنائے۔ اور کسی رسول کا یہ مقدور نہ تھا کہ وہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی نشانی لے آئے پھر جب اللہ کا حکم آگیا تو حق کے مطابق فیصلہ کر دیا گیا۔ اور غلط کار لوگ اس وقت خسارہ میں رہ گئے۔ ۷۸

---

قرآن میں رسولوں کے احوال بطور تاریخ نہیں بیان ہوتے ہیں بلکہ بطور نصیحت بیان ہوئے ہیں۔ اس لئے قرآن میں رسولوں کے احوال محدود طور پر صرف اتنا ہی بتائے گئے ہیں جتنا اللہ تعالی کے نزدیک نصیحت کے لئے ضروری تھے۔

رسول کا اصل کام صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کا پیغام اس کے تمام ضروری آداب اور تقاضوں کے ساتھ

لوگوں تک پہنچادے۔ اس کے بعد جہاں تک معجزہ کا تعلق ہے وہ تمام تر اللہ کے اختیار میں ہے، وہ اپنی مصلحت کے تحت کبھی انھیں ظاہر کرتا ہے اور کبھی ظاہر نہیں کرتا۔

معجزے زیادہ تر ان قوموں کو دکھائے گئے ہیں جن کی سرکشی کی بنا پر خدا کا فیصلہ تھا کہ انھیں ہلاک کر دیا جائے۔ اس لئے آخری طور پر اتمام حجت کے لئے انھیں معجزہ بھی دکھا دیا گیا۔ مگر پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کا معاملہ یہ تھا کہ اس کا بڑا حصہ بالآخر مومن بننے والا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو امکانی طور پر یہ صلاحیت رکھتے تھے کہ وہ تاریخ کے پہلے گروہ بنیں جس نے محض دلیل کی بنیاد پر حق کا اعتراف کیا اور اپنے آزاد ارادہ سے اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا۔ اس لئے ان لوگوں کے مطالبہ کو نادانی پر محمول کرتے ہوئے انھیں خارق عادت معجزے نہیں دکھائے گئے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَیْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ ۖ فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے مویشی بنائے تاکہ تم بعض سے سواری کا کام لو اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو۔ اور تمہارے لئے ان میں اور بھی فائدے ہیں۔ اور تاکہ تم ان کے ذریعہ سے اپنی حاجت تک پہنچو جو تمہارے دلوں میں ہو اور ان پر اور کشتی پر تم سوار کئے جاتے ہو اور وہ تم کو اور بھی نشانیاں دکھاتا ہے تو تم اللہ کی کن کن نشانیوں کا انکار کروگے۔ ۷۹-۸۱

---

انسان کو اپنی زندگی اور تمدن کے لئے بہت سی چیزوں کی ضرورت ہے۔ مثلاً غذا، سواری، مختلف قسم کی صنعتیں، سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا یہ سب چیزیں موجودہ دنیا میں وافر مقدار میں موجود ہیں۔ خدا نے دنیا کی چیزوں کو اس طرح بنایا ہے کہ وہ ہمیشہ انسان کے تابع رہیں اور انسان ان کو اپنی ضرورتوں کے لئے جس طرح چاہے استعمال کرسکے۔

یہ تمام چیزیں گویا خدا کی نشانیاں ہیں۔ وہ غیبی حقیقتوں کا مادی زبان میں اعلان کر رہی ہیں۔ یہ اعلان اگرچہ بالواسطہ زبان میں ہے مگر انسان کا بھلا اسی میں ہے کہ وہ بالواسطہ زبان میں کہی ہوئی بات کو سمجھے کیونکہ خدا جب براہ راست زبان میں کلام کرے تو وہ مہلتِ عمل کے ختم ہونے کا اعلان ہوتا ہے نہ کہ عمل شروع

کرنے کا۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ
كَانُوا أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا
كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٢﴾ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ
الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٨٣﴾ فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا
بِاللَّهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ﴿٨٤﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ
لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا ۖ سُنَّتَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ ۖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ
ع ۹ ۷ ۱۴ الْكَافِرُونَ ﴿٨٥﴾

کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ وہ دیکھتے کہ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ وہ ان سے زیادہ تھے، اور قوت میں اور نشانیوں میں جو کہ وہ زمین پر چھوڑ گئے، بڑھے ہوئے تھے۔ پس ان کی کمائی ان کے کچھ کام نہ آئی۔ پس جب ان کے پیغمبر ان کے پاس کھلی دلیلیں لے کر آئے تو وہ اپنے اس علم پر نازاں رہے جو ان کے پاس تھا، اور ان پر وہ عذاب آپڑا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھا، کہنے لگے کہ ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور ہم انکار کرتے ہیں جن کو ہم اس کے ساتھ شریک کرتے تھے۔ پس ان کا ایمان ان کے کام نہ آیا جب کہ انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔ یہی اللہ کی سنت ہے جو اس کے بندوں میں جاری رہی ہے، اور اس وقت انکار کرنے والے خسارے میں رہ گئے۔

۸۲-۸۵

علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ علم جس سے دنیا کی ترقیاں حاصل ہوتی ہیں۔ دوسرا علم وہ ہے جو آخرت کی کامیابی کا راستہ بتاتا ہے۔ جن لوگوں کے پاس دنیا کا علم ہو ان کے علم کا شاندار نتیجہ فوری طور پر دنیا کی ترقیوں کی صورت میں سامنے آجاتا ہے۔ اس کے برعکس جس شخص کے پاس آخرت کا علم ہو اس کے علم کے نتائج فوری طور پر محسوس شکل میں سامنے نہیں آتے۔

یہ فرق ان لوگوں کے اندر برتری کی نفسیات پیدا کر دیتا ہے جو دنیا کا علم رکھتے ہوں۔ چنانچہ ایسی قوموں کے پاس جب ان کے پیغمبر آئے تو انھوں نے اپنے کو زیادہ سمجھا اور پیغمبر کو کم خیال کیا۔ حتیٰ کہ وہ ان کا مذاق اڑانے

لگے۔ مگر اللہ نے ان قوموں کو ان کی تمام قوتوں اور شاندار ترقیوں کے باوجود ہلاک کر دیا۔ اب ان کے تاریخی آثار یا تو کھنڈر کی شکل میں ہیں یا زمین کے نیچے دبے ہوتے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے لئے ایک تاریخی مثال قائم کردی کہ ـــــ مستقل کامیابی کا راز علم آخرت میں ہے نہ کہ علم دنیا میں۔

ان قوموں نے ابتداءً اپنے پیغمبروں کا انکار کیا۔ پیغمبروں کے پاس دلیل کی قوت تھی۔ مگر یہ قومیں دلیل کی قوت کے آگے جھکنے کے لئے تیار نہ ہوئیں۔ آخر کار خدا نے عذاب کی زبان میں انھیں امر واقعی سے آگاہ کیا۔ اس وقت وہ لوگ جھک کر اقرار کرنے لگے۔ مگر یہ اقرار ان کے کام نہ آیا۔ کیونکہ اقرار وہ مطلوب ہے جو دلیل کی بنیاد پر ہو۔ اس اقرار کی کوئی قیمت نہیں جو عذاب کو دیکھ کر کیا جائے۔

---

سُوْرَۃُ حٰمٓ السَّجْدَۃِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ اَرْبَعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰیَۃً وَّسِتُّ رُکُوْعَاتٍ　بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حٰمٓ ۝ تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُہٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَکْثَرُھُمْ فَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَکِنَّۃٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْہِ وَفِیْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَیْنِنَا وَبَیْنِکَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

حٰم۔ یہ بڑے مہربان، نہایت رحم والے کی طرف سے اتارا ہوا کلام ہے۔ یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں کھول کھول کر بیان کی گئی ہیں، عربی زبان کا قرآن، ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔ خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا۔ پس ان لوگوں میں سے اکثر نے اس سے اعراض کیا۔ پس وہ نہیں سن رہے ہیں۔ اور انھوں نے کہا ہمارے دل اس سے پردے میں ہیں جن کی طرف تم ہم کو بلاتے ہو اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے۔ اور ہمارے اور تمہارے درمیان میں ایک حجاب ہے۔ پس تم اپنا کام کرو، ہم بھی اپنا کام کر رہے ہیں۔ ۵-۱

---

پیغمبر کی دعوت بے آمیز دین کی دعوت ہوتی ہے۔ اس کے برعکس لوگوں کا حال یہ ہے کہ اکثر وہ اپنے اکابر کے دین پر ہوتے ہیں۔ ان کے اوپر ان کی قومی روایات اور زمانی افکار کا غلبہ ہوتا ہے۔ اس بنا پر پیغمبر کا بے آمیز دین ان کے فکری ڈھانچہ میں نہیں بیٹھتا۔ وہ ان کو اجنبی دکھائی دیتا ہے۔ یہ فرق پیغمبر اور لوگوں کے